تحریک ہجرت
۱۹۲۰ء
راجا رشید محمود

تحریکِ ہجرت (۱۹۲۰ء)

ایک تاریخ۔ ایک تجزیہ

راجا رشید محمود
(ایم اے۔ فاضلِ درسِ نظامی)

مکتبۂ عالیہ ○ لاہور

بار سوم ۱۹۹۵ء

تحریک ہجرت (۱۹۲۰ء)

تالیف : راجا رشید محمود
ناشر : محمد جمیل النبی
طابع : مدینہ پریس لاہور

قیمت
-/۲۵۰

یکے از مطبوعات
مکتبۂ عالیہ لاہور
آفس : ۱۱- ایبک روڈ
شوروم : اردو بازار

یہ کتاب

چند سطریں ناشر کی جانب سے

تاریخ ایک بے رحم صداقت کا نام ہے، جو ہر آن اپنا آپ منواتی اور پیہم یہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ قوموں سے کب کہاں اور کیسے غلطیاں ہوتیں اور بالادست افراد کی کوتاہیاں اور خامیاں کس طرح قوموں کے نصیبے سے تاریک سایہ بن کر چمٹ گئیں —— شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ تاریخ ایک سبق ہے اور جو اس سبق سے صرف نظر کرتا ہے اسے عبرت کے کچھ اور اسباق کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے۔

انسانی معاشروں میں ہم ان اقوام میں شامل ہیں جنھوں نے ماضی کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے شاذ ہی کوئی مثبت اثر و نتیجہ اخذ کیا ہو۔ ہمارا وطیرہ بالعموم یہ ہے کہ تاریخ کے صفحات پر ہماری درماندگی کے اسباب جذباتی سوچ کا شکار بنتے اور مقدر کا لکھا سمجھے جاتے ہیں۔ حقائق سے چشم پوشی کے اس عارضے کے بہت سے دوسرے مظاہر میں ایک تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء کا سانحہ بھی ہے، جب برصغیر کے سادہ دل اور مذہب پرست مسلمان عوام کو ہجرت کے مقدس نام پر ترکِ وطن کی ترغیب دی گئی۔ ہزاروں مسلمانوں نے اسے ایک مذہبی فریضہ جانتے ہوئے افغانستان کی پس ماندہ و ویران سرزمین کی طرف کوچ کیا، لیکن یہ سحر بہت جلد ٹوٹ گیا۔ افغانستان کی تنگنائے نہ مہاجرین کو اپنے اندر سمو سکی، نہ انھیں باعزت زندگی کے اسباب مہیا کر سکی —— اور جب ہجرت کرنے والے ان سادہ لوح افراد نے پلٹ کر اپنے وطن کی جانب دیکھا تو یہاں ان کے کاروبار اور گھروں پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ یوں ایک پوری نسل اپنی سادہ لوحی سے مات کھا کر افلاس و نکبت کا شکار ہو گئی —— "تاریخ کا یہ سانحہ کب، کیوں اور کیسے برپا ہوا؟ اس کے حقیقی اسباب کیا تھے؟ اور وہ کون سے کردار تھے جو اس ڈرامے کو سٹیج کر رہے تھے ——"

یہ موضوع ہے زیر نظر کتاب کا۔ "تحریک ہجرت ۱۹۲۱ء" کے اسباب و علل اور اس کے عواقب و نتائج کا یہ پہلا تاریخی تجزیہ ہے، جسے جذبات سے ماورا ہو کر حقائق کی روشنی میں دیکھا اور پرکھا گیا ہے۔ راجا رشید محمود، برصغیر کے فکری اور سیاسی رجحانات و افکار کے نباض ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی، مذہبی اور معاشی تحریکوں پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ اس کتاب کے ذریعے ہمیں تاریخ کا وہ آئینہ دکھاتے ہیں جسے "تحریک ہجرت" کہا جاتا ہے اور جس کے اسباب و نتائج پر اب تک جذبات کی شدت اور مذہبی غلو نے پردہ ڈال رکھا ہے۔

—— محمد جمیل النبی

اپنے بچّوں

اظہر محمود

اور اختر محمود کے حوالے سے

نئی نسل کے نام

اس دعا کے ساتھ

کہ اللہ تعالیٰ انھیں کم نگاہ جہالت پروروں سے محفوظ رکھے !

دینِ حق از کافری رُسوا تر است
زانکہ مُلّا، مومنِ کافر گر است

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
مِلّت از قال و اقولش فرد فرد

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

رشتۂ دیں چوں فقیہاں کس نرشت
کعبہ را کردند آخر خشت خشت

(علّامہ اقبالؒ)

فہرست

تحریکِ خلافت

حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا جو ادارہ حضرت ابوبکر صدیق؄ حضرت فاروقِ اعظم؄ حضرت عثمانِ غنی؄ اور حضرت علی مرتضیٰ؄ کے عہد سے شروع ہوا تھا، وہ کسی نہ کسی صورت میں تیرہ سو سال سے بھی زیادہ عرصے تک قائم رہا۔ حضرت عثمان ذوالنورین؄ کے زمانے میں خلافت کے ساتھ ہندوستان کا ایک مضبوط رشتہ قائم ہو گیا تھا۔

خلافت کی مسلّمہ اہمیت

خلافتِ راشدہ کے بعد بنو امیہ برسرِ اقتدار آئے تو سندھ کے مسلمانوں نے ان کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز؄ نے خلافت سنبھالنے کے بعد سندھ کے سرداروں کے نام خطوط لکھے۔ چنانچہ آپ کی ذاتی نیکی، زہد و اتّقا کو دیکھ کر بہت سے راجا مسلمان ہو گئے اور عربوں جیسے نام رکھنے شروع کر دیئے۔ سلطان محمود غزنوی کی سلطنت وسط ایشیا میں سب سے مضبوط سلطنت تھی لیکن وہ خلیفہ کی اطاعت کو اپنے لئے کس قدر ضروری سمجھتا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ہر نئی کامیابی سے خلیفہ کو ضرور باخبر کرتا تھا اور نئی مہمات کے سلسلے میں خلیفہ سے باقاعدہ اجازت

حاصل کرتا۔ دربارِ خلافت سے اس کو یمین الدولہ کا خطاب دیا گیا جسے وہ اپنے لئے سب سے بڑا اعزاز سمجھتا تھا۔[1]

سلطان شمس الدین التمش کو ۶۲۶ھ میں بغداد سے خلعت عطا کی گئی۔ محمد بن تغلق کی خلافت سے عقیدت اور احترام کو ضیاء الدین برنی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "اس نے سکے سے اپنا نام مٹا کر خلیفہ کا نام اور لقب کندہ کرایا"[2]

سلاطین دہلی کے سکوں پر ہندوستان کے سلطان کے نام کے ساتھ ساتھ خلیفۂ وقت کا نام بھی ثبت ہے۔۔۔۔ سلاطینِ مالوہ، گجرات، اور بنگال کے سکوں پر بھی حکمرانوں کے ساتھ ساتھ خلیفۂ عصر کا نام بھی ثبت ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد ٹیپو سلطان نے جب انگریزوں کو اس برصغیر سے نکالنے کی مہم کا آغاز کیا تو انہوں نے قسطنطنیہ میں اپنے سفیر سے ایک خط سلطان سلیم ثالث کے دربار سے ٹیپو سلطان کے نام حاصل کیا۔۔۔۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران ایک مرتبہ پھر انگریزوں نے سلطان عبدالمجید سے ایک خط لکھوایا کہ وہ خلیفہ کی دوست حکومت (انگریز) کے خلاف بغاوت نہ کریں۔[3]

مسلمانانِ ہند ۱۹۱۹ء سے پیشتر بھی ترکوں سے اپنی ہمدردی اور محبت کا واضح اظہار اٹلی کے طرابلس پر حملے کے دوران کر چکے تھے۔ جنگِ بلقان کے دوران طبی مشن کا ہندوستان سے جانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان خلافت کے نام پر قربان ہونے تک کو تیار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے جذبات کو بھانپتے ہوئے جنگ کے بعد یہ اعلان کیا کہ ملکِ معظم کی حکومت ترکی کے خلاف

[1] سید سلیمان ندوی۔ خلافت اور ہندوستان۔ ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ۔ ص ۸

[2] خلافت اور ہندوستان، ص ۱۷ [3] خلافت اور ہندوستان۔ ص ۷۹

جنگ کر رہی ہے خلیفۃ المسلمین کے خلاف نہیں۔[4]

خلافتِ عثمانیہ

ترکی کے موقف کو اور اس کے ساتھ ہی مسلمانانِ عالم کے موقف کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ۱۹۱۱ء سے بھی سو سال قبل کی دنیا پر ایک نگاہ ڈالی جائے۔ جب سلطنتِ ترکیہ کے حصے بخرے کرنے کی باقاعدہ تحریک شروع ہوئی۔ مراکش کی سرحدوں سے لے کر عمان تک سلطنتِ ترکیہ چار ہزار میل سے بھی زیادہ کی وسعت میں پھیلی ہوئی تھی یا اسے یوں کہیے کہ تقریباً اسی فیصد علاقہ از شرق تا غرب اس کے زیرِ نگیں تھا اور شمالاً جنوباً اس کا پھیلاؤ ۷۵ فیصد حصے پر تھا کریمیا سے لے کر نیچے بالکل عدن کی سرحدوں تک یہ ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کا دامن کچھ تو فرانس نے کترا، کچھ روس نے اور کسی حد تک ہمارے سابق حکمرانوں یعنی انگریزوں نے بھی۔ اور یہ کوئی اسی سال کے عرصے میں ہوا۔ یورپی روس کے کچھ حصے پر، ڈان کے جنوبی علاقے اور ریاست ہائے بلقان پر روس نے قبضہ جمایا۔ براعظم افریقہ میں، الجزائر، تیونس پر اور صحارا کے منطقے پر جو برائے نام ہی سہی ترکی اقتدار کے ماتحت تھا۔ فرانس قابض ہوا اور مصر کی طرف سے جو ترکی سلطنت کا جز تھا، سوڈان ایک حد تک زد میں آیا۔ لیکن لارڈ کچنر کی جنگ خرطوم کے بعد برطانیہ و مصر کی ایک مشترکہ سیادت وہاں قائم ہو گئی اور یوں ترکی اقتدار سوڈان پر بھی باقی نہ رہا۔ یہ برطانیہ و مصر کی نجی ملکیت میں آ گیا۔ سو سال کی مختصر سی مدت کے اندر سلطنتِ ترکیہ کی سالمیت یوں توڑ دی گئی اور متعدد سلطنتیں وجود میں لائی گئیں۔ ۱۹۱۱ء میں پہلے اٹلی نے لیبیا پر چھاپہ مارا، پھر پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۲۰ء) کے دوران مصر نے اپنی آزادی بلکہ "برطانوی تولیت" کا اعلان کیا۔ پھر سعودی عرب، شام، اردن

[4] احمد سعید، پروفیسر، حصولِ پاکستان۔ ایجوکیشنل ایمپوریم "القصویٰ" لاہور اگست ۱۹۷۶ء۔ ص ۱۵۳

فلسطین، لبنان اور عراق کی نئی ریاستیں قائم ہوئیں۔ ۱۹۱۳ء میں البانیہ کو اور سارے
مقدونیہ کو یونان سمیٹ کر لے گیا۔ اس طرح تانیگرو اسی جنگ میں ہاتھوں سے گیا۔
تمام ریاست ہائے بلقان نے اپنی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس سے پہلے بوسینہ
ہرزیگوینیہ پر آسٹریلیا مسلط ہو چکا تھا۔

الغرض دس سال کے عرصے میں سلطنت ترکیہ جتنی ۱۹۰۸ء کے اختتام تک تھی، اس
سے گھٹ کر یہ باقی رہ گئی۔ بڑی طاقتوں نے اسی پر بس نہ کیا۔ وہ ترکی سے اس کے
کچھ اور علاقے چھیننا چاہتی تھیں۔ برطانوی فوجیں جن علاقوں کو جنگ میں فتح نہ کر سکیں،
ان کو معاہدہ سیورے کے ذریعے نکال لینے کی کوشش ہو رہی تھی [1]

۱۹۱۸ء میں ترک جرمن محاذ کو شکست ہوئی اور فتح پانے والوں نے جہاں
جرمنی کے ٹکڑے کر کے شکست کے ساتھ ساتھ اس کے اجتماعی وقار کو خاک میں
ملایا، وہاں ترکمانی ناموس بھی خون کے ساتھ ساتھ بہہ کر خاک میں شامل ہو گیا۔
اور عثمانی حکومت کی کشادہ حدود بھی فاتح ٹولے کے تصرف میں آگئیں [2]

تحریک خلافت

جنگ عظیم اول کے بعد تحریک خلافت کا دور شروع ہوا۔ اس تحریک کا مقصد
یہ تھا کہ ہندوستانی رعایا کی طرف سے برطانیہ پر دباؤ ڈالا جائے کہ ترکوں کی سلطانی
بحال ہو، خلیفۃ المسلمین کا منصب، خلافت محفوظ رہے اور خلیفہ سے تعرض نہ کیا
جائے۔ یہی نہیں کہ انگریز خود ترکوں کے حق میں نرم رویہ اختیار کرے بلکہ یورپ کی

[1] روزنامہ جنگ جمعہ میگزین ۳۰ ستمبر تا ۶ اکتوبر ۸۳ء ص ۷، ۸ تا ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۳ء ص ۸
(جدوجہد آزادی کی داستان" از سید حسین امام ترجمہ از ملیحہ حسن قسط ۱۱ ص ۱۳

[2] جدیدہ روایت نمبر ۱ مکتبہ روایت لاہور ۱۳-۱۹۸۳ء ص ۲۸۶ (سفرنامہ حجاز "نقش اول
کی تلاش" کا ایک باب" خاک حجاز کے نگہبان" از صلاح الدین محمود)

دوسری فاتح قوتوں کو بھی نرم روی کی ترغیب دے اور اگر انگریز اپنی رعایا کا یہ مطالبہ
نہ مانے تو اس کے خلاف ترک موالات کی تحریک چلائی جائے۔ [1]

خلافت کمیٹی کے مطالبات

خلافت کمیٹی کے مطالبات کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا "وقت کے
حالات اس امر کا ضرور داعیہ رکھتے ہیں کہ اس امر کو ظاہر کر دوں کہ خلافت کے متعلق
مسلمانان عالم اور علی الخصوص مسلمانان ہند کے مطالبات شرعی کیا تھے تاکہ ایک
مرتبہ ان مطالبات کا اعادہ موجودہ حالت کے اعتبار سے اس امر کا فیصلہ کرے کہ ہمارے
مطالبات کیا ہیں اور ان مطالبات کی صورت اور نوعیت کیا ہے.... اس بارے میں
مسلمانوں کے مطالبات یہ تھے کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر سے بالکل پاک کر دینا چاہیے۔
جزیرۃ العرب کے متعلق ہمارا اعلان یہ تھا کہ جزیرۃ العرب صرف حرمین کا نام نہیں ہے بلکہ
عراق کا وہ تہائی حصہ بھی حسب جغرافیہ اس میں داخل ہے.... جس وقت تک انگریزوں کا
اثر جزیرۃ العرب کی ایک چپہ زمین پر باقی رہے گا مسلمانان عالم کے لئے ناممکن ہے کہ
وہ ایک لمحہ کے لئے صلح و سمجھوتہ کا ہاتھ برٹش گورنمنٹ کی طرف بڑھا سکیں.... دوسری
اہم چیز ہمارے سامنے فلسطین کی وہ سرزمین ہے۔ جس کی تحریم ہمارے لئے ویسی ہی
ضروری ہے۔ جب تک کہ اس کا ایک چپہ بھی غیر مسلم اثر میں باقی ہے، اس وقت تک
محال ہے کہ ہمارے واسطے کسی صلح یا مفاہمت کا دروازہ کھل سکے.... ظاہر کیا جاتا
ہے کہ آج مسلمانوں کے مطالبات خلافت کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز تھریس
اور سمرنا ہے.... میں اس امر کا اعلان کر دینے کو تیار ہوں کہ سمرنا اور تھریس کو غازی
مصطفےٰ کمال پاشا کی تلوار کی نوک کی قسمت پر چھوڑ دیجئے.... ہمارا مطالبہ جزیرۃ العرب [2]

[1] میاں امیر سامعین پیلو ایام، کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، لاہور
بار اول اپریل ۱۹۸۲ء ص ۳۶

فلسطین اور شام کے لئے ہے، بیت المقدس کے لئے ہے، پائگاہ خلافت کے لئے ہے، اور ان شرائط کے لئے ہے جو پائگاہ خلافت کے لئے عائد کی گئیں۔"[1]

تحریکِ خلافت کے بانی

اس تحریک کا خیال اولاً جسے آیا، جس نے اس کی زمین نادانستہ ہموار کی، وہ مولانا ابو الکلام آزاد کا اخبار الہلال تھا اور البلاغ۔۔۔ تحریکِ خلافت کا تصور سب سے پہلے مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے دل میں آیا، اس لئے سہرا انہی کے سر ہے[2]۔ اوّل اوّل انہوں نے ملک کے مختلف علاقوں کے کچھ ممتاز علماء کو مدعو کیا اور اس پر آمادہ کیا کہ تحفظِ خلافت کے لئے کچھ کیا جائے کہ جیسے جنگ سے پہلے وہ تھی، ویسے ہی قائم رہے۔۔ اس سلسلے میں محمد علی، شوکت علی نے زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں بھی کچھ پیچھے نہیں رہے۔۔۔۔۔ پھر صوبائی قیادتیں بھی تقریباً تمام صوبوں میں پیدا کی گئیں۔۔۔ کانفرنسوں پہ کانفرنسیں منعقد ہوئیں کسی ایک صوبے میں نہیں، بلکہ ہر صوبے اور ہر علاقے میں، اور اس طرح ملک کے گوشے گوشے میں جلسے ہوئے۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۰ء کے اختتام تک پے بہ پے کانفرنسیں ہوئیں اور ہوتی رہیں۔ الغرض زرعی اصطلاح اگر تشبیہاً مستعار لی جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ مولانا آزاد نے زمین تیار کی۔ مولانا عبد الباری نے بیج بوئے، مولانا

---

[1] ابو الکلام آزاد، مولانا۔ خطبۂ صدارت تقریری ۱۹ اور نومبر ۱۹۲۱ء۔ بریڈ لا ہال لاہور، (قومی دار الاشاعت، امیر بخش، دوسری مرتبہ۔ ص ۶، ۸، ۹۰

[2] ڈاکٹر جاوید اقبال (جسٹس) نے سید سلیمان ندوی کے حوالے سے لکھا ہے۔

"خلافت کانفرنس کی بنیاد بھی بقول سید سلیمان ندوی، اس طرح پڑی تھی کہ آغا خاں نے مشیر حسین قدوائی کو آمادہ کیا اور انہوں نے مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو لکھ کر آمادہ کیا۔"

(زندہ رود، حیاتِ اقبال کا وسطی دور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت اوّل ۱۹۸۱ء، ص ۲۷۸)

محمد علی، شوکت علی اور ان کے رفقاء نے اسے سیراب کیا اور سینچا۔[3]

۱۹۱۸ء کے آخری ایام میں خلافت کانفرنس کا سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا جو بعد میں چل کر جمعیتِ خلافت کے نام سے بین الاقوامی شہرت کی مالک بنی۔ انگریز نے اپنی فتح اور ترکی کی بربادی پر "جشنِ مسرت" یا "جشنِ فتح" منانے کا فیصلہ کیا تو اس وقت بھی خلافت کانفرنس تھی جس نے ۲۴ نومبر ۱۹۱۸ء کو ایک عظیم الشان جلسۂ عام میں بمقام دہلی اعلان کیا کہ اگر ترکوں سے انصاف نہ برتا گیا تو مسلمان کسی ایسے جشن میں شرکت نہ کریں گے۔۔[4]

مرکزی خلافت کمیٹی

مسلمانوں نے اپنے مطالبات کو منوانے کے لئے اجتماعی اقدام کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ مسلمان لیڈروں کے ایک اجتماع نے جو ستمبر ۱۹۱۹ء میں لکھنؤ میں سر ابراہیم ہارون جعفر کے زیرِ قیادت منعقد ہوا۔ ایک مرکزی خلافت کمیٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا جس میں علماء اور غیر علماء ہر مکتبۂ خیال کے مسلمان شرکت کر سکتے تھے۔[5]

"مولانا محمد علی چار سال کی نظر بندی کاٹ کر ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء کو آل انڈیا مسلم کانفرنس کے جلسہ میں شریک ہونے کے لئے لکھنؤ پہنچے اور اسی احتجاجی جلسہ میں خلافت کانفرنس قائم کی گئی۔"[6]

---

[3] روزنامہ جنگ، جمعہ میگزین، ۷ تا ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۳ء ص ۸ جدوجہد آزادی کی داستان از سید حسین امام ترجمہ از ملیح حسن، قسط ۱۳

[4] اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہدِ آزادی، مرکزی اردو بورڈ لاہور، بار اوّل جون ۱۹۶۸ء ص ۲۴۰

[5] سید نور احمد، مارشل لا سے مارشل لا تک (اپریل ۱۹۱۹ء تا اکتوبر ۱۹۵۸ء) پبلشر سید نور محمد لاہور، طبع دوم، فروری ۱۹۶۶ء، ص ۲۴، ۲۵۔

[6] جاوید اقبال ڈاکٹر (جسٹس)، زندہ رود، حیاتِ اقبال کا وسطی دور، اشاعت اوّل۔ ص ۲۳۶

خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس

۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس اس غرض سے منعقد ہوا کہ اتحادیوں اور حکومت برطانیہ سے ان وعدوں کے ایفاد کا مطالبہ کیا جائے جو انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کے دوران کئے تھے۔ خلافت کانفرنس کے اس اجلاس میں برصغیر کے تمام صوبوں سے علماء کی ایک معتدبہ جماعت دہلی میں جمع ہوئی۔ جب علماء خلافت کانفرنس سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے ایک علیحدہ جلسہ منعقد کیا۔ جس میں ۲۵ علماء نے شرکت کی۔ شرکاء میں درج ذیل علماء شامل تھے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد انیس۔ پیر محمد امام سندھی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا قدیر بخش بدایونی۔[1]

تمام حاضرین جلسہ نے بالاتفاق منظور کیا کہ ایک جمعیت قائم کی جائے جس کا نام "جمعیت علماء ہند" رکھا جائے۔ . . . اسی اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ دسمبر کی آخری تاریخوں میں مسلم لیگ کا جو اجلاس امرتسر میں ہونے والا ہے اور جس میں مسئلہ خلافت اور ترکی کے مسائل پر بحث کی غرض سے علماء اسلام کی ایک معقول تعداد جمع ہونے والی ہے، وہاں جمعیت علماء ہند کا باقاعدہ اجلاس منعقد کیا جائے۔[2]

خلافت ہندو صحافی کی نظر میں

اگرچہ تحریک خلافت نے "ہندو مسلم اتحاد" کے مصنوعی جذبے کو پیدا کیا تھا، اور تحفظ خلافت کے داعی علماء کانگرس میں رہ کر ہندوؤں کے تابع مہمل بنے رہے

۱۔ طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، دہلی ۱۹۴۵ء ص ۵۲۶
۲۔ محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے، حصہ دوم، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۸
۳۔ پروین روزینہ (مرتب)، جمعیت العلماء ہند، دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے ۱۹۱۹-۱۹۴۵ء جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، طبع اول ۱۹۸۰ء ص ۱۳،۱۴

اور ان میں سے بیشتر نے اب تک اس "اتحاد" کو سینے سے لگا رکھا ہے لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ ۱۹۲۲ء میں خلافت کانفرنس کے آغاز کی توجیہ ایک ہندو صحافی موسوم بہ لچھنا گر کیسے کرتا ہے۔ ماہنامہ "درپن" لاہور کے کانگرس نمبر میں لکھا گیا: "جب سے مسلمانان ہند نے سرسید احمد کی پالیسی کے مطابق کانگرس سے علیحدگی اختیار کر کے ہر موقعہ پر گورنمنٹ کی وفاداری کا دم بھرنا اور اپنے لئے خاص حقوق کا مطالبہ کرنا شروع کیا، گورنمنٹ بھی ان کے ساتھ رعایت کا سلوک کرنے لگی۔ گورنمنٹ کا اس میں کیا بگڑتا تھا۔ کوئی اسامی کم ہندوؤں کو نہ دی، مسلمانوں کو دے دی۔ وظیفہ ہندو طالب علم کو نہ دیا، مسلمانوں کو دے دیا۔ انگریزوں کے حقوق یا اسامیاں تھوڑا ہی مسلمانوں کو دینی تھیں کہ ان کو سینک لگتا۔ لہذا ہندو پٹ گئے بیٹے کی طرح پھٹکارے جانے لگے اور مسلمان لاڈلے بیٹے کی طرح سر چڑھنے لگے۔ قاعدے کی بات ہے کہ لاڈلے بیٹے کی اگر بات نہ مانی جائے تو وہ زیادہ بگڑتا ہے۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ پریس اور مجالس متوطلہ ایکٹ ہندوؤں کی طرح ان پر بھی لگتے ہیں، ڈیفنس ایکٹ کے ماتحت ان کو بھی رگڑا گیا ہے، جلیانوالہ باغ میں ان کو بھی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ خلافت کے معاملے میں ان کے ساتھ لاپرواہی اور حقارت کا سلوک کیا گیا ہے۔ لہذا وہ بگڑے اور روٹھے تو ان کو دو رنج ہو گئے۔ ایک پنجاب کے مظالم کا، دوسرا خلافت کا۔ خلافت کے معاملے کو سوچنے اور سلجھانے کے لئے ماہ نومبر ۱۹۱۹ء میں بمقام دہلی آل انڈیا خلافت کانفرنس مدعو کی گئی اور اس مضمون کا ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ اگر مسئلہ خلافت کا حل اطمینان بخش طور پر طے نہ ہوا تو وہ گورنمنٹ سے تعاون کرنا چھوڑ دیں گے۔"[1]

ملکی سیاست میں تحریک خلافت کی ولدیت

پروفیسر احمد سعید لکھتے ہیں: "تحریک خلافت کی بدولت علماء اپنے حجروں

۱۔ ماہنامہ "درپن" لاہور۔ کانگرس نمبر۔ دسمبر ۱۹۲۲ء۔ ص ۲۵۲

سے نکل کر میدانِ سیاست میں آئے اور اس موقع پر انہوں نے علانیہ طور پر سیاست میں حصہ لیا۔[1]

جراُت مندانہ سیاسی اقدام کے حوالے سے مسلمانوں کی اوّلیت اور ہندوؤں کی لیت و لعل کے بارے میں عبدالوحید خان کہتے ہیں" کانگرس دسمبر ۱۹۲۰ء تک خاموشی کے ساتھ آزادی کی جنگ کا تماشہ دیکھتی رہی۔ مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کی طرف سے حکومتِ برطانیہ کے خلاف تقریباً ایک سال تک تنہا جنگ لڑی جاتی رہی۔"[2]

خلافت کمیٹی میں ہندوؤں کا عمل دخل

" ۱۹۱۹ء کے آخر میں سندھ میں خلافت کمیٹی کی شاخ قائم ہوئی۔ سندھ میں خلافت کا پہلا اجلاس ۴، جنوری ۱۹۲۰ء کو حیدر آباد میں منعقد ہوا۔ دوسرا اجلاس اسی سال اپریل میں سیوہن میں منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا عبدالکریم درس نے کی۔"[3]

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کے اس مضمون کے ماخذ میں اہم کتب و رسائل و اخبارات کی ایک طویل فہرست ہے لیکن روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۸، فروری ۱۹۲۰ء کے صفحۂ اوّل پر جس "دوم سندھ کانفرنس" (لاڑکانہ) کی تفصیلی خبر شائع ہوئی تھی، اس کا ذکر ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس کانفرنس کے حاضرین میں مندرجہ ذیل اصحاب کے نام سامنے آتے ہیں۔ مولانا عبدالباری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، آنریبل مسٹر بھورگری، حاجی عبدالہارون (؟)، شیخ

---

[1] احمد سعید، تحریکِ حصولِ پاکستان، ایجوکیشنل ایمپوریم (انضمہ) لاہور، اگست ۱۹۷۶ء ص ۱۹۴

[2] عبدالوحید خان، تقسیم ہند، مکتبہ کارواں، لاہور، طبع دوم، اگست ۱۹۸۲ء ص ۴

[3] مجلہ "برگِ گل"، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی، جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ [مضمون "سندھ میں خلافت کی تحریک" از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی] ص ۱۱۷

عبدالمجید، عبدالجبار، شیخ عزیز، ڈاکٹر نور محمد، مسٹر ٹی کے جسوانی ایڈیٹر ہندو ٹائمز، مسٹر ویرو مل بیگراج، مسٹر بھوج سنگھ، مسٹر لال چند نول رائے، مسٹر سری کشن داس مولا مسٹر مارو والا، مسٹر گوبند بخش بیرسٹر، ملکھی رام، نی داس سیٹھ ٹھاکر داس، سیٹھ اودترائے، مسٹر شیر سنگھ پلیڈر، مسٹر ہولارام بیرسٹر، مسٹر ویرو سنگھ پلیڈر۔ اخبار میں لکھا ہے: "صدارتی تقریر کے بعد سبجکیٹس کمیٹی کے قریباً ۰۰ ممبر منتخب کئے گئے، جن میں سے ۱۵ ہندو تھے۔"[4]

خلافت کمیٹی میں ہندوؤں کے عمل دخل کے بارے میں موہن لعل بھٹناگر لکھتے ہیں: "مئی ۱۹۲۰ء میں مستقل صلح کی شرائط شائع ہوگئیں جن میں ترکی کے حصے بخرے کر لیئے گئے۔۔۔۔ شرائطِ صلح کے شائع ہوتے ہی ۱۷ مئی ۱۹۲۰ء کو مہاتما گاندھی نے اخبارات میں حسب ذیل بیان شائع کیا: "اگر مسلمان ثابت قدم رہیں اور دانائی کے ساتھ کافی قربانی کریں تو شرائطِ صلح تبدیل ہوسکتی ہیں۔ خلافت کمیٹی ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ کانفرنس مدعو کرے کہ کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔" مہاتما جی کی اس تجویز پر خلافت کمیٹی نے عمل کیا۔"[5]

حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے ہی خلافت کے رہنماؤں نے ہندوؤں کو ساتھ لے کر چلنے کی پالیسی اپنا رکھی تھی۔ "جواہر لال کی کہانی" میں ہے۔ "دہلی میں جنوری ۱۹۲۰ء میں خلافت کے رہنماؤں اور علماء کا اجلاس منعقد ہوا لیکن اس کو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ کانفرنس کی حیثیت حاصل تھی، کیونکہ تمام بڑے بڑے ہندو مسلم رہنماؤں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔"[6]

سید حسین امام کہتے ہیں: "سب سے اہم کانفرنس وہ تھی جو ۲۰، جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی

---

[4] روزنامہ پیسہ اخبار، لاہور، ۱۸ فروری ۱۹۲۰ء، صفحۂ اوّل

[5] ماہواری رسالہ "درپن" لاہور، کانگرس نمبر، دسمبر ۱۹۲۲ء ص ۲۵۲

[6] محمد رحیم دہلوی، جواہر لال کی کہانی، نیا کتاب گھر دہلی، بار اوّل، س ن، ص ۲۹

میں ہوئی یہ پہلی خلافت کانفرنس تھی جس میں مولانا آزاد شریک ہوئے اور وہیں آپ کی ملاقات مسٹر ایم کے گاندھی سے زندگی میں پہلی مرتبہ ہوئی مگر ایسی زبردست کشش دونوں نے ایک دوسرے میں پائی کہ دونوں میں جیسے یارانہ ہوگیا، یہ دوستی مسٹر گاندھی کے انتقال ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء تک قائم رہی[۱] اسی کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ برطانوی حکومت کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کے لئے ایک وفد لندن بھیجا جائے اور اس وفد کے قائد مولانا محمد علی منتخب ہوئے، سید سلیمان ندوی اور سید حسین اور حسن محمد حیات اس کے ارکان تھے، بعد میں مولانا ابوالقاسم اور شیخ مشیر حسین قدوائی بھی شریک وفد ہوئے[۲]

ڈاکٹر جاوید اقبال رقمطراز ہیں، لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال خلافت وفد کے انگلستان بھیجنے کے حق میں نہ تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ حکومت برطانیہ اپنی اغراض کے حصول کی خاطر خلافت

---

[۱] اسی لئے وہ زندگی بھر مسٹر گاندھی کے تابع مہمل بنے رہے اور ان کے حادثۂ قتل کے چند دن بعد ہی فروری ۱۹۴۸ء میں کانسٹی ٹیوشن کلب نیو دہلی میں اپنی صدارتی تقریر میں ان کے متعلق کہا "انہوں (مسٹر گاندھی) نے ہند و مذہب و دماغ کی ایک نئی تعبیر کی تھی اور ایک نیا زاویہ بنایا تھا جو تمام حد بندیوں پر چھا گیا اور وہ ایسی جگہ بن گئی کہ نہ وہاں جغرافیہ اور قومیت کی لکیریں چل سکتی ہیں، نہ اور حد بندیوں کی دیواریں قائم رہ سکتی ہیں، یہ وہ بلندی ہے کہ اگر ہمارا دماغ وہاں تک پہنچ سکے تو اس سے بڑی کوئی خوبی نہیں ہے" (روزنامہ الجمعیۃ دہلی، آزاد نمبر ۴ دسمبر ۱۹۵۸ء مولانا آزاد کی ایک غیر مطبوعہ تحریر بعنوان انسانی عظمت و سربلندی کا حقیقی راز)

[۲] روزنامہ جنگ جمعہ میگزین، ۷ تا ۱۳ راکتوبر ۱۹۸۳ء ص ۵ جد و جہد آزادی کی داستان از سید حسین امام ترجمہ از ملیح حسن، قسط ۱۳ ء

وفد کو لندن بلوانا چاہتی تھی اور اس مقصد کے لئے آغا خان کو استعمال کر رہی تھی[۱]

خلافت شعراء کی نظر میں

اس زمانے میں عام طور پر مسلمان زعماء اور مشاہیر خلافت کے معاملے کو جذباتی مسئلہ بنائے بیٹھے تھے، اخبارات میں لیڈروں کے بیانات اور تقاریر وغیرہ کے علاوہ شعراء کے نتیجہ ہائے فکر بھی اشاعت پذیر ہوتے تھے مثلاً

"جنگ میں ہم نے مدد دی اپنے مال و زر دیئے
اپنی جانیں بھی فدا کیں اور اپنے سر دیئے
دے کے لائڈ جارج نے مایوس کن ہم کو جواب
جاں ہماری وقفِ غم کی درد سے دل بھر دیئے
رحم کر مولا کہ ہم اب ظلمتوں میں گھر گئے
گھی کے جلتے ہیں ہمارے دشمنوں کے گھر دیئے"
واہ کیا انصاف ہے، کیا منصفی ہے اے کے کام
اور الٹے ہی ہمیں الزام اے مسٹر دیئے
کیوں نہ ہو ماتم بپا حافظ مسلمانوں کے گھر
دولت عثمانیہ کے آہ ٹکڑے کر دیئے

حافظ سلیم احمد خاں ساکن امروہہ[۲]

مری زندگی ہے برائے خلافت
میں ہوں جان و دل سے فدائے خلافت

---

[۱] جاوید اقبال، زندہ رود حیات اقبال کا وسطی دور، شیخ غلام علی اینڈ سنز بار اول ۱۹۸۱ء ص ۲۴۸

[۲] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۲ اپریل ۱۹۲۰ء ص ۲

ہے پاس ان کے مرگِ مسیحا کا درماں
جو ہیں کشتگانِ ادائے خلافت
اگر تو ہے چشتی حقیقت میں مسلم
تو سر تک بھی دے دے برائے خلافت

غلام حیدر خاں چشتی از جموں [1]

مسلم کی زباں پر ہی نہیں "ہائے خلافت"
ہندو بھی یہ کہتا ہے کہ اے وائے خلافت

منشی علی حسین صہبا مراد آباد [2]

بزمِ مسلم میں خلافت کے ہیں پروانے سبھی
اب بھی اک جادو چراغِ کشتہ محفل میں ہے

مسٹر حامد علی خاں [3]

تجھے آج مسلم جگاتا ہوں میں
نیا ایک منظر دکھاتا ہوں میں
خلافت کی محفل جو ہو بے چراغ
تو ہجرت کی مشعل جلاتا ہوں میں

ملک لال الدین احمد قیصر لاہوری [4]

علامہ اقبال اور خلافت کمیٹی

مفکرِ ملت علامہ اقبال اگرچہ شروع میں صوبائی خلافت کمیٹی کے رکن تھے لیکن

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل
[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۹ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۷ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل
[4] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۳ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۳

جلد ہی انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور محمد نیاز الدین خان کو اپنے خط محررہ ۱۱ فروری ۱۹۲۰ء میں واضح کیا "گرامی صاحب کی خدمت میں سلام علیکم عرض کیجئے۔ وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے خلافت کمیٹی سے کیوں استعفیٰ دے دیا۔ وہ لاہور آئیں تو ان کو حالات سے آگاہ کردوں جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبروں کا مقصد تھا۔ اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں مسلمانوں کے لئے خطرناک تھا" [1]

اسی زمانے میں اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد نے دیگر نوجوانوں کی طرح تحریک خلافت میں خاصی سرگرمی کے ساتھ حصہ لینا شروع کیا۔ ان کے والد نے اقبال سے اس کا ذکر کیا تو جواب میں فرمایا "... اس کے علاوہ خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبر جگہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتے۔ وہ بظاہر جوشیلے مسلمان معلوم ہوتے ہیں، لیکن در باطن اخوان الشیاطین ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے خلافت کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے استعفا دے دیا تھا۔ اس استعفا کے وجوہ اس قابل نہ تھے کہ پبلک کے سامنے پیش کیے جا سکتے ورنہ لوگوں کو سخت حیرت ہوتی" [2]

خلافت کمیٹی اور گاندھی جی

موہن لعل بھٹناگر خلافت اور گاندھی جی کے تعلق کے حوالے سے لکھتے ہیں "ترکی کے ساتھ یہ بد سلوکی دیکھ کر ہندوستان کے قوم پرست مسلمانوں نے تحریکِ خلافت کی بنیاد ڈالی اور آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔ چند ہی دنوں میں مہاتما جی خلافت کے لیڈر اور خلافت کمیٹی کے رہبر بن گئے اور مسلمانوں نے مہاتما جی پر وہ اعتبار اور یقین دکھایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ قصہ کوتاہ، شروع ۱۹۲۰ء میں مہاتما جی کانگرس اور خلافت

---

[1] مکاتیبِ اقبال بنام محمد نیاز الدین خاں۔ صفحہ ۲۷ (بحوالہ زندہ رود، حیاتِ اقبال کا وسطی دور از جاوید اقبال۔ ص ۳۳۹۔
[2] فقیر سید وحید الدین۔ روزگار فقیر۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۸۰

کے سنٹر لیڈر بن گئے"۔[1]

آل انڈیا مرکزی خلافت کمیٹی کی مجلس عاملہ کے ایک اجلاس میں جو کہ چھوٹانی ہوس میں زیر صدارت سیٹھ میاں محمد حاجی جان محمد چھوٹانی ۲۶، ۲۷ مارچ کو منعقد ہوا جس میں دیگر قراردوں کے علاوہ مندرجہ ذیل اہم قرارداد باتفاق رائے پاس ہوئی "مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کی ورکنگ کمیٹی کا یہ جلسہ مہاتما گاندھی جی کی لاثانی اور عظیم الشان خدمات کو ملک کے معاملہ میں عموماً اور مسئلہ خلافت میں خصوصاً جو کہ ہر طرح کی قدردانی اور انسانی تعریف سے باہر ہیں، قومی شان اور وقار کے خزانہ میں نہایت قیمتی اضافہ خیال کرتا ہے۔"[2]

عام مسلمان تو خلافت کے احیا کے لئے کوشاں تھا۔ اسی مقصد کے لئے کروڑوں روپے ۱۹۲۰-۲۱ء کے سستے زمانے میں، پیش کئے گئے۔ لوگوں نے اپنی ملازمتیں تج دیں، جانیں قربان کر دیں، مال و آبرو کا لحاظ نہ رکھا۔ لیکن گاندھی جی نے خلافت کے نعرے کو سوراج کے حصول کے نعرے کے طور پر لگایا اور خلافت کمیٹی کے رہنماؤں کو بھی اسی راہ پر ڈال دیا۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء کے "ٹربیون" کے ادارتی شذرے میں لکھا گیا۔

"For me" says Mahatma Gandhi in the course of a very interesting article on Hindu-Muslim unity in the latest issue of "Young India" "the attainment of the Khilafat through India's power is the attainment of Swaraj". This, is not the first time the Mahatma Gandhi has made this emphatic statement, but, as far as we are aware, neither

---

[1] ماہواری رسالہ "درپن" لاہور، کانگریس نمبر، دسمبر ۱۹۳۲ء، ص ۲۳۶

[2] سنگرہ کرتا رگیانی لال سنگھ "پرتاپ" "مہاتما گاندھی جی کی عظمت، ممالک غیر کی نظروں میں" مفید سلسلہ کتب، مطبوعہ پرکاش سٹیم پریس لاہور، ص ۲۵۲

he nor anyone else has ever answered, at any rate satisfactorily answered, either of two questions which naturally arise out of this statement. These are (1) Is not the attainment of the Khilafat an international rather than a national question and (2) Is the converse of Mahatma Gandhi's proposition equally true - in other words is the attainment of Swaraj the same thing as the attainment of the Khilafat.[1]

خلافت کمیٹی نے ہمیں "ہندو مسلم اتحاد" کی جو راہ دکھائی، اس کے نتائج جس قدر پریشان کن ثابت ہوئے، اس سے ہم سب واقف ہیں۔ علامہ اقبال نے شروع ہی میں یہ سب کچھ بھانپ لیا تھا اور صوبائی خلافت کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے مستعفی ہو گئے تھے۔ ۱۸ مارچ ۱۹۲۸ء کو انہوں نے سید سلیمان ندوی کو لکھا "اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہل خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں۔ جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا۔"[2]

---

[1] روزنامہ "دی ٹریبیون" لاہور، ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء، ص ۱

[2] شیخ عطاء اللہ (مرتب) اقبال نامہ حصہ اول، ص ۱۵۸

ہندو مسلم اتحاد

مسلمانوں میں مرکزیت کے احساس کا نام خلافت کا تحفظ تھا، یہ عام مسلمان کے لیے جذباتی مسئلہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے سیاسی لیڈروں نے بھی اس کے بارے میں جذباتی انداز میں سوچا۔ مسلمان زعما نے اس مسئلے پر غور شروع کیا کہ برطانیہ اور اس کی اتحادی طاقتیں شکست خوردہ ترکی کے ساتھ کیا سلوک کریں گی اور مقامات مقدسہ اور جزیرۃ العرب پر خلیفۃ المسلمین کا اقتدار کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔" ہندو لیڈروں کی صفوں میں ایک شخص جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک سیاسی انقلاب لانا چاہتا تھا مسلمانوں کے ان جذبات کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ یہ مہاتما گاندھی تھے ..... انھوں نے مسلمانوں کی حمایت یہ کہہ کر شروع کر دی کہ یہ میرے مسلمان بھائیوں پر آزمائش کا وقت ہے۔ میں ان کے مطالبے کے حسن و قبح پر غور کرکے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ مطالبہ ناجائز نہیں ہے۔ لہٰذا میرا فرض ہے کہ میں ان کا پورا ساتھ دوں:"[1]

گاندھی خلافت کے لیڈر کیسے بنے؟

نئی خلافت کمیٹی نے عملی اقدامات پر غور و خوض کرنے کے لیے ایک کانفرنس ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں منعقد کی ...... مجلس استقبالیہ کے صدر مسٹر آصف علی تھے۔ انھوں نے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے مہاتما گاندھی اور چار دوسرے ہندو لیڈروں کو بھی دعوت بھیج دی اور دعوت نامے میں کانفرنس کا جو ایجنڈا درج کیا گیا، اس میں تحفظ خلافت کے

[1] سید نور احمد۔ مارشل لا سے مارشل لا تک (اپریل ۱۹۱۹ء تا اکتوبر ۱۹۵۸ء) پبلشر سید نور احمد۔ طبع دوم۔ فروری ۱۹۶۶ء صـ ۲۴۔

ساتھ گئو رکھشا کا مسئلہ بھی شامل کر دیا[2]

گاندھی جی جذباتی مسلمان لیڈروں کی کمزور رگ سے واقف تھے۔ انھوں نے دعوت نامے کے جواب میں شرکت کا وعدہ کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ گئو رکھشا کے مسئلے کو ایجنڈے سے نکال دیا جائے اس طرح ان پر بحث نہیں ہونی چاہیے۔ جیسے سودا چکایا جاتا ہے[3] پھر کیا تھا مسلمان زعما ریشہ خطمی ہو گئے۔ گاندھی جی کو مخلص جان کر لیڈر مان لیا گیا۔ اسی کانفرنس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کہا: "خواہ ہندو ہماری مدد کریں، خواہ نہ کریں، مسلمانوں کو اپنے برادران وطن کے جذبات کا لحاظ کرکے گاؤ کشی ختم کر دینا چاہیے"[4] یعنی خلافت کمیٹی نے "ہندو مسلم اتحاد" کو جنم دیا۔" آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم ہوئی، چند ہی دنوں میں مہاتما جی خلافت کے لیڈر اور خلافت کمیٹی کے راہبر بن گئے اور مسلمانوں نے مہاتما جی پر وہ اعتبار اور یقین دکھایا کہ دنیا دنگ رہ گئی[5]

میاں امیر الدین کہتے ہیں: "مسٹر گاندھی نے بھی خلافت کی تحریک میں ہندوؤں کے نمائندے کی حیثیت سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کی سادہ لوحی کی بدولت گویا ہندو لیڈروں اور خاص طور پر گاندھی نے مسلمانوں کے ایک خیر خواہ اور ہمدرد کی حیثیت اختیار کر لی جس کا خمیازہ مسلمانوں کو جلد ہی بھگتنا پڑا[6] مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کی ورکنگ کمیٹی نے مارچ ۱۹۲۰ء میں ایک قرارداد کے ذریعے گاندھی جی کی خلافت کے سلسلے میں "لاثانی اور عظیم الشان خدمات" کا اعتراف کیا[7]

[2] سید نور احمد۔ مارشل لا سے مارشل لا تک صـ ۲۵

[3] نقوش، آپ بیتی نمبر جلد اوّل۔ جون ۱۹۶۴ء (گاندھی کی آپ بیتی۔ ترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین۔ تلخیص خورشید مصطفیٰ رضوی) صـ ۳۶۹

[4] نقوش۔ آپ بیتی نمبر جلد اوّل۔ جون ۱۹۶۴ء صـ ۳۶۹

[5] ماہواری رسالہ "ادبی" لاہور۔ کانگرس نمبر۔ دسمبر ۱۹۲۲ء صـ ۲۲۶

[6] میاں امیر الدین۔ یاد ایام۔ کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ بار اوّل۔ اپریل ۱۹۸۳ء۔ صـ ۴۴

[7] سنگرو کرتا رگیانی لال سنگھ پرتاب۔ مہاتما گاندھی جی کی عظمت ... ہفید سلسلہ کتب مطبوعہ پرکاش سٹیم پریس لاہور، صـ ۱۵۲

گاندھی امام عبداللہ بن مبارکؒ جیسے

نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کے معروف لیڈر اور مشہور اہل حدیث عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مسٹر گاندھی کی ثنا خوانی کی:

"گاندھی احمد آباد گجرات کے رہنے والے ہندو بزرگ ہیں۔ ہندوستان کی محبت میں اپنا تمام کاروبار ذاتی اور خاندانی، بلکہ عیش و آرام بھی چھوڑے ہوئے ہیں..... ملک کی مخلصانہ محبت میں ایسے رنگے ہوئے ہیں کہ صاحب وزیر ہند تک ان کے اخلاص اور محبت ملکی کے قائل ہیں۔ وہ دہلی سے ۴ نومبر کو صبح بمبئی میل پر امرتسر تشریف لائے، خاکسار بھی گزشتہ سفر سے اسی گاڑی پر آیا تھا۔ آکر اسٹیشن پر دیکھا تو ہزارہا ہندو مسلمان مہاتما گاندھی کے استقبال کے لیے موجود ہیں۔ اس ہجوم کو دیکھ کر مجھے خلیفہ ہارون الرشید کی حکومت کا ایک واقعہ یاد آیا۔ امام عبداللہ ابن مبارک بغداد تشریف لائے، تو مسلمان ان کے استقبال کو اس کثرت سے نکلے کہ شہر قریباً خالی ہو گیا۔ خلیفہ کی لونڈی نے اپنے محل سے دیکھا تو کہا، خدا کی قسم، ہارون کی حکومت تو جابرانہ ہے۔ اصل حکومت تو یہ ہے۔"[۱]

راولپنڈی میں اگست ۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی کا ایک "عظیم الشان جلسہ" ہوا جس میں مولوی ظفر علی خاں اڈیٹر زمیندار نے "پرجوش تقریر" فرمائی۔ آپ نے فرمایا: "اب ہندو مسلمانوں میں تفرقہ نہیں پڑ سکتا۔ ہندوؤں نے اور مہاتما گاندھی[۲] نے مسلمانوں پر جو احسان کیے ہیں، ان کا عوض ہم نہیں دے سکتے۔ ہمارے پاس زر نہیں ہے، جب جان چاہیں، ہم حاضر ہیں۔"[۳]

---

۱ ہفت روزہ "اہل حدیث" امرتسر۔ ۱۴ نومبر ۱۹۱۹ء ص ۱۲

۲ مسلمان لیڈروں نے گاندھی جی کو "مہاتما" بنا دیا۔ مگر ایسے صاحب بصیرت جن کی فکر کا قبلہ راست تھا۔ انھوں نے انھیں اس حرکت سے روکا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے لکھا: "مہاتما کہنا سخت تعظیم مشرک ہے اور کلمۂ کفر ہے۔" (الطاری الداری لہفوات عبدالباری۔ حصہ اول مؤلفہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری۔ جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی ۱۳۳۹ھ ص ۲۴)

۳ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء ص ۳

ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار

"زمیندار" کچھ عرصہ بند رہا۔ اس کا دوبارہ اجرا ہوا تو پہلے شمارے میں مولانا ظفر علی خاں نے اسے "ہندو مسلم کی ہم کیشی کی ساعت" قرار دیا۔

احیاءِ زمیندار

جس کو سچی بات کہنے میں نہیں مطلق ہراس
آج میدانِ صحافت میں وہ اخبار آگیا
ہندو و مسلم کی ہم کیشی کی ساعت آگئی
کیونکہ خاکِ کعبۂ دل کا پرستار آگیا[۴]

"زمیندار" "ہندو مسلم اتحاد" کا بہت بڑا علمبردار تھا۔ اس نے اس کی تبلیغ و اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ سید مسعود شاہ مدرس سری رنبیر ہائی سکول جموں کے اشعار "زمیندار" میں چھپے:

درد بچھڑے ہوئے قدرت کے ملا دیتا ہے
بھائی ہندو کو مسلماں کا بنا دیتا ہے
تشنہ کامانِ خلافت کے لیے گنگا کو
چشمۂ صافیٔ زمزم میں ملا دیتا ہے
گر اذاں سے نہ ہو بیدار تو بن کر ناقوس
سوئی اسلام کی بستی کو جگا دیتا ہے[۵]

گاندھی کے پس رَو اور اُن کا تعاقب

ایسے میں جب "بڑے بڑے" ہندوؤں کے تابع مہمل بنے ہوئے تھے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے احقاق حق اور ابطال باطل کے فریضے سے منہ نہیں موڑا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے اپنے آپ کو گاندھی کا پس رَو کہا، اسے اپنا راہنما تسلیم کیا۔

---

۴ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۱ اپریل ۱۹۲۰ء ص ۱

۵ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۹ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ اول

"فقیر نان کاپریشن کے مسئلے میں بالکل پس رو گاندھی صاحب کا ہے۔ ان کو اپنا راہنما بنا لیا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں، وہی مانتا ہوں، میرا حال تو سردست اس شعر کے موافق ہے۔ ؎

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستی کردی"

(خط مطبوعہ فیصلہ گاندھی شائع کردہ حسن نظامی)

مولانا بریلوی نے اس پر لکھا "نان کاپریشن کو ترکِ موالات کہا جاتا ہے۔ اس پر آیاتِ ترکِ موالات پیش کی جاتی ہیں تو ضرور فرضِ مذہبی ہوا، اُس میں مشرک کو راہنما بنانا، مشرک کی تقلید کرنی، اسے اپنا امام بنانا، خود اس کے پس رو ہونا، اُس کی اطاعت اور وہ بھی بروجہ کلی کرنا، اپنے آپ کو اس کے ہاتھ میں دے دینا، قرآن و حدیث کی عمر اس پر قربان کر دینا، یہ سب حرام و مناقض و منافیٔ اسلام ہے"[1]

"الطاری الداری" کی تینوں جلدوں میں انھوں نے نظم و نثر میں مولانا عبدالباری کے ایسے نظریات کی تغلیط کی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ملاحظہ ہو:

نصیحت منع از پس روئ گاندھی و اطاعت و بندگی

پس رو گشتی و رہنمایش داری!
عبد الگاندھی مشو ز عبد الباری
منقطع از زیر بہ بالا مفگن
عبد الباری! مباش عبد الستاری[2]

پروفیسر مولوی حاکم علی (سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور) نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو استفتا کیا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و

لہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری (مؤلف) الطاری الداری لہفوات عبد الباری حصہ اول، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی۔ ۱۳۳۹ھ۔ ص ۴۱، ۴۲
کہ الطاری الداری، حصہ سوم۔ ص ۷۹

نصاریٰ کے ساتھ تولّی سے منع فرمایا ہے۔ مگر ابو الکلام زبردستی تولّی کے معنی معاملت اور ترکِ موالات کو ترکِ معاملت (نان کاپریشن) قرار دیتے ہیں" امام احمد رضا خاں نے اس خط کے جواب میں المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ کے عنوان کے تحت سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی جس میں اس بحث کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت خوبصورت انداز میں سمیٹ دیا ہے[1]

مسلم زعما گاندھی کی نظر میں

ہمارے بڑے بڑے علماء اُن گاندھی جی کی تعریف و توصیف میں دن رات رطب اللسان رہتے تھے، جو مسلمان زعما و علماء کے بارے میں اُلٹے سیدھے خیالات کا اظہار کھلم کھلا کرتے رہتے تھے۔ دراصل "ہندو مسلم اتحاد" کی یہ بانگی جو جمیعۃ علماء ہند خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارم سے گونجتی تھی، یک طرفہ تھی گاندھی نے اپنے "پس رو" مولانا عبدالباری کے متعلق کہا: "مجھ سے کہا گیا کہ وہ ہندوؤں کے جذبۂ مخالفت سے بھرے ہوئے ہیں، ان کی بعض تحریریں مجھے دکھائی گئی ہیں، جن کو میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اور میں نے ان پر سر بھی نہیں مارا، اس لیے کہ وہ خدا کی سادہ مخلوق ہیں..... وہ اکثر بلا سمجھے بوجھے بات کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں"[2]

مسٹر گاندھی نے اپنے اخبار "ینگ انڈیا" میں تحریکِ خلافت کے سربرآوردہ راہنماؤں کے بارے میں لکھا: "شوکت علی خلیق آدمی ضرور ہے، لیکن ایک جوشیلا مذہبی پاگل ہے۔ اور اس کی رائے کسی شخص کے لیے کوئی خاص وقعت نہیں رکھتی۔ حسرت موہانی ایک نکما آدمی ہے، جس پر ہر وقت سودیشی کی دُھن سوار رہتی ہے ڈاکٹر (سیف الدین) کچلو ابھی کل کا بچہ ہے۔ اور امرتسر سے باہر اسے کوئی تجربہ نہیں ہے۔"[3]

لہ محمد صدیق پروفیسر "پروفیسر مولوی حاکم علی" مکتبہ رضویہ، لاہور۔ جنوری ۱۹۸۳ء ص ۱۲۔
کہ علی گڑھ گزٹ۔ ۱۳۰ جون ۱۹۲۲ء (بحوالہ الطاری الداری، حصہ سوم۔ ص ۱۳۱)
سہ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۸ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۲

محبت کی "ون وے ٹریفک"

مولانا شوکت علی کے بارے میں گاندھی جی نے محولہ بالا خیالات کا اظہار جولائی ۱۹۲۰ء کے شروع میں کیا۔ چند دن بعد دہلی دروازہ لاہور کے جلسہ میں مولانا شوکت نے دل سوز تقریر کی۔ انھوں نے کہا، "مہاتما گاندھی پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ مہاتما سچے خدا کی پرستش کرتے اور حق پر جان دیتے ہیں ..... اگر مہاتما کا بال بیکا بھی ہوا تو میں جان دے دوں گا۔ مسلمانوں کی نماز نہیں ہو سکتی، اگر پہلی صف میں جگہ خالی ہو۔ سب آدمیوں کا فرض ہے کہ وہ پہلی قطاروں کو پُر کریں۔ پس اگر مہاتما نہ رہیں یا میں نہ رہوں، تو تمھارا فرض ہے کہ ہماری جگہ پُر کرو۔"[1]

خود مولانا محمد علی جوہر نے ۱۱ مئی ۱۹۲۱ء کو الٰہ آباد کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا "کہا جاتا ہے کہ مہاتما گاندھی تو ایک اوتار ہیں، مگر اُن کے دو لیفٹیننٹ (علی برادران) بہت خطرناک ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ..... جو کچھ مہاتما گاندھی کہتے ہیں، وہی اُن کے لیفٹیننٹ بھی تعلیم دیتے ہیں۔"[2]

نیشنل کالج لاہور کے پروفیسر لالہ جے چند کی بہن شریمتی پاربتی دیوی کو نومبر ۱۹۲۲ء میں گرفتار کیا گیا، میرٹھ جیل میں مقدمے کی سماعت ہوئی۔ انھوں نے اپنے تحریری بیان میں فارسی عربی کے موٹے موٹے شبدوں کو اشدھ اور غیر مہذب زبان قرار دیا اور کہا کہ میں ہمیشہ شدھ ہندی بولتی ہوں۔[3] لیکن فارسی عربی کے اشدھ اور غیر مہذب شبدوں والی زبان اردو بولنے والے مسلمان لیڈر اتحاد کی "ون وے ٹریفک" پر چلتے رہے۔ اخبارات میں خبر چھپی کہ سورت میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شوکت علی نے فرمایا کہ مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے نازک زمانہ میں امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور وہ تمام دنیا میں پیغام حق پہنچائیں گے۔ مگر اس وقت ان کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں۔

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء، ص۱

[2] رئیس احمد جعفری ندوی، سیر اوراق گم گشتہ۔ محمد علی اکیڈمی، لاہور، طبع اوّل ۱۹۶۸ء، ص ۶۹

[3] ماہواری رسالہ، ورتمان لاہور، کانگرس نمبر، دسمبر ۱۹۲۲ء، ص ۲۱۸

اس پر شدید ردِ عمل ہوا۔

"پیسہ اخبار" کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم نے لکھا: "آج مسٹر شوکت علی مہاتما گاندھی کو امام مہدی کا مثیل ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں تو کل کو مہاتما گاندھی کو نعوذ باللہ من ذالک رسول اور پرسوں ان کو خدا بنانے لگیں تو کوئی حیرت انگیز بات نہ ہوگی ..... جو کوئی خواہ وہ شوکت علی یا محمد علی یا اور کوئی، ایسی بات کہے، اس قابل ہے کہ تمام مسلمان اس سے قطع تعلق کریں ..... مسٹر محمد علی (شوکت علی) کا خیال بدعت اور کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے۔"[1]

۲۶ نومبر کے "پیسہ اخبار" (صفحہ اوّل) اور ۲۷ نومبر کے "زمیندار" (صفحہ دوم) پر مولانا شوکت علی کی تردید شائع ہو گئی تو بات آئی گئی ہو گئی۔

گاندھی اور نبوت

یکم اگست ۱۹۲۰ء کو سوم یوم خلافت پر لکھنؤ میں "عظیم الشان جلسۂ خلافت" ہوا، جس کی خبر مسٹر شوکت علی نے خاص تار کے ذریعے "پیسہ اخبار" کو بھیجی۔ اس جلسے میں مولوی ظفر الملک علوی نے کہا کہ "مہاتما گاندھی کو خدائے مسبب الاسباب نے یورپ کی مادیت کو روحانی طاقت سے زیر کرنے اور ہم میں اخلاقی جرأت پیدا کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔"[2]

انہی ظفر الملک مولوی اسحاق علی نے مسٹر گاندھی کے لیے کہا: "اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی، تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔"[3]

اس پر غیرتِ ملی کے حامل صحافی منشی محبوب عالم نے اپنے ادارتی کالموں میں لکھا: "مولوی اسحاق علی صاحب معروف ظفر الملک لکھنؤ نے رفاہِ عام کے جلسے میں فرمایا کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ مسٹر گاندھی بالقوہ نبی ہے، اگر بالفعل نہ سہی۔ اس خبر کی تصدیق خود مولوی ظفر الملک سے ہو چکی ہے ..... ہائے کس طرح ایک دشمنِ اسلام کی نسبت ایک مسلمان کے منہ سے یہ فقرے نکلے۔ غیرت

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار"۔ ۱۲ نومبر ۱۹۲۰ء۔ صفحہ ۲ (اداریہ)

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار"۔ لاہور۔ ۴ اگست ۱۹۲۰ء۔ ص۹

[3] روزنامہ "دبدبۂ سکندری" رام پور۔ یکم نومبر ۱۹۲۰ء

اسلامی اور جوشِ ایمانی کہاں چلا گیا۔ وہ گاندھی جو چند روز پہلے یہ کہہ چکا ہے کہ اگر مسلمان گائے نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے گائے چھڑا دیں گے، وہ نبی ہو سکتا ہے ؟ نبی کی شان مشرک سے مِین کے برابر ہو گئی۔ مہاتما گاندھی کی خلافت سے ہمدردی محض اپنی آواز کو پائے وار بنانے کی خاطر ہے، وقت پڑ گدھے کو باپ بنانے والا مضمون ہے۔ ذرا اختیارات ان ہندوؤں کو ملنے دو، پھر دیکھنا کس طرح سے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ مسلمانوں کی ہندوؤں سے ہرگز صلح نہیں ہو سکتی۔ آئندہ آنے والی نسلیں ان الفاظوں کی اہمیت کی قدر کریں گی۔ اور اس وقت گاندھی کے آگے رونا اور اپنی آنکھیں کا کھونا[1]

پیسہ اخبار نے آئندہ شمارے میں لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی کی نظم صفحہ اول پر شائع کی۔

صراطِ مستقیم

★

کوئی کہتا ہے، دیکھو صاحب سے میل ۔۔۔ کہ آنند کی دل میں رہے ریل پیل
کسی کی صدا ہے کہ ہندو چلے ۔۔۔ مری انجمن بھی اسی رُخ چلے
کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ ۔۔۔ عوض نوٹ کے آپس میں چلتے ہیں ووٹ
کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس ۔۔۔ کوئی شہدِ اسپیچ کی ہے مگس
کوئی شوقِ تحقیق میں غرق ہے ۔۔۔ کوئی راہِ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضموں نگاری کی دُھن ۔۔۔ کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق ۔۔۔ کسی کو نمود و نمائش کا شوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں ۔۔۔ سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں
جدھر بھر ہستی بہا لے، بہیں ۔۔۔ خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر شیخ سعدیؒ کی ہے ایک بات ۔۔۔ مسلماں کو ہے فرض ادھر التفات
"خلاف پیمبرؐ کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید"[2]

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" ۱۳ ر نومبر ۱۹۲۰ء۔ ص ۲

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" ۱۴ ر نومبر ۱۹۲۰ء۔ صفحہ اول

نیا مذہب

مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے آنریری سیکرٹری مولانا شوکت علی نے خلافت کمیٹی کے جلسہ منعقدہ الہ آباد (۲ جون ۱۹۲۰ء) کی رپورٹ میں یہ الفاظ تحریر کیے جو اخبارات میں شائع ہوئے: "الہ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ ایثار و رفاقت کی نئی اسپرٹ کو ترقی دے گا بلکہ ایک نئے مذہب کو جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے۔ اور پریاگ یا سنگم کو ایک مقدس علامت بناتا ہے"[1]

اس پر "کسی صاحب" نے مولانا شوکت علی کے پیر مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے پیسہ اخبار کی معرفت استفتا کیا کہ ایسی کمیٹی جو ایک ایسا نیا مذہب ایجاد کرے، شرعاً ایسی کمیٹی کی اعانت اور اس میں شرکت کیا حکم رکھتی ہے اور کیا دیندار مسلمانوں کا دیا ہوا روپیہ اس جدید مذہب سازی پر صرف کرنا درست ہے"۔ (ورق پھٹا ہوا ملا۔ اس لیے پورا استفتا بھی نہیں ملا اور لکھنے والے کا نام بھی معلوم نہیں ہو سکا)[2]

بجائے اس کے کہ مولانا عبدالباری اس سے بریت کا اظہار کرتے، ان کا رویہ بھی ایسا ہی رہا۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے الطاری الداری میں اس کا نوٹس لیا۔ "دیکھو اُن کی (مولانا عبدالباری کی) کتاب تنزیہ ارتداد، صفحہ ۱۱: حربی خواہ اہل کتاب ہو یا مسلم، ہمارا دشمن ہے اور موحد اگرچہ مشرک ہو، ہمارا ساتھی ہے...." فرنگی محلی صاحب اگرچہ محمد علی و شوکت علی صاحبان کے پیر ہیں مگر مولوی صاحب کا اس مشہور مقولہ پر عمل ہے کہ زمانہ الٹا ہے۔ پہلے پیر کے مرید متبع و پابند ہوتے تھے۔ اب یہ پیر جی اُن مریدوں کے یہ مولوی صاحب کا حال نہیں، بلکہ نال بھی ہے۔ ان مریدوں نے کہا تھا کہ "کمیٹی ایک ایسا نیا مذہب بنائے گی، جو ہندو مسلم امتیاز اٹھا دے، اور سنگم و پریاگ کو ایک مقدس علامت ٹھہرا دے۔" وہ دیکھیے مولوی صاحب نے بھی اپنے مریدوں کا اتباع

---

[1] روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ۔ ۱۰ جون ۱۹۲۰ء

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء

کیا کہ موحد مشرک اور مشرک مسلم ہیں۔"[1]

یہ بھی نہیں کہ جمعیۃ العلماء ہند کے جغادریوں کے یہ خیالات اُس وقت تھے جب محبت مشرکین کا نشہ نیا نیا رنگ لایا تھا، بلکہ یہ لوگ ہندوؤں کی تمام تر زیادتیوں کے باوصف آخر تک "نیا مذہب" بنانے کی کوشش میں رہے۔ جامعہ ملیہ دہلی میں ڈاکٹر سید محمود (وزیر تعلیم صوبہ بہار) نے فرمایا "ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں جو ایک ہی وطن میں رہتی ہے۔ ان کو اپنی قومیت مٹا کر ایک ایسا مذہب بنا دینا چاہیئے جو دونوں کا مشترکہ مذہب ہو۔"[2] ڈاکٹر اشرف نے اخبار الجمعیۃ (جمعیۃ علماء ہند کا آرگن) میں تحریر فرمایا کہ "ہم ہندو مسلمان کے نئے تمدن میں مصروف ہیں۔ ہماری سیاسی اور سماجی کوشش یہی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کا ایک مذہب بنا دیا جائے"۔[3]

افسوس یہ ہے کہ اب تک کی پڑھے لکھے لوگ اسے مسلمانوں کی "مذہبی رواداری" سمجھتے ہیں۔" اظہار اخلاص کے معاملے میں مسلمان مذہبی طور پر بڑے فراخ دل اور پُرجوش واقع ہوئے ہیں۔ مذہبی رواداری کے پیش نظر مسلمانوں کا میلان ملاپ کی طرف ہی تھا"۔[4]

"مذہبی رواداری" کے مظاہر اس زمانے کے مسلمان اخبارات میں تو واقعی نظر آتے ہیں کہ ان کے جلیل القدر زعماء علماء اپنی انفرادیت گاندھی کے چرنوں میں گروی رکھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ "زمیندار" کی مذہبی رواداری کا ایک مظاہرہ دیکھیے:

دلوں میں گھر ہے، تو آنکھوں میں تیری جا گاندھی

---

[1] الطاری الدارمی، حصہ سوم۔ صـ ۱۲۴ / ۱۲۶

[2] پندرہ روزہ "سعادت" کالیہ (ضلع لائلپور) یکم فروری ۱۹۴۲ء

[3] ہفتہ وار "سعادت" کالیہ ۔ ۲۲ جون ۱۹۴۲ء

[4] آغا اشرف۔ پاکستان کا اسلامی پس منظر۔ مقبول اکیڈمی لاہور۔ طبع اول ۱۹۸۳ء صـ ۳۸

تو ملک و قوم کا ہے درد آشنا گاندھی
نمودست ہے بڑی کارگاہ عمل تری
کہ جو عمل ہے ترا، ہے وہ بے ریا گاندھی
ترا خیال ہے پاک اور قول ہے بے لوث
ترا ضمیر ہے بے گانۂ انا گاندھی!
زمانہ کیوں نہ ترے حکم کی کرے تعمیل
کہ مانتا نہیں تو نفس کا کہا گاندھی
شمیم خلق نکوسے جہاں معطر ہے!
صد آفریں ہے تجھے اے نہاتما گاندھی
سپوت تجھ سے کرے مادرِ وطن پیدا
یہی ہے فیض کی صبح و مسا دعا گاندھی

مرزا بیضا خاں' امرتسر[1]

"خلافت کمیٹی کے سرمائے سے، کانگرس کی ناداری کے باعث گاندھی جی نے سارے ملک کا دورہ کیا"۔[2]

ہندوؤں کا رویہ

سنٹرل خلافت کمیٹی نے گاندھی جی کے ایما پر نان کوآپریشن کی مہم چلائی جسے جہاں علماء نے اسلامیا لیا اور اسے "ترک موالات" قرار دیا۔ اخبار "قومی رپورٹ" مدراس نے سرکاری سکولوں سے بچوں کو نکال لینے اور کونسلوں کے انتخاب کے بائیکاٹ وغیرہ کے مسئلے پر خلافت کمیٹی کے اس فیصلے پر تنقید کی اور کہا یہ ایسی باتیں ہیں، جن کے لیے ہم نے قوم کو تیار نہیں کیا ہے۔ اس پر "پیسہ اخبار" لاہور نے اپنے اداریے شذرے

---

[1] روزنامہ "زمیندار" ۔ ۷ جولائی ۱۹۳۰ء ۔ صفحہ اول

[2] رئیس احمد جعفری ۔ کاروان گم گشتہ' رئیس احمد جعفری اکیڈمی کراچی۔ اشاعت اول۔ ۱۹۷۱ء صـ ۵۹

یہی کہا کہ "ہندو اس معاملہ میں علیحدہ رائے قائم کرچکے ہیں اور انھوں نے انتخاب کو اختیار کرلیا ہے۔ ان لوگوں کی عقل پر تعجب آتا ہے، جنھوں نے پہلے ہی باور کرلیا تھا کہ ہندو انتخاب اتنے بڑے معاملے کو مدراس یا تمام ہندوستان میں خلافت کی وجہ سے روٹھ کر ترک کردیں گے۔" [1]

مسلمان علماء ہندوؤں کے واضح مخاصمانہ سلوک کے باوجود اپنے جذبۂ فرمانبرداری کی نشوونما میں لگے رہے۔ تحریک خلافت کے معروف رہنما اللہ بخش یوسفی کہتے ہیں۔

"گاندھی جی نے فسادات کوہاٹ پر ہی ہندوانہ ذہنیت آشکارا نہ کی تھی، بلکہ اس سے قبل اس تمام دور میں جب کہ "شدھی سنگھٹن" یا "تبلیغ و تنظیم" کی آندھیاں چل رہی تھیں وہ ایک خالص فرقہ پرست ہندو ہی کی حیثیت میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں ...... برخلاف ازیں، حریت پرور مسلمانوں کا کردار دیکھیے ..... انھوں نے اس حالت میں بھی ہندو مسلم اتحاد کو ضروری سمجھا، حتیٰ کہ جب خلافت مرکزیہ کے صدر ڈاکٹر سیف الدین کچلو اس نظریے سے اتفاق نہ کرسکے تو انھیں عہدۂ صدارت خلافت مرکزیہ سے مستعفی ہوجانے پر بھی مجبور کردیا گیا۔" [2]

گاؤکشی کی مخالفت

مسلمان لیڈروں نے ہندو مسلم اتحاد کے ہوکے میں اسلامی شعائر کو پیش نظر نہ رکھا، مسلمات کو بیچ دیا، ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے واجبات و فرائض کو ترک کرنے کے فتوے دے دیئے۔ اسلام چھوڑ کر "اسلام اور ہندو مت کے ملغوبے" پر مشتمل ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنا چاہی اور بہت سی ایسی حرکات کیں جو ایک مسلمان کو کسی طرح زیب نہیں دیتیں، ان کا کچھ ذکر آگے بھی آئے گا۔ گائے کی قربانی کل تک ہمارا مذہبی شعار تھا، مذہبی فریضہ تھا۔ اس موضوع پر اسلام اور کفر میں لڑائیاں

۱ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۴ر جولائی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

۲ اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور۔ بار اوّل جون ۱۹۶۸ء صہ ۳۷۴، ۳۷۵۔

ہوتی رہیں۔ اب گاندھی جی کا جادو چلا تو ہمارے علماء نے گاؤکشی کی مخالفت میں فتوے دے دیئے۔ مدیر زمیندار مولانا ظفر علی خان نے فرمایا: "..... اگر وہ (مسلمان) گائے کو بھی قربانی کے مستثنیات میں داخل کریں تو ان پر مذہباً کوئی حرف گیری نہیں ہوسکتی .... سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے ہندو بھائی اس جانور کو متبرک سمجھتے ہیں اور ہمارا اسے ذبح کرنا انھیں ناگوار گزرتا ہے اس لیے ان کی خاطر سے بھی ہمیں ذبیحہ گاؤ کے متعلق اپنی قدیم روش پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔" [1]

والیِ افغانستان امیر امان اللہ خاں نے بھی گاؤکشی کے خلاف فتویٰ جاری کردیا۔ [2]

سب سے پہلے آل انڈیا مسلم لیگ نے ذبیحہ گاؤ سے احتراز کی تلقین کی تھی [3] پھر مجلس خدام خلافت کے سیکرٹری مولانا عارف ہسوی نے ایک اخباری بیان میں گائے کے بجائے بھیڑ بکری وغیرہ کی قربانی کی ہدایت کی [4] مغل قبیل واقع سرحد ہند میں خلافت کمیٹی کے جلسے میں ایک قرارداد کے ذریعے مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر اور امیر امان اللہ خاں کے احکام کی روشنی میں گائے کی قربانی بند کرنے کی اپیل کی [5]

اب عیدالاضحیٰ قریب آرہی تھی، چنانچہ مرکزی خلافت کمیٹی نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے نام گائے کی قربانی کے امتناع کا اعلان شائع کرادیا [6] حکیم اجمل خاں نے اخبارات کے نام اس مطلب کے خاص تار روانہ کیے کہ گائے کی قربانی نہ

۱ روزنامہ "زمیندار"، لاہور یکم مئی ۱۹۲۰ء، صہ ۲

۲ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۷ر اپریل ۱۹۲۰ء اور روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۹ر مئی ۱۹۲۰ء

۳ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۷ر اپریل ۱۹۲۰ء صہ ۳

۴ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۳۰ر اپریل ۱۹۲۰ء صہ ۳

۵ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۱ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۵

۶ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۴ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۲

کرنے کے اعلانات شائع کر دیئے جائیں [1] صدر سیٹھ چھوٹانی [2] نے مولانا عبدالباری، امیرِ افغانستان، حضور نظام، مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی اپیل اور آل انڈیا مسلم لیگ کے ریزولیوشن کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ گائے کی قربانی سے پرہیز کریں [3]

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے تو اس کانفرنس میں گاؤکشی ترک کر دینے کی ہدایت

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" ۲۸، اگست ۱۹۲۰ء صہ ۵

[2] یہ سیٹھ جان محمد چھوٹانی خلافت کمیٹی کے بانیوں میں سے تھے۔ طویل عرصے تک خلافت کمیٹی کے صدر رہے۔ بڑے مخلص اور ایثار پسند لیڈر مشہور تھے، لیکن بعد میں خلافت کا سترہ لاکھ روپیہ (آج کے سترہ لاکھ نہیں) اپنے کاروبار میں لگا لینے کی بات کھلی۔ اس "حادثے" کا ذکر سیٹھ عبداللہ ہارون نے یوں کیا تھا:

"... تیسرا باعث جس نے خلافت کمیٹی کی ساکھ کو خراب کیا۔ وہ سترہ لاکھ روپیہ والا قصہ تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سیٹھ چھوٹانی صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے تجارت پیشہ لوگوں میں سب سے اوّل تحریکِ خلافت کی پشت پناہی اور اس راہ میں بہت سی قربانیاں بھی کیں۔ سیٹھ صاحب ممدوح خلافت کمیٹی کے صدر ہونے کے علاوہ خزانچی بھی تھے۔ اور ان کے پاس خلافت کمیٹی کا سرمایہ رہتا تھا۔ اس سرمایہ کو انھوں نے ایک بنکر کی طرح اپنے کاروبار میں لگانے کی غلطی کی جس میں ان (کو) گھاٹا پڑا اور وہ خلافت کمیٹی کو نقدی کی صورت میں روپیہ نہ دے سکے بلکہ اتنی قیمت کے چند کارخانے دے دیئے جن کی قیمت آج بازار مندا ہونے کے سبب اتنی نہیں۔ (خطبۂ صدارت سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون ایم ایل اے منتخبہ صدر آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقدہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ فروری ۱۹۲۷ء بمقام لکھنؤ قاضی محمد مجتبیٰ کرتانزی نے پرنٹر روڈ کراچی سے شائع کیا۔ صہ ۷، ۸)

[3] پیسہ اخبار ۲۶، اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

کر دی، جس میں گاندھی نے ایجنڈے سے گاؤکشی کے ترک کے مسئلے کو حذف کروا دیا تھا [1]

جب جمعیۃ علماءِ ہند، حضور نظام، حضور والیٔ افغانستان، آل انڈیا مسلم لیگ وغیرہ سب گئورکھشا کر رہے تھے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے لکھا: "قربانیٔ گاؤ کر بیشک شعارِ اسلام ہے۔ اور جب تک ہنود ہنود ہیں، اس کا باقی رکھنا واجب۔ اسے یوں کہنا کہ واجب نہیں، ترک کا اختیار ہے، غلط حکم بنا کر اضلال ہے" [2]

گائے کی قربانی کے خلاف مسلمانوں کی کوششوں کا یہ عالم تھا کہ "حکیم ابو تراب محمد عبداللہ، مالک و اڈیٹر اخبار اہلِ سنت والجماعت امرتسر نے ذبحِ بقر یعنی گئورکھشا پر چالیس صفحے کا رسالہ لکھا ہے ... جو ضعیف سے ضعیف زور زرد بات حکیم صاحب کو کہیں سے ملی ہے، وہ سب اس میں جمع کر دی ہے" [3]

ایک شاعر صاحب نے اپنی نظم میں ہندوالوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچ کر مقطع میں اس کا سبب بتایا:

بلا کھٹکے ان کو بتا مست تُو یہ
سبب ان کی ذلت کا گاؤکشی ہے [4]

مولانا احمد رضا بریلوی کے مسلسل تعاقب سے گھبرا کر مولانا عبدالباری نے اگست ۱۹۲۰ء میں قربانی کے متعلق بذریعہ تار پیغام دیا کہ "قربانی بذاتہٖ فرض ہے اور اعانتِ خلافت بھی واجب ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مسلمان خلافت کی حمایت میں قربانی چھوڑ دیں۔ انھیں چاہیئے کہ اس فرض کو حسبِ معمول ادا کریں اور گوشت

[1] نقوش، آپ بیتی نمبر، جلد اوّل۔ جون ۱۹۶۴ء۔ صہ ۳۶۹ (گاندھی کی آپ بیتی ترجمہ، ڈاکٹر سید عابد حسین، تلخیص، خورشید مصطفیٰ رضوی)

[2] محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری (مؤلف) الطاری الداری لہفوات عبدالباری۔ حصہ اوّل۔ جماعت مبارکہ رضائے مصطفیٰ بریلی۔ صہ ۲۶

[3] پیسہ اخبار۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۰ء صہ ۲

[4] پیسہ اخبار۔ ۱۹ فروری ۱۹۲۰ء صہ ۳

اور کھال کو اسی مصرف میں لائیں، جو پہلے سے چلا آتا ہے؁ ۱

زمیندار کے اڈیٹر مولانا ظفر علی خاں نے مولانا عبد الباری کا یہ پیغام چھاپ کر لکھا۔

"حضرت مولانا کا یہ پیغام بالکل مبہم ہے ..... ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ گائے کی قربانی فرض نہیں اور جب قربانی کے لیے دُوسرے جانور مل سکیں تو گائے کی قربانی پر اصرار کر کے اپنے ۲۲ کروڑ ہمسایہ بھائیوں کا دِل دُکھانا کہاں کی دانشمندی ہے"؁ ۲

"شانتی" راولپنڈی کے حوالے سے زمیندار نے نقل کیا کہ راولپنڈی میں خلافت کمیٹی کے عظیم الشان جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا ظفر علی نے گاؤ کُشی کی نسبت فرمایا کہ "گائے کی قربانی چھوڑ دو، دُنبے کی قربانی دو، اور عید پر گائے کی قربانی نہ کی جائے"؁ ۳

گائے کی قربانی شعائرِ اسلام میں سے ہے

اس جذباتی فضا میں مولا محمد بخش حنفی چشتی سابق مینیجر اخبار "ہنٹر" لاہور نے علماء اہلسنت سے ہنود کی مجالس اعیاد میں شراکت اور گائے کی قربانی کے امتناع کے بارے میں استفتاء کیا۔ علماء حقہ نے لگی لپٹی رکھے بغیر فتویٰ دیا ..... "قربانی گائے کی حلّت اور مجالس میلہ ہنود میں شرکت کی حرمت، دونوں ضروریات دین میں سے ہیں، جو اسے حرام یا اُسے حلال کہے، وہ اللہ و رسولؐ پر افترا کرتا ہے اور بحکم قرآن اس کا ٹھکانہ جہنم ہے" اس فتویٰ پر عبد المصطفیٰ مولانا احمد رضا خاں (بریلوی) کے علاوہ مفتی محمد مظہر اللہ، امام مسجد فتح پوری دہلی، محمد رکن الدین نقشبندی مجددی، محمد عالم مدرس و مفتی مدرسہ نعمانیہ لاہور، غلام مرشد مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور، احمد علی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور و خطیب مسجد شاہی لاہور، حاکم علی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور، اصغر علی روحی، ابو رشید محمد عبد العزیز خطیب مزنگ، علی اطہر ی اور مفتی عبد القادر صاحبزادہ جہانگیر وی ضلع پشاور نے ۲۱ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ کو دستخط کیے؁ ۴

؁ ۱ پیسہ اخبار۔ ۵ راگست ۱۹۲۰ء ص ۶
؁ ۲ زمیندار۔ ۴ راگست ۱۹۲۰ء ص ۴
؁ ۳ زمیندار۔ ۱۹ راگست ۱۹۲۰ء ص ۲
؁ ۴ پیسہ اخبار۔ ۲۷ رنومبر ۱۹۲۰ء ص ۳

"پیسہ اخبار" نے اس دور میں مسلمانوں کی صحیح سمت میں راہنمائی ہر قدم پر کی چنانچہ گاؤ کُشی کے معاملے میں بھی اس نے مذکورہ بالا فتویٰ ہی نہیں چھاپا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا مکتوب ۸۱ (مکتوبات مجدد الف ثانی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی، جلد اوّل، صفحہ ۱۰۶) بھی ایک اشاعت میں شامل کر دیا، کہ گاؤ کُشی شعائر اسلام میں سے ہے؁ ۱

منشی تاج الدین احمد تاج سابق اڈیٹر اخبار ہنٹر لاہور کی ایک نظم بھی پیسہ اخبار نے پہلے صفحہ پر شائع کی۔

مسلم بے عمل کے دل میں خوفِ خدا نہیں رہا
پُوجا بتوں کی کرتا ہے، چھوٹی ہوئی نماز ہے
حکمِ خدا کو چھوڑ کر فعلِ رسولؐ چھوڑ کر!
پنڈت و برہمن کے در پہ جھکتا سرِ نیاز ہے
پیرِ مغاں کے معتقد اب ہیں جنابِ شیخ بھی
ترکِ حرام و حلال کا اُلٹی طرح جواز ہے؁ ۲

"اِبطالِ فتویٰ ابو الکلام" میں پروفیسر مولوی حاکم علی نے لکھا: "گائے کی قربانی جو اکبر کے ہندوؤں کے ساتھ ناطہ رشتہ کرنے کے اثر کے سبب سے بند ہو گئی تھی اور جس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بڑی کوششوں سے جہانگیر کے وقت جاری کرایا تھا کہ ہر ایک امیر نے اپنے دروازہ کے سامنے اپنی اپنی گائے کی قربانی کی تھی، اس کو جاری رکھا جائے"؁ ۳

ہندو مسلم اتحاد کے عملی مظاہرے

مسلمانوں کی انفرادیت مسلّم ہے۔ ان کا مذہب ہر ایسے کام سے احتراز کی تعلیم دیتا ہے، جو غیر مسلموں نے شعار کر رکھا ہو۔ ان کی تہذیب مختلف ہے، ان کی معاشرت

؁ ۱ پیسہ اخبار۔ ۱۷ ردسمبر ۱۹۲۰ء ص ۳
؁ ۲ پیسہ اخبار۔ ۱۹ رجون ۱۹۲۰ء ص ۱
؁ ۳ پیسہ اخبار۔ ۲۶ رنومبر ۱۹۲۰ء ص ۵-۶

الگ ہے۔ اس کا نظامِ سیاست و حکومت دوسروں کی طرح نہیں۔ اسلام کسی دوسرے مذہب یا ازم کے ساتھ مل کر برگ و بار نہیں دیتا۔ اس کی برکات سے متمتع ہونے کے لیے صرف اسی کو اپنے کردار و عمل پر نافذ کرنا پڑتا ہے۔ "آدھا تیتر آدھا بٹیر" کا کوئی تصور یہاں قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ جب کبھی اسلام کے نام لیواؤں نے اس کے ساتھ غیر اسلامی تصورات و نظریات کی پیوند کاری کرنا چاہی، اس کے نتائج المناک، بلکہ بعض صورتوں میں تباہ کن صورت میں سامنے آئے۔ تحریکِ خلافت کے زعماء نے گاندھی جی کو اپنا لیڈر مان لیا۔ گاندھی جی نے انھیں "نان کوآپریشن" کی لگن لگا دی، انھوں نے ملازمتیں چھوڑ دیں، سکولوں کالجوں کا مقاطعہ کیا، منصب چھوڑ دیے، جلسوں جلوسوں میں حکومت کے خلاف تقریریں کیں اور مظاہرے کیے۔ جہاں نقصان کا خدشہ نہیں ہوتا تھا یا کم سے کم ہوتا تھا، وہاں ہندوؤں نے اسلامیوں کی ہاں میں ہاں ملائی، نعرے لگائے، مسجدوں کو رونق بخشی، منبروں پر براجمان ہوئے۔ "ہندو مسلم اتحاد" کے خوش کن نعروں سے انھیں اس راہ پر لا ڈالا جو کعبے کو ہر حال نہیں جاتی تھی۔ مسلمان لیڈروں نے ہندومت اور اسلام کے ملغوبے کی حیثیت سے ایک نیا مذہب گھڑنے کے اعلانات کیے، لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسلمان ان راہوں پر اتنا آگے چلے گئے کہ واپسی مشکل ہو گئی، تو "چورا چوری" کے واقعے کے بہانے سے گاندھی جی نے بیک جنبشِ لب "نان کوآپریشن" کی تحریک کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

تحریکِ ترکِ موالات پر راقم الحروف الگ ایک تفصیلی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہاں "ہندو مسلم اتحاد" کی چند صورتیں قارئین کی نذر کی جاتی ہیں۔

رام نومی میں شرکت

ہندو مسلم اتحاد کے پہلے عملی مظاہرے کے حوالے سے سید نور احمد لکھتے ہیں۔

"۹ اپریل (۱۹۱۹ء) کو ہندوؤں کا رام نومی کا تہوار تھا۔ رام نومی کا مذہبی جلوس مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھا۔ اس میں مسلمان بھی شریک تھے اور شری رام چندر جی کی جے" کے ساتھ "گاندھی جی کی جے" اور "ہندو مسلم کی جے" کے نعرے بھی لگائے جا رہے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے جذبات دلوں سے ابل رہے تھے۔ اس جلوس میں (لاہور کی تاریخ

میں پہلی مرتبہ) ہندو اور مسلم عوام ایک ہی برتن میں پانی پی کر اور ایک ہی برتن میں پوریاں اور مٹھائی کھا کر "ہندو مسلم ایک ہیں" کے مظاہرے کر رہے تھے۔" [1]

پنڈت شوکت علی

پیسہ اخبار کے ۲۱ جنوری ۱۹۲۰ء کے شمارے میں محمود بن مہدی الرضوی الخراسانی از جار پہ ضلع بلند شہر نے ایک مراسلہ میں لکھا: "۱۴ جنوری کی شام کو بڑے بھاری انتظار کے بعد علی برادرس میرٹھ میں پہنچے...... مسٹر شوکت علی صاحب نے صدر صاحب سے تحریک کر کے اپنے آپ کو پنڈت شوکت علی کہلوایا، اور محمد علی صاحب نے لالہ محمد علی کے معنی یہ بیان فرمائے کہ خلافت کانفرنس کے لیے روپیہ لالا۔" [2]

مسجد میں "بندے ماترم"

"نواب شاہ سندھ میں ۲۳ جنوری ۱۹۲۰ء کو جمعہ کی نماز کے بعد مسئلہ خلافت کے متعلق ایک جلسہ ہوا۔ جلسہ میں دو ہزار مسلمان اور چند ہندو صاحبان بھی تھے...... مسلمان "اللہ اکبر" اور "بندے ماترم" کے جھنڈے لیے ہوئے تھے، ہندو و مسلمان مسجد میں داخل ہوئے۔ جہاں قرآن کی آیات پڑھی گئیں۔" [3]

خلافت کا جلوس اور باجا

"امرتسر میں، فرزا رضا کاروں کا ایک جلوس مرتب کیا گیا، جو بسرکردگی شیخ حسام الدین صاحب بی اے روانہ ہوا۔ حسب ہدایت شرحِ خلافت کمیٹی امرتسر جلوس کے آگے آگے اکالیوں کا باجہ تھا۔ اور پیچھے پیچھے مسلم والنٹیر کور اور دیگر حامیان خلافت کمیٹی۔" [4]

---

[1] سید نور احمد، مارشل لاء سے مارشل لاء تک، پبلشر سید نور احمد لاہور، طبع دوم، فروری ۱۹۶۶ء، ص ۱۷
[2] پیسہ اخبار، ۲۱ جنوری ۱۹۲۰ء، ص ۳
[3] پیسہ اخبار، ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء، صفحہ آخر
[4] محمد عبداللہ امرتسری و ابو الضیاء، پولیٹیکل خلیفہ، میونسپل الیکشن اور خلافت کمیٹی امرتسر کا دلچسپ تذکرہ، نیشنل بک ڈپو امرتسر ص ۳

امتیازات اُٹھ گئے

مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری کے رسالہ "اہلحدیث" میں چھپا:

"امیر صاحب (امیر امان اللہ خاں والی افغانستان) نے آج کل کئی ایک فرمان جاری فرمائے ہیں، جن میں اپنی ہندو رعایا کی کمال دلجوئی کی گئی ہے۔ ہر قسم کے امتیازات ظاہری و باطنی جو ہندو کو مسلم سے ممتاز کرتے تھے سب اٹھا دیئے ہیں۔"[1]

تقدیم و تاخیر

مشہور محقق حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے راقم الحروف کو بتایا کہ "رام نومی کے تہوار پر چوک ڈھوئے والا، امرتسر میں پانی والا ایک مٹکا رکھا گیا تھا، اس کے ساتھ ایک ہی گلاس تھا۔ اس میں پہلے ہندوؤں نے پانی پیا، بعد مسلمان مولویوں نے پیا۔"

گاندھی منبر رسول ؐ پر

حکیم صاحب موصوف نے اپنے ایک مضمون میں بھی لکھا تھا:

"گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لا کر منبر رسول ؐ پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں جا بیٹھے۔ اور یہ دعا کی گئی کہ اے اللہ! تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔"[2]

گاندھی محراب مسجد میں

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے ہفت روزہ "اہلحدیث" میں لکھا:

"(گاندھی جی) سب سے پہلے جامع مسجد شیخ خیر الدین مرحوم میں گئے جہاں ایام فساد میں مقتولوں کے جنازے پڑھے گئے، سنا ہے، موصوف نے

[1] ہفتہ وار "اہلحدیث" امرتسر۔ ۱۸ر جون ۱۹۲۰ء ص ۹
[2] قاضی عبد النبی کوکب و حکیم محمد موسیٰ امرتسری (مرتبین)، مقالات یوم رضا۔ حصہ اول، ص ۹۸، ۹۹ (مضمون "فاضل بریلوی کے رفقاء کی سیاسی بصیرت" از حکیم محمد موسیٰ امرتسری)
[3] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر۔ ۱۴ر نومبر ۱۹۱۹ء ص ۱۲

محراب میں جا کر سجدہ کیا اور خادم مسجد کو گیارہ روپے بغرض خوراک غرباء دیئے۔"[1]

اتحاد کے مظاہر

محمد سلیمان اشرف، پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی لکھتے ہیں:

"۱۔ ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے گئے، منبروں پر بٹھایا۔
۲۔ مسلمان مندروں میں گئے، وہاں دعائیں کیں، قشقہ لگوایا۔
۳۔ گاندھی کے حکم سے ستیہ گرہ کے دن روزہ رکھا۔
۴۔ وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا۔
۵۔ کرشن جی کو حضرت موسیٰ ؑ کا لقب مان لیا گیا۔
۶۔ بدایوں کے ایک جلسے میں ایک ہندو مقرر نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان رام لیلا منائیں، ہندو محرم منائیں۔"[2]

بیٹا گاندھی کی نذر

زمیندار میں خبر چھپی: "عدم تعاون کی فتح: غلام محی الدین نے وکالت چھوڑ دی۔

..... مولوی غلام محی الدین صاحب نے کہا، میرا ایک بیٹا ہے، جسے میں مہاتما گاندھی کی نذر کرتا ہوں کہ ان کی صحبت میں رہ کر حب وطن کے جذبات اور حق و صداقت کے خیالات کے درمیان اس کی تربیت ہو۔"[3]

مسٹر پٹیل خلافت کمیٹی کے ممبر

۲ر دسمبر ۱۹۲۰ء کو ایک خبر شائع ہوئی:

"مراد آباد میں مرکزی خلافت کمیٹی کا جلسہ زیر صدارت مولانا عبد القادر صاحب ساکن قصور ہوا۔ مسٹر پٹیل اس کے ممبر منتخب کیے گئے۔"[4]

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۴ر نومبر ۱۹۱۹ء ص ۱۲
[2] محمد سلیمان اشرف، پروفیسر، الرشاد مطبوعہ خادم التعلیم۔ ۱۹۱۹ء ص ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷
[3] زمیندار ۱۰ر اکتوبر ۱۹۲۰ء ص ۳
[4] پیسہ اخبار ۲ر دسمبر ۱۹۲۰ء ص ۵

مسجدیں ہندوؤں کی تحویل میں

مولانا محمد علی جوہر نے ۲۳ر نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی و اجمیر میواڑ کی دوسری پولیٹیکل کانفرنس میں بمقام دہلی اپنی صدارتی تقریر میں کہا "امرتسر میں میں نے کہا تھا جائیے! اب خدا کا شکر ہے کہ اپنی اپنی مسجدیں ہندو بھائیوں کے سپرد کر کے ہجرت کریں گے۔ اس پر میرے ایک ہندو دوست نے فرمایا..... اگر ہندوستان کے مسلمان ہجرت کریں گے، تو ہندو ان سے پہلے ہجرت کے لیے تیار ہیں۔"[1]

متھرا کی مسجد مندر بن گئی

ہندو مسلم اتحاد کے اثرات بدا سی زمانے میں سامنے آتے رہے، لیکن ہمارے لیڈروں نے اپنی آنکھیں میچی رکھیں۔ "پیسہ اخبار" کی سنیئے۔

"ہم نے گزشتہ ہفتہ میں متھرا کی ایک تاریخی مسجد کے مندر بنائے جانے کی تجویز پر دلی افسوس کا اظہار کیا تھا..... اس وقت وہ قوم پرست اور محبانِ ملک کیوں گونگے کا گڑ کھائے ہوئے چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ جنھوں نے فسادات کے موقعہ پر برادرانِ وطن کو اپنی مسجد کی محرابوں میں بٹھایا تھا اور ان کے مہاتماؤں کو منبر پر دیکھ کر ہندو مسلم اتحاد کا ثبوت دیا۔ افسوس ہے کہ اس اتحاد کا مفہوم غلط سمجھا گیا اور مساجد میں داخل ہونے مسلمان واعظین اور علماء کی جگہ پر فروکش ہو جانے کے بعد ان کے دلوں میں یہ حوصلہ پیدا ہوا کہ مسجدوں کی پشت پر مندر بنوائے جائیں اور دیر و حرم کا فرق اٹھا دیا جائے۔"[2]

مدرسہ اسلامیہ کا افتتاح

ایسے واقعات سامنے آتے رہے، دردمند مسلمان لیڈر حضرات کو متوجہ کرتے

---

[1] تقریر صدارت جو مولانا محمد علی نے بحیثیت صدر دہلی و اجمیر میواڑ کی دوسری پولیٹیکل کانفرنس میں بتاریخ ۲۳ر نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی فرمائی۔ قومی دارالاشاعت میرٹھ صہ ۱۴، ۱۵

[2] پیسہ اخبار ۳۰ر جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۳

رہے، لیکن اتحاد کی اس چپقلش سے ڈھکنے والوں کو مڑ کر دیکھنے کی مہلت بھی نہ ملی۔

"مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں سے مدرسہ اسلامیہ دسمبر ۱۹۲۰ء میں قائم ہوا جس کے صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی مقرر ہوئے..... رسم افتتاح مسٹر گاندھی نے ادا کی۔ اس موقع پر مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔"[1]

بُت خانہ میں سجدہ ریز

"ہندو مسلم اتحاد" کے حوالے سے شعائرِ اسلام کی توہین و تضحیک کے یہ انداز قیامِ پاکستان تک برقرار رہے

"۲۲ر ستمبر (۱۹۴۵ء) ہفتہ کو مسٹر دیوراج سیٹھی ایم ایل اے اور مہاشہ لڈرین چند صدر ڈسٹرکٹ کانگرس ڈیرہ غازی خان تک سنگھ میں وارد ہوئے..... جلسے میں پڑھی جانے والی نظموں کا ملخص یہ تھا۔ "ہم آزاد کو تلک لگائیں گے۔ ہندو کعبہ کو لبھائیں گے اور حسین احمد بت خانہ میں سر بسجود نظر آئیں گے، پاکستان کے نظریئے دریائے گنگا میں بہائے جائیں گے۔"[2]

مسجدوں میں "اتحاد" کے مظاہرے

مسجدوں میں اتحاد کے بہت مظاہرے ہوئے:

"ہینگن گھاٹ میں نمازِ جمعہ کے وقت تخمیناً پندرہ سو ہندو و مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوئے اور تقریر و دعا میں ہندوؤں نے بھی حصّہ لیا۔"[3]

"مسجد قطب خانساماں (شملہ) میں ۱۵ر اگست ۱۹۲۰ء کو ہندو مسلم کا متحدہ جلسہ ہوا۔"[4]

---

[1] ابوسلمان شاہجہاں پوری (مرتب)، مکاتیب ابوالکلام۔ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی صہ ۱۱۰

[2] ہفتہ وار "سعادت"، کالیہ۔ یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء

[3] اخبار "مدینہ" بجنور ۹ر اپریل ۱۹۲۰ء

[4] "مدینہ" بجنور ۲۶ر اگست ۱۹۲۰ء

(بحوالہ "تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم" از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد۔ رضا پبلیکیشنز، لاہور صہ ۱۳۰)

"جامع مسجد جلگاؤں بلڈانہ میں ہندو مسلم کا مشترکہ اجلاس ہوا، جس کی صدارت پاؤنڈنگ دینا ناتھ نے فرمائی۔"[1]

کن کے ساتھ اور کن کا سا

مولانا عبد الماجد دریا بادی لکھتے ہیں:

"آج چاروں طرف سے اس قصبے (دریاباد) پر کانگرسی خیال کے مسلمانوں کا دھاوا ہے۔ دیوبند کے طلبا کا ایک دستہ آیا ہوا ہے اور اپنے مسلک کی تبلیغ یا کوشش میں معروف ہے...... قیام ان کا دھرم شالہ میں ہے، حالانکہ قصبہ میں ایک نہیں، دو سرائیں مسلمانوں کی موجود ہیں، ان کا رہنا سہنا چلنا پھرنا، کھانا پینا، تمام تر ہندوؤں کے ساتھ ہے، انہی کے درمیان اور انہی کا سا۔"[2]

بسم اللہ یا جے ہند

۴؍جون ۱۹۵۲ء کو مولانا عبد الماجد دریا بادی نے مولانا حسین احمد مدنی کو خط میں لکھا:

"والا نامہ کے ایک دوسرے پہلو سے متعلق ایک گستاخانہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ ہی کے اکابر نے احقر کو اس کی اجازت دے رکھی تھی۔ والا نامہ کے چند صفحات میں کہیں بھی بسم اللہ یا اس کے مماثل کلمہ کا نظر نہ آنا، بلکہ بجائے اس کے ہر صفحہ پر انگریزی حروف میں "جے ہند" نظر آنا مجھ نافہم کی فہم سے بالکل باہر نکلا۔"[3]

---

[1] اخبار "مدینہ" بجنور، یکم اپریل ۱۹۲۰ء، بحوالہ "تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم" از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد۔ رضا پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۱۳

[2] "صدق" لکھنؤ ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء

[3] نجم الدین اصلاحی (مرتب)، مکتوبات شیخ الاسلام، حصہ سوم، مکتبہ دینیہ دیوبند پہلی بار، اپریل ۱۹۵۹ء، ص ۳۹

کفریاتِ ملعونہ

مولانا احمد رضا بریلوی نے "ہندو مسلم اتحاد" کے ان مظاہر پر دینی نقطۂ نظر سے رائے دینے میں کسی مداہنت اور رورعایت کا تصور بھی نہیں کیا، اور ان کی ایمانی حرارت نے یوں تحریر کی شکل اختیار کی۔

"مشرکین سے اتحاد و وداد، دوستی موالات کہ سب کا حاصل ایک ہے، بلکہ اتحاد سب میں زائد ہے، حرام قطعی و کبیرۂ شدیدہ ہے، اس کا استحلال بلکہ استحسان کفر ہے...... مثلاً مشرک کی ٹکٹی اٹھانا، اس کے ماتم میں مساجد کو بے چراغ کرنا، سروپا برہنہ اس کی مغفرت کی دعا مسجد میں کرنا، مشرکوں کو مساجد میں واعظِ مسلمین بنانا، مسلمانوں سے اونچا کھڑا کر کے مسندِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چڑھانا، قرآن مجید اور رامائن کو ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جانا، دونوں کی پوجا کرنا، ماتھوں پر قشقہ لگوانا، رام لچھمن پر پھول چڑھانا، مشرک کی جے پکارنا...... مشرک کو نبی بالقوہ بتانا، رضائے ہنود کو رضائے معبود بتانا، ایسے مذہب کا ایجاد جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرے، پراگ و سنگم معابدِ مشرکین کو مقدس بنانا وغیرہ، کفریاتِ ملعونہ ـــ مگر افسوس کہ یہ آگ اسی ملعون اتحاد نے ہی لگائی۔"[1]

لیکن ان "کفریاتِ ملعونہ" کے چنگل میں گرفتار لوگوں نے ان آوازوں پر دھیان نہ دیا اور اپنی سوچ کے دھاروں کا رُخ درست سمت میں موڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ "عارضی اتحاد حاصل کرنے کے لیے جامع مسجد کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کرائی گئیں...... حضرت کرشن کا خطاب دیا گیا، مہاتما گاندھی کو امام الہند کہا گیا، وید کو الہامی کتاب تسلیم [illegible]"[2]

---

[1] محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری (مؤلف)، الطاری الداری لہفوات عبد الباری، جماعت مبارکہ رضائے مصطفیٰ، بریلی۔ ۱۳۳۹ھ، ص ۳۵، ۳۶

[2] عبد الرشید خاں، مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ۔ مکتبۂ کارواں لاہور ص ۱۲۹

"مسلمان رہنماؤں نے رام لیلا کا بندوبست کیا، مندروں میں دعائیں مانگی گئیں ...... رامائن کی پوجا میں شرکت کی گئی۔ گنگا پر پھول اور بتاشے چڑھائے گئے۔

بار بار اس بات کا اعلان کیا جاتا کہ گاندھی مستحق نبوت تھا اور یہ کہا گیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا۔ گائے کی قربانی کو موقوف کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں اور سب سے زیادہ غضب یہ کیا کہ دہلی کی جامع مسجد میں منبر رسولؐ پر ایک متشدد ہندو شردھانند سے تقریر کروائی۔ اسی شردھانند نے بعد میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی کا آغاز کیا"[1]

شردھانند اور شدھی

"ہندوؤں کے نزدیک مسلمانوں کا علاج شدھی تھا۔ شردھانند کا منصوبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو جن کے باپ دادا ہندو تھے، شدھ کر کے دوبارہ ہندو بنا لیا جائے"[2] مشہور کانگرسی ہندو لیڈر راج کمار ایس منشی نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ بغیر شدھی کے "ہندو مسلم اتحاد" نہیں ہو سکتا۔ جس وقت سب مسلمان شدھی ہو کر ہندو ہو جائیں گے تو اس ہندوستان میں سب ہندو ہی ہندو ہوں گے[3]

موہن لعل بھٹناگر نے لکھا۔ "مسلمان اصحاب یاد رکھیں کہ گئو ہتیا کرنے سے شدھی رکے گی نہیں، بلکہ زیادہ زور شور سے ہوگی۔ شدھی ہی ایک ایسا علاج ہے جس سے گئو ہتیا رک سکتی ہے۔ مسلمانوں نے خود ہی اندازہ لگایا ہے کہ دو کروڑ ایسے مسلمان ہیں جو ارتداد کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں۔ اگر یہ سب شدھ ہو جائیں تو گئو ہتیا بہت حد تک کم ہو جائے گی۔ ہندو یقین رکھیں کہ شدھی سے ہی گاؤ کشی رکے گی، یہی ان کے تمام دکھ دردوں کی دوا ہے، یہی ان کی مشکل کشا ہے"[4]

---

[1] احمد سعید، پروفیسر حصول پاکستان۔ ایجوکیشنل ایمپوریم "النصوریہ" لاہور، اگست ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۵۹
[2] سید نور احمد، مارشل لا سے مارشل لا تک۔ طبع دوم۔ فروری ۱۹۶۶ء ص ۴۸
[3] عزیز جاوید، حاجی صاحب ترنگزئی۔ ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان پشاور۔ بار سوم اکتوبر ۱۹۸۲ء ص ۳۵
[4] ماہواری رسالہ درپن لاہور، جون ۱۹۲۳ء ص ۴۸۴ (ایڈیٹر موہن لال بھٹناگر)

ہائے نا اتفاقی کی خلیج

شدھی تحریک کے بانی شردھانند کو مسلمان کندھوں پر بٹھا کر جامع مسجد لے گئے تھے، اس نے وہاں منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی تھی۔ پھر وہ تحریک چلا دی[5] لیکن وہ قتل ہوا تو خلافت کمیٹی والے اسے جامع مسجد کے منبر والا شردھانند ہی مانتے رہے شدھی کی تحریک والا نہیں۔

"سوامی شردھانند کے قتل کے واقعہ نے ہندو مسلمانوں کے درمیان نفرت اور ناانصافی کی خلیج کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ جس طرح اس قتل کا ہونا بیان کیا ہے، وہ بہت ہی افسوسناک ہے اور ہم مسلم پریس اور مسلم لیڈر اس واقعہ پر افسوس کر چکے ہیں اور مجھے بھی ہندو بھائیوں کے ساتھ ان کے اس صدمہ میں دلی ہمدردی ہے"[6]

اتحاد کی دائمی لگن

جن دنوں میں ۲۰-۱۹۱۹ء میں اتحاد کی لگن تھی، ان میں یہ لگن اب تک اسی شد و مد سے جاری ہے[7] ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن میں بھارت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو بلایا گیا اور اسے وہی عزت دی گئی، جو دارالعلوم کے بڑے، گاندھی اور دوسرے ہندو لیڈروں کو دیتے رہے تھے۔ ہفت روزہ "ہم عصر" بمبئی نے لکھا۔ "مولانا اسعد مدنی نے ان (اندرا گاندھی) کو جشن میں شرکت پر آمادہ کر کے علماء

---

[5] مارشل لاء سے مارشل لاء تک۔ ص ۴۸
[6] خطبہ صدارت جناب سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸ فروری ۱۹۲۷ء بمقام لکھنؤ۔ قاضی محمد مجتبیٰ کرتانوی نے نیپئر روڈ کراچی سے شائع کیا۔ س ن۔ ص ۳۰
[7] مثلاً ماہنامہ الرشید ساہیوال کے "مدنی و اقبال نمبر" ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء میں متحدہ قومیت کے حق میں اور دو قومی نظریے کے خلاف کئی مضامین شائع کیے گئے ہیں، جیسے متحدہ قومیت اور اسلام (مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی)، متحدہ قومیت اور اسلام (مولانا سید حامد میاں)، مسلم قومیت کا مسئلہ (مولانا حسین احمد نجیب)، مسئلہ قومیت کی نوعیت (یوسف سلیم چشتی) وغیرہ

دیوبند کی بے نیازی اور دارالعلوم کی امتیازی شان کو نقصان پہنچایا ہے ...... جشن صد سالہ کے سلسلہ میں جو پوسٹر شائع ہوا ہے، اس میں صاف لکھا ہے کہ عورت اور بچے کی شرکت ممنوع ہے، اس کے باوجود اندرا جی کی شرکت ؟" [۱]

نہ آج اندرا گاندھی کی دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ میں شرکت کا جواز ہے، نہ ۱۹۲۰ء میں ہندو لیڈروں کو مسجدوں کے منبروں پر بٹھانا مناسب تھا، مگر جمعیۃ علماء ہند اس وقت بھی اسے جائز سمجھتی تھی، جمعیۃ علماء ہند کے باقیات آج بھی اس روش کو درست خیال کرتے ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت

مسلمانوں میں کچھ اہل نظر نے ہندو مسلم اتحاد کے پس پردہ ہندوؤں کے عزائم بھانپ لیے تھے اور وہ بساط بھر اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

"اقبال مسئلہ تحفظ خلافت پر مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر تعاون کی تحریک میں شرکت کے خلاف تھے کیونکہ ...... انھیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر "قومیت متحدہ" کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت کو ختم نہ کر دیں جس کے سبب بعد میں انھیں پشیمان ہونا پڑے۔" [۲]

جب سید سلیمان ندوی نے کانگرس سے علیحدگی اختیار کی تو علامہ اقبال نے انھیں تحریر کیا: "جس راہ پر آپ اس سے پہلے قدم زن تھے، اس کے متعلق بوقت ملاقات گفتگو ہوگی۔ "ہندوستانی نیشنلزم" کی انتہا یہی تھی جو آپ کے مشاہدے میں آئی مگر ساڑھے تین سال بعد پھر علامہ نے سید سلیمان ندوی کو لکھا۔ "اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہل خلافت اپنی اصل راہ سے بہت دور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک

---

۱ ہفت روزہ "ہم عصر" بمبئی۔ ۲۲ مارچ ۱۹۸۱ء

۲ جاوید اقبال، ڈاکٹر "زندہ رود" شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ اشاعت اول۔ ۱۹۸۱ء صـ

۳ شیخ عطاء اللہ۔ اقبال نامہ حصہ اول۔ صـ ۱۳۰ (خط محررہ ۵ ستمبر ۱۹۲۲ء)

منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔" [۱]

"پیسہ اخبار" کا کردار

کٹار پور کے ہندوؤں نے قربانی کے موقع پر مظلوم مسلمان مرد و عورتوں کو زندہ جلا دیا۔ ہندو لیڈر ہندو قاتلوں کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ ادھر علی برادران اور خلافت کمیٹی کے دوسرے راہنما معافی کے ریزولیوشن پاس کرنے میں لگ گئے، تاکہ اس ظلم پر بھی ہندوؤں کا بال بیکا نہ ہو سکے۔ اس پر "پیسہ اخبار" کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم نے اداریہ لکھا: "...... جب ہم نے اخباروں میں ان محترم بزرگوں کی اس بے جا سفارش کی خبر پڑھی تو ہماری آنکھوں میں خون اتر آیا اور ہم اپنے دلی خیالات ظاہر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ان بزرگان قوم کو چاہیے کہ اس ہندو دوستی میں مسلمانوں کے حقوق تلف نہ فرمائے (فرمائیں) یہ جدید اتفاق سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔" [۲]

۱۹۲۰ء کے آخر میں گاندھی نے انگریزوں سے اپیل میں کہا ...... "یقینی ہے کہ اگر ممکن ہوتا تو علی برادران ضرور تلوار اٹھاتے مگر میں نے اور انھوں نے معاملہ کو مشترک کر لیا ہے۔" اس سے پہلے جو چٹھی وائسرائے ہند کو گاندھی نے لکھی تھی، اس میں لکھا تھا کہ میں نے کوشش کر کے مسلمانوں کو کشت و خون کرنے سے روکا ہے۔" مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو یقین دلایا جائے کہ یہ مسلمان لیڈر تمہارے مخالف ہیں اور خون خرابہ کرنا چاہتے ہیں، میں نے اپنی حکمت عملی سے انھیں روک رکھا ہے۔ آگرہ کے ایک جلسہ میں بھی انھوں نے کہا کہ "میرے بعض دوستوں نے کہا ہے کہ عدم تعاون کی تحریک ناکام رہے گی تو ہم تلوار اٹھائیں گے۔ لیکن میں اس کے خلاف ہوں۔" ان بیانات اور تحریروں کا ذکر کر کے منشی محبوب عالم نے ایک اداریہ شذرہ میں لکھا: "کیسے لطف کی بات ہے کہ مسلمان یا دوسرے لوگ ہی تلوار اٹھانے پر اصرار کر رہے ہیں، مگر مہاتما جی ہمیشہ اس کی مخالفت کر کے کریڈٹ لے جاتے ہیں۔" [۳]

پیسہ اخبار خلافت کا حامی تھا، لیکن "ہندو مسلم اتحاد" کی خرابیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرتا رہا۔ اس کے اداریے، خبریں، نظمیں اس کے گواہ ہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف ایک

---

۱ اقبال نامہ۔ حصہ اول (خط مرقومہ ۱۸ مارچ ۱۹۲۸ء)

۲ "پیسہ اخبار" ۲۹ دسمبر ۱۹۲۰ء صـ ۲ ۳ "پیسہ اخبار" ۳ دسمبر ۱۹۲۰ء صـ ۲

نظم ملاحظہ ہو۔ (شاعر کا نام نہیں لکھا)

اہالیانِ ترکِ موالات کے معتقدات و عملیات

پوچھا جو تارکینِ موالات سے کہ آپ — کیونکر بنائے ترکِ موالات اٹھائیں گے
کہنے لگے کہ "یہ کوئی مشکل عمل نہیں — باتوں ہی باتوں میں اسے ہم کر دکھائیں گے
دو چار ہندوؤں کو بنائیں گے رہنما — گاندھی کو ساتھ لے کے پھر آندھی اٹھائیں گے
قرآن کی غلط سلط، ادھوری کچھ آیتیں — رٹیں گے یاد اور انھیں کاموں میں لائیں گے
برزخ بنا کے مولویوں کی کہیں گے وعظ — مونچھیں کریں گے صاف تو داڑھی بڑھائیں گے
چھیڑیں گے ابتدا میں خلافت کا مسئلہ — دیکھیں گے مشکلیں تو اسے بھول جائیں گے
ہے عام کالجوں میں جو تعلیم کا رواج — چھوڑیں گے اس کو نفع دیکھا اس میں پائیں گے
ڈالیں گے ترکِ درس کی اسٹرائیک داغ بیل — شاہی مدد سے پہلے جو ہاتھ اٹھائیں گے
مسجد میں ہندوؤں کو بلا کر سنیں گے وعظ — منبر پہ وید سبتا کو ہم چڑھائیں گے (۱)
زنّار کی دکھائیں گے حلقہ بگوشیاں — ماتھوں پہ پنڈتوں کا سا قشقہ لگائیں گے
چندہ وصول کر کے خلافت کے نام سے — یورپ کی سیر کر کے مزے ہم اٹھائیں گے
آ کر وہاں سے ڈالیں گے ہجرت کا غلغلہ — ہر طرح پٹیاں جہلا کو پڑھائیں گے

القصہ ایسے کار نمایاں ہیں جس قدر
جب سب وہ کر چکیں گے تو گنگا نہائیں گے [1]

اہل سنت والجماعت کا موقف

ناظم حزب الاحناف لاہور نے اس موضوع پر یوں خامہ فرسائی کی:

".....عوام کو اپنے "محترم رہنماؤں" کی سیاست دانی پر بڑا بھروسہ تھا مگر اس راہ میں انھوں نے لُٹیا ہی ڈبو دی۔ پہلے گاندھی آندھی کی پکار عدم تعاون پر لبیک کہہ کر اس طرح ترکِ موالات کی کہ اپنے ڈھب کے پانچ سو مولویوں

[1] "پیسہ اخبار" ۳ دسمبر ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل۔

کا فتویٰ شائع کرایا اور ہزاروں برسرِ روزگار غریب مسلمانوں سے اس فتوے کے ماتحت ملازمتیں چھوڑ کر در بدر اور خاک بسر کرایا، پھر انھیں ملازمتیں نہ ملیں۔ کالجوں اور سکولوں میں پہنچ کر طلبا کو بہکایا، اُن سے تعلیم چھڑائی اور چھوڑ بیٹھے تو پھر تعلیم پر ان کا دل نہ لگا .... حلال جانوروں کا گوشت بُت پرستوں کی خاطر حرام کرنے کی ٹھانی۔ "ست سری اکال" اور "بندے ماترم" پکارا ......"[1]

ناظم حزب الاحناف، لاہور، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے خلیفۂ مجاز تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے خلفاء اور عقیدتمندوں نے ہندو مسلم اتحاد "فراڈ" کے خلاف مسلمانانِ ہند کی رہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ "پیسہ اخبار" لاہور نے اپنی ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں "ہندو مسلمانوں کا خطرناک اتحاد اور حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مجدد مأۃ حاضرہ کا فتویٰ" کے زیرِ عنوان کئی صفحوں پر مشتمل مواد شائع کیا۔ جس میں کہا: "مشرکین سے اتحاد، درکنار، وداد حرام قطعی ہے ..... مشرک کو حاجت دینیہ میں لیڈر بنانا، امام ٹھہرانا قرآن عظیم کی تکذیب ہے .... مشرک کے لیے ہرگز کوئی عزت نہیں، اس کی تعظیم سخت سے سخت کبیرہ اور قرآن عظیم کی مخالفت شدیدہ ہے ..... مشرک کی جے زبولے مگر کافر..... مہاتما کے معنی ہیں "روحِ اعظم" جو خاص لقب جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہے۔ مشرک کو اس سے تعبیر کرنا صریح مخالفتِ خدا و رسول ہے .... وغیرہ"[2]

رسائلِ رضویہ میں اعلیحضرت مولانا احمد رضا بریلوی نے لکھا:

"بفرضِ غلط اور بفرضِ باطل اگر سب مسلمان زمینداریاں، تجارتیں ترک کر دیں،

[1] تحذیر الحنفیہ عقائد النجدیہ۔ حزب الاحناف، لاہور، مطبع کریمی، لاہور، س۔ن۔
[2] "پیسہ اخبار" ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء صہ ۳.....

تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا تمہارے جگری خیر خواہ جملہ ہندو بھی ایسا ہی کریں گے اور تمہاری طرح بھرے بھر کے ننگے رہ جائیں گے۔ حاشا ہرگز نہیں، زنہار نہیں، ..... اتحاد و وداد کے جھوٹے بھروں پر بھرے ہو منافقانہ میل پر پھولے ہو ...... لاجرم نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ کہ تمام اعمال، کل دولتیں دنیاوی جمیع اعزاز، جملہ وجاہتیں صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں رہ جائیں اور مسلمان دانے دانے کو محتاج بھیک مانگیں اور نہ پائیں، ہندو کباب انھیں پکانے کو نوچتے ہیں، جب بے خوف و خطر کچا ہی چبا ئیں۔ یہ ہے لیڈر صاحبوں کی خیر خواہی، یہ ہے حمایت اسلام میں جانکاہی... ..... قرآن عظیم گواہ ہے اور اس سے بہتر کون گواہ ... ومن اصدق من اللہ قیلاہ کہ مشرکین ہرگز ہماری خیر خواہی نہ کریں گے .....؛ [1]

فتاوٰی رضویہ میں ہے "..... مشرک کو پیشوا بنالیا، آپ پس رو بنے، جو وہ کہے وہی مانیں، قرآن و حدیث کی تمام عمر اس پر نثار کردی، ترکِ موالات کا نام بدنام اور اللہ کے دشمن مشرکوں سے وداد، محبت واتحاد بلکہ غلامی و انقیاد..... یہ تو صراحۃً اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے۔ اس کا نام حمایت اسلام رکھنا کس درجہ صریح مغالطہ و اغوا ہے ...... انھوں نے سرے سے کلمہ ہی کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا، نہیں نہیں، بلکہ پس پُشت پھینک دیا، مشرکوں کو "روح اعظم" بنایا، موسلی بنایا، نبی بالقوۃ بنایا، مذکر مبعوث من اللہ بنایا، اس کی مدح خطبۂ جمعہ میں داخل کی، اس کی تعریف میں کلام الٰہی کا مصرعہ "خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست" کہا، اور کیا کیا کفر و کفریات و ضلالات اختیار کیے : [2]

---

[1] اعلیحضرت مولانا احمد رضا بریلوی، رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۲، ۲۰۳

[2] امام احمد رضا بریلوی، العطایا النبویہ فی الفتاوٰی الرضویہ جلد ششم، سنی دارالاشاعت مبارکپور (بھارت)، اکتوبر ۱۹۸۱ء، ص ۹۸، ۹۹

دارالاسلام یا دارالحرب

۱۹۲۰ء میں ہندوستان سے ہجرت کی جو تحریک شروع کی گئی، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس ملک کو دارالاسلام کے بجائے "دارالحرب" قرار دیا گیا تھا ہجرت کی وجوہ پر جن لوگوں نے بحث کی ہے، ان کے حوالے سے دیگر وجوہ کے علاوہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیئے جانے کا ذکر بھی آئے گا۔ زیر نظر باب میں یہ دیکھنا مطلوب ہے کہ ہندوستان کو کس کس نے "دارالحرب" کہا، کس نے کس سے یہ سُنا کہ یہ ملک دارالحرب قرار دیا جا چکا ہے تو ہجرت کی تبلیغ شروع کردی یا ہجرت ہی کے لئے سامان باندھ لیا، اس ملک کو دارالحرب کیوں قرار دیا گیا، کیا واقعی اسے دارالحرب قرار دیا جانا درست تھا۔ جن علماء نے ہندوستان کو "دارالاسلام" قرار دیا، ان کے پیش نظر کیا حقیقتیں تھیں اور ان کے فتووں پر دھیان کیوں نہ دیا گیا، وغیرہ،

دارالحرب اور دارالہجرت

نومبر ۱۹۲۰ء میں افغانستان میں رہ جانے والے مہاجرین کی حالت زار کے پیش نظر جان محمد جونیجو بیرسٹرایٹ لاء رولاڑکانہ کی سرکردگی میں مہاجرین ہندی کے وفد نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا۔ وفد کے ایک ممتاز رکن میر رحمۃ اللہ ہمایوں کے تحریری بیان میں تھا۔

"ہندوستانی مہاجرین نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر ہجرت کی تھی،

اور حقیقت یہ ہے کہ اندریں حالات، افغانستان سے بہتر دار الحرب میسر نہیں۔[1]

دار الکفر

فائق کامران لکھتے ہیں: "...... انہی ایام میں تحریک ہجرت کا آغاز ہوا۔ بعض پُرجوش کارکنوں نے ہندوستان کو دار الکفر (؟) قرار دے دیا اور سادہ لوح مسلمان ان کے اشاروں پر ملک سے ہجرت کرنے پر تیار ہو گئے۔"[2]

دارِ فسق و ظلم اور دارِ عدل و تقویٰ

ہجرت کی تیاری کے لئے "انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحدی" کا ایک اعلان اس زمانے میں "زمیندار" میں چھپا تھا، اس میں کہا گیا"...... پس ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ دارِ فسق و ظلم سے دارِ عدل و تقویٰ کی جانب ہجرت کریں۔"[3]

غیور قبائل کی مجبوری

میر رحمت اللہ ہمایوں نے کہا کہ ہندوستانی مہاجرین ہی نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا، فائق کامران نے بعض پُرجوش کارکنوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ پھر ایک نے "دار الکفر" اور دوسرے نے "دار الہجرت" کی جو اصطلاحات استعمال کی ہیں، یہ بھی ناواقفیت کے سبب ہیں۔ دارِ فسق و ظلم اور دارِ عدل و تقویٰ کی بھی یہی پوزیشن ہے: "دار الاسلام" اور "دار الحرب" ہی اس سلسلے کی اصطلاحات ہیں اور ان کا بمفصل ذکر کیا جائے گا۔ ملاحظہ فرمایئے کہ عبد الوحید خاں ہندوستان کو "دار الحرب" قرار دیئے جانے کا باعث حالات کو ٹھہراتے ہیں: "ترکوں کی تذلیل اور ہندوستان کے مظالم نے تحریک کے آغاز ہی میں صوبہ سرحد اور سندھ کے بعض غیور قبائل کو مجبور

---

[1] روزنامہ زمیندار، ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۵
[2] فائق کامران، تحریک پاکستان، فیروز سنز لاہور، راولپنڈی صفحہ ۱۱۴، 115
[3] روزنامہ زمیندار لاہور، ۷ مئی ۱۹۲۰ء ص ۲

کر دیا کہ وہ ہندوستان کی ظالم حکومت کو چھوڑ کر افغانستان ہجرت کر جائیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اب ہندوستان دار الحرب تھا۔"[1]

لکھنؤ کی آواز

تحریک خلافت کے ممتاز رہنما اللہ بخش یوسفی لکھتے ہیں: "ہندوستان میں تحریک خلافت کا اجرا ہوا تو اس سلسلے میں لکھنؤ سے ایک آواز اٹھی کہ مسلمان کے لئے جب مخالف طاقت کے خلاف جارحانہ اقدامات کی طاقت نہ ہو تو اسے ملک سے ہجرت کر جانا چاہیئے۔ یہ نعرہ مذہبی رنگ لئے ہوئے بلند ہوا تو مسلمانوں نے ہندوستان کو "دار الحرب" قرار دیتے ہوئے ملک سے نکل جانے کا فیصلہ کیا...."[2]

جمعیت علماء ہند

لکھنؤ سے اٹھنے والی جس آواز کا ذکر اللہ بخش یوسفی نے کیا ہے، وہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی آواز تھی۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ جسٹس (ڈاکٹر) جاوید اقبال نے دار الحرب کے فتویٰ کو جمعیت علماء ہند سے منسوب کیا ہے "جمعیت علمائے ہند نے فتویٰ جاری کیا کہ چونکہ ترکی کے ساتھ صلح کی شرائط مسلمانانِ ہند کی خواہشات کے مطابق طے نہیں پائیں، اس لئے ہندوستان "دار الحرب" بن چکا ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس ملک سے ہجرت کر کے کسی مسلم ملک میں جا آباد ہوں۔"[3]

صلاح الدین ناسک نے ترکِ موالات کے فتوے کا ذکر کرتے ہوئے ہندوستان کو "دار الحرب" قرار دیئے جانے کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ٹانک دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"جمعیت العلمائے ہند نے سینکڑوں علماء کے دستخطوں کے ساتھ یہ فتویٰ شائع کر دیا

---

[1] عبد الوحید خاں، مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ، مکتبہ کاروان، لاہور۔ تیسرا ایڈیشن نومبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۱۱۶
[2] اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، بار اول جون ۱۹۶۸ء ص ۲۱۳
[3] جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، حیاتِ اقبال کا وسطی دور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۲۵۰۔

انگریزوں کے ساتھ عدم تعاون مذہبی فریضہ اور ہندوستان "دارالحرب" ہے چنانچہ مسلمانوں نے ہجرت شروع کر دی[1]

محمد جلال الدین قادری، جمعیت علماء ہند کے فتوے کے ڈانڈے گاندھی جی سے ملاتے ہیں: "۱۹۲۰ء میں گاندھی نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے ایک اور چال چلی۔ جمعیت العلماء ہند اور خلافتی لیڈروں سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دلوا کر ہندوستان سے ہجرت کا فتویٰ جاری کروادیا۔"[2]

"خلافتی لیڈروں" کے ہندوستان کو "دارالحرب" قرار دینے کی بات، ڈاکٹر جاوید اقبال اور محمد جلال الدین قادری کے علاوہ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کرتے ہیں "سندھ میں خلافت کا پہلا اجلاس ۴ جنوری ۱۹۲۰ء کو حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ دوسرا اجلاس اسی سال اپریل میں سیوہن میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت مولانا عبدالکریم درس نے کی۔ اس میں رئیس جان محمد جونیجو اور دوسرے رہنماؤں نے انگریزوں کے خلاف زوردار تقریریں کیں۔ اس ملک کو دارالحرب قرار دیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ ہجرت کی تحریک چلائی جائے۔"[3]

سید نور احمد لکھتے ہیں: "بعض علماء کانگرس کے ناگپور سیشن سے پہلے ہی ہندوستان کو "دارالحرب" قرار دے چکے تھے"[4] آغا اشرف اس فتوے کو کہیں بہت پہلے تک پہنچاتے ہیں "مسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ وہ حکومت کے خلاف کوئی نہ کوئی اقدام کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہجرت کی تحریک شروع کر دی۔ سندھ میں اس کا سب سے

---

[1] صلاح الدین ناسک، تحریک آزادی، عزیز بک ڈپو، لاہور، اشاعت اول، س ن، ص ۲۲۲
[2] محمد جلال الدین قادری، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، مکتبہ رضویہ لاہور، طبع اول مئی ۱۹۸۰ء، ص ۳۱
[3] برگ گل جوہر نمبر ۱۴۰۱ ہجری۔ وفاقی گورنمنٹ اردو کالج، کراچی (مضمون سندھ میں خلافت تحریک" از ڈاکٹر میمن عبداللہ سندھی) ص ۱۱۷
[4] سید نور احمد، مارشل لا سے مارشل لا تک، طبع دوم فروری ۱۹۶۶ء، ص ۲۹

زیادہ زور رہا۔ یہ ایک بڑا جذباتی سا سلسلہ تھا۔ ہندوستان کو مدتوں سے پہلے ہی "دارالحرب" قرار دیا جا چکا تھا[1]

"مدتوں پہلے" سے اگر آغا اشرف کی مراد شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ ہے تو اس کا اقتباس بھی اسی باب میں پیش کیا جائے گا۔ مگر آغا اشرف کے نزدیک شاید دارالحرب کا معنی واضح نہیں تھا۔ اسی لئے لکھتے ہیں۔ "تحریک خلافت دارالحرب میں دارالسلام قائم کرنے کے لئے ہی قائم ہوئی تھی اور اس کا نظام تمام ملک میں پھیل گیا تھا"[2] وہ دارالحرب کے ساتھ ساتھ دارالاسلام کو بھی نہیں سمجھے، شاید اسی لئے اسے "دارالسلام" بھی لکھا ہے۔

دارالاسلام کی تلاش

ظفر حسن ایبک تحریک ہجرت سے کئی برس پہلے ہجرت کر کے افغانستان پہنچ گئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ انہیں بھی یہی کہہ کر ہجرت پر تیار کیا گیا مگر اس کے لئے وہ بھی "دارالکفر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں "مرے کالج کے زمانے میں اس جماعت (جماعت مجاہدین) کے نمائندے پنجاب میں وزیر آبادی مولوی فضل الٰہی تھے۔ اور ان کا رابطہ لاہور میں مولوی عبدالرحیم المعروف بہ مولوی بشیر سے تھا۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ جہاد کے لئے اس دارالکفر (؟) سے نکل کر ہمیں ایک دارالاسلام میں چلا جانا چاہیئے"[3]

ظفر حسن ایبک، تحریک ہجرت کے حوالے سے فتوے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں "صوبہ یوپی کے مولانا عبدالباری مرحوم نے ہندوستان کو، علمائے دیوبند کی

---

[1] آغا اشرف، پاکستان کا اسلامی پس منظر، مقبول اکیڈمی لاہور، طبع اول ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۰
[2] آغا اشرف، پاکستان کا اسلامی پس منظر، ص ۴۵
[3] ظفر حسن ایبک، آپ بیتی حصہ اول، منصور بک ہاؤس لاہور، س ن، ص ۲۲۱

طرح دارالحرب قرار دے کر فتویٰ دیا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دارالاسلام میں چلے جائیں۔[1]

مولانا عبدالباری کا فتویٰ ہجرت

مشہور ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کا فتویٰ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے دیا تھا۔ یہی بات ظفر حسن ایبک نے بھی کی ہے مگر مولانا عبدالباری کے فتوے کے الفاظ یہ ہیں جو "ہجرت کی اجازت" کے عنوان سے اخبارات میں شائع ہوئے۔ "ہجرت کے متعلق میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ضمیر (قلب یا ایمان) کو مطمئن نہیں کر سکتے، وہ اب اسلام کے احکام کے متعلق عمل پیرا ہوں اور اس ملک سے ہجرت کر کے ایسے مقام پر چلے جائیں جہاں اسلام کی خدمت انجام دینا اور اسلامی قوانین (شرع شریف) کے مطابق عمل کرنا بہتر طریق پر ممکن ہے۔"[2] اس سے پہلے ہی فتویٰ روزنامہ حریت دہلی میں بایں عنوان چھپا۔ "لو ہجرت کی اجازت آگئی!"[3] روزنامہ پیسہ اخبار نے یہ فتویٰ درج کر کے اس پر ادارتی شذرہ لکھا کہ مولانا یہ فتویٰ جاری نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔[4]

مولانا عبدالباری کے نام پر ایک نیا فتویٰ

لیکن جانباز مرزا نے مولانا عبدالباری پر جس فتویٰ کی تہمت لگائی ہے، وہ قطعاً درست نہیں۔ لکھتے ہیں "مولانا عبدالباری (فرنگی محلی لکھنؤ) نے اپریل ۱۹۲۰ء کو فتویٰ دیا کہ "فرنگی حکومت نے اپنی مسلمان رعایا سے جو وعدے کئے تھے، وہ

۱۔ ظفر حسن ایبک۔ آپ بیتی حصہ اول۔ ص ۲۰۹

۲۔ روزنامہ خلافت دہلی۔ یکم مئی ۱۹۲۰ء

۳۔ رئیس احمد جعفری ندوی۔ سید۔ اوراق گم گشتہ۔ محمد علی اکیڈمی لاہور۔ طبع اول ۱۹۶۸ء۔ ص ۷۸۲۔

۴۔ پیسہ اخبار لاہور۔ ۲۸۔ اپریل ۱۹۲۰ء

ان سے منحرف ہو چکی ہے نیز ہندوستان کی نہتی رعایا پر ان کا تشدد بڑھ کر مذہب میں بے جا مداخلت کرنے لگا ہے۔ بدیں حالات ہندوستان دارالحرب ہو چکا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے کسی ایسے ملک میں چلے جائیں جہاں کی قدریں اسلام سے ملحق ہوں۔[1]

جانباز مرزا نے حسب معمول کسی حوالے کے بغیر بات کی ہے اور یہ فتویٰ مولانا عبدالباری سے منسوب کر دیا ہے، حالانکہ انہوں نے کبھی ایسا فتویٰ نہیں دیا۔ فتوے کی پوری بحث متعلقہ باب میں آئے گی۔ لیکن چونکہ مولانا عبدالباری سے یہ بات بھی منسوب کر دی گئی ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا اس لئے اس موضوع پر صحیح صورت حال سامنے آنی چاہیئے۔

مولانا عبدالباری ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے تھے

مولانا عبدالباری کا جو فتویٰ ہجرت، حریت، پیسہ اخبار، خلافت اور دوسرے اخبارات میں چھپا، اس میں "دارالحرب" قرار دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مولانا کا ایک خط ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء کے "حریت" میں چھپا تھا، اس کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے"..... دار حرب سے دارالاسلام کی جانب ہجرت مستحب ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہو جاتی ہے بلکہ توطن دار حرب میں بلا ضرورت شرعیہ حرام ہے۔ ہم لوگ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے ہیں اور اعزاز دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت سے قیام کئے ہوئے ہیں، اس واسطے ہجرت فرض نہیں جانتے۔ مگر جب چارہ نہ ہو بجز اس کے کہ یا ہجرت کریں یا مبتلائے معصیت رہیں، یا استرضاء بالمعصیۃ کا ارتکاب ہو یا قیام وطن میں اس قدر خدمت نہ کر سکیں جتنی

۱۔ جانباز مرزا۔ حیات امیر شریعت۔ مکتبہ تبصرہ، لاہور۔ بار اول نومبر ۱۹۶۹ء۔ ص ۴۸

کہ باہر منتقل کر سکتے ہیں تو ان صورتوں میں ہجرت مشروع ہے"[1]
مولانا عبدالباری کی یہی تحریر بعد میں ان کے "رسالہ ہجرت"[2] میں بھی شائع ہوئی۔
مولانا احمد رضا بریلوی اس کا حوالہ دیتے ہیں ۔۔۔" اور خود مولوی عبدالباری کے رسالہ
ہجرت "میں ہے: "ہم لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے"[3]

دارالاسلام کے خلاف رائے

شاید مولانا عبدالباری کی یہی تحریر روزنامہ وکیل امرتسر (۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء)
میں چھپی تھی جس پر "اہل سنت والجماعت" امرتسر کے ایڈیٹر نے مولانا عبدالباری
کے ملک کو دارالاسلام کہنے کو زیر بحث بنایا: "مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء کے وکیل
روزنامہ میں ایک مضمون ہجرت کے متعلق مولانا عبدالباری کا مفصل اعلان شائع
ہوا ہے۔ اس میں مولانا موصوف نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ہم لوگ ہندوستان کو
دارالسلام (دارالاسلام) سمجھتے ہیں اور اعزاز دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت سے
قیام کئے ہوئے ہیں، اس واسطے ہجرت، فرض نہیں جانتے ۔۔۔ جب سے (ملک)
انگریزوں کے قبضے میں آیا ہے ۔۔۔ تب سے ہندوستان ہرگز دارالسلام (دارالاسلام)
نہیں ہے۔ بھلا جس ملک کا حاکم بادشاہ غیر مسلم ہو اور حدود شرعی جاری نہ ہوں، علاوہ
بریں اور بھی کئی قسم کی خرابیاں اس ملک میں موجود ہوں، وہ بھی دارالسلام (دارالاسلام)

---

[1] روزنامہ حریت دہلی، ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء (سوال ہجرت پر مولانا عبدالباری صاحب
کا خط مرقومہ ۲ شعبان ۱۳۳۸ھ)

[2] شاہد علی، مولوی شیخ (مرتبہ) رسالہ ہجرت و رسالہ قربانی گاؤ (یعنی مولانا محمد قیام
عبدالباری لکھنوی فرنگی محلی کے مضامین)، پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۲۰ء مطبوعہ شمس المطابع لکھنؤ۔

[3] احمد رضا بریلوی، امام، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، جلد ششم، سنی
دارالاشاعت مبارکپور، اعظم گڑھ۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء، ص ۹۷

ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا اور
مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم لکھنوی وغیرہ علماء کرام کا فتوی موجود ہے کہ انگریزوں
کے آنے کے وقت سے ہندوستان دارالاسلام نہیں ۔۔۔"
(حکیم ابوتراب محمد عبدالحق ایڈیٹر اخبار اہل سنت والجماعت امرتسر)[1]

فرضِ دفاع کی تکمیل

مسئلہ ہجرت کے شرعی پہلوؤں پر مولانا عبدالباری کا ایک مضمون روزنامہ
پیسہ اخبار (۲۹ مئی ۱۹۲۰ء) کے پرچے میں چھپا، اس میں بھی انہوں نے لکھا: "میں
ہندوستان کو اصلاً دارالاسلام سمجھتا ہوں اگرچہ حکومت کو ذمی یا معاہد نہیں سمجھتا
بلکہ تسلط سمجھتا ہوں۔ ایسی صورت میں بظاہر دارالحرب کے احکام جاری ہوتے
ہیں۔ بصورتِ لاچاری میں نے ہندوستان سے نکل جانے کا ارادہ مصمم کر لیا
تھا جیسا کہ کلکتہ میں ظاہر کیا تھا مگر مجھے معتمدین نے باز رکھا۔ میرے نزدیک یہاں سے
ہجرت فرض عین نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے بلکہ فرضِ دفاع کی تکمیل کے
لئے کی جا سکتی ہے"[2]

دارالحرب کب ہو گا

کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے ان الفاظ میں ہندوستان کے
دارالحرب ہونے کی بات کی تھی: "۔۔۔ اب اگر عراق جس پر انگریزوں کا تسلط ہے ان
کے قبضہ میں رہا، حجاز پر ان کے زیر اثر شریف مکہ کی برائے نام حکومت رہی اور
انگریزوں کی حکم برداری قائم ہوئی، شام فرانس کو دیا گیا، مصر و فلسطین وغیرہ

---

[1] روزنامہ زمیندار لاہور، ۹ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ آخر۔ و۔ روزنامہ پیسہ اخبار ۱۲ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

[2] روزنامہ پیسہ اخبار لاہور، ۲۹ مئی ۱۹۲۰ء ص ۳

درۂ دانیال سب انگریزی حکم برداری میں آ گئے تو اتصال دار حرب سے ہو جائے گا، اس وقت کسی طور پر ہندوستان دار اسلام نہ رہے گا۔"[1]

۲۴ جون کے پیسہ اخبار میں انہوں نے اپنی تقریر کے حوالے سے مزید وضاحت کی: "...... امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر دارالاسلام تین شرطوں سے دارالحرب ہو جاتا ہے (۱) مسلم امان سے اور ذمی امان اول سے نہ رہ سکے۔ (۲) شعائر اللہ بالکل نابود ہو جائیں (۳) اتصال اس ملک کا دارالحرب سے ہو جائے۔ شرط اول کا پایا جانا مشکل ہے، شرط دوم کے الفاظ مختلف ہیں، بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کسی شعائر دین کی مداخلت کافی ہے، بعض کہتے ہیں، کوئی شعائر اسلامیت جاد... بعض جملہ شعائر (شعائر) پر حکم کا اعتبار کرتے ہیں... تیسری شرط یعنی اتصال، تو اگر عراق پر قبضہ ان کا ہو گیا، حجاز ان کی حکم برداری میں آگیا، فلسطین ان کا ہو گیا، شام فرانس کا ہو گیا.... تو اب اتصال بھی دارالحرب سے ہو گیا، یہ شرط باقی نہیں رہی۔"[2]

شاہ عبدالعزیز کا ارشاد

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کی ابتدا شاہ عبدالعزیز دہلوی نے فرمائی تھی حالانکہ انہوں نے بھی اس سلسلے کی تینوں شرطوں کا واضح طور پر اعلان فرما دیا تھا "دارالاسلام دارالحرب نہیں ہو سکتا مگر جب تین امور پائے جائیں، وہاں مشرکین کے احکام جاری ہو جائیں اور دارالاسلام دارالحرب سے مل جائے اور وہاں کوئی مسلمان باقی نہ رہے اور نہ وہاں کوئی ایسا

---

[1] رئیس احمد جعفری ندوی، سید، اوراق گم گشتہ، محمد علی اکیڈمی، لاہور، طبع اول ۲۰-۱۹۶۸، ص ۱۴۶

[2] روزنامہ پیسہ اخبار، ۲۴ جون ۱۹۲۰، ص ۳، ۴

فرد ذمی رہ جائے جو پہلے سے مسلمانوں سے پناہ لے کر رہا ہو اور اب بھی اسی پناہ کی وجہ سے ہو..."[1]

مولانا محمد قاسم نانوتوی کا فتویٰ

مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند سود لینے نہ لینے کے بارے میں ہندوستان کو دارالاسلام اور ہجرت کرنے کے بارے میں ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے، نہ کہ ہجرت کے بارے میں تو دارالاسلام اور سود لینے کے وقت اس کو دارالحرب سمجھیں۔"[2]

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں "ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں شبہ ہے جیسا کہ منقولہ روایات سے آپ کو معلوم ہو گیا۔ اگرچہ اس ناچیز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔"[3]

دارالاسلام بھی اور دارالحرب بھی

(شیخ الہند) مولانا محمود حسن نے انگریز حکام کے پوچھنے پر جو جواب دیا، وہ بھی "نیمے دروں نیمے بروں" کی کیفیت کا غماز ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "شام کو مسٹر برن چیف سیکرٹری یوپی گورنمنٹ نے مولانا (محمود حسن صاحب دیوبندی) کو طلب کیا اور پوچھا "ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟" مولانا نے فرمایا "اس مسئلے میں علماء متفق نہیں بلکہ ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔" مسٹر برن نے سوال کیا "آپ کی کیا رائے ہے؟" مولانا نے جواب دیا "میرے نزدیک، دونوں گروہ علماء کے بموجب

---

[1] فتاویٰ عزیزی جلد اول۔ ص ۲۵، ترجمہ فتویٰ شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ متعلق دارالحرب ۱۲۳۹ اور (بحوالہ اوراق گم گشتہ مرتبہ سید رئیس احمد جعفری ص ۱۹۲۔

[2] محمد قاسم نانوتوی، مولانا قاسم العلوم، مکتوبات، مترجم، ناشران قرآن لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۳۶۲

[3] محمد قاسم نانوتوی۔ قاسم العلوم ص ۳۷۱

صواب ہیں۔" برن صاحب نے پوچھا "یہ کیسے ہو سکتا ہے" مولانا نے ارشاد فرمایا۔ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور درحقیقت یہ دونوں اس کے درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں، ایک اعتبار سے ہندوستان کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں، دوسرے اعتبار سے نہیں بھی کہہ سکتے" برن صاحب نے کہا "ذرا تفصیل بیان کیجئے" مولانا نے فرمایا" دارالحرب اس ملک کو کہتے ہیں، جس میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اس قدر بااختیار ہوں کہ جو حکم چاہیں، نافذ کر دیں" مسٹر برن نے یہ سن کر کہا، "یہ بات تو ہندوستان میں ہے" مولانا نے کہا "ہاں اس لئے ہندوستان ضرور دارالحرب ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں" مسٹر برن نے سوال کیا "دارالحرب کے دوسرے معنی کیا ہیں، یہ بھی بتایئے" مولانا نے جواب دیا "جس ملک میں اعلانیہ طور پر شعائر اسلام اور احکام اسلامیہ ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو یہ وہ دارالحرب ہے جہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے" برن صاحب کہنے لگے "یہ بات تو ہندوستان میں نہیں ہے" مولانا نے ارشاد فرمایا "جس نے ہندوستان کو دارالحرب کہنے سے احتراز کیا ہے، اس نے شاید یہی پہلو مدِنظر رکھا ہو" برن صاحب نے یہ سب باتیں نوٹ کر لیں[1]

سود لینے کے لئے دارالحرب

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: "دارالحرب میں اہلِ اسلام کو کفار ہنود ہوں یا یہود یا نصاریٰ، امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود لینا جائز ہے . . . . لیکن بلادِ ہند جو قبضۂ نصاریٰ میں ہیں، دارالحرب نہیں ہیں، ان میں کافر سے سود لینا جائز

---

[1] حسین احمد مدنی، مولانا، اسیر مالٹا، سفرنامہ شیخ الہند، مکتبہ محمودیہ، لاہور، ۱۹۴۷ء ص ۱۹۶۔ رئیس احمد جعفری، کاروانِ گم گشتہ، سید رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی، اشاعت اول ۱۹۷۱، ص ۵۳۴-۵۳۶

نہیں ہے[1]

"اعلیٰ حضرت، (مولانا احمد رضا بریلوی) نے مسلمانوں کے ملّی تشخص کے لئے ضروری قرار دیا کہ سودی کاروبار کسی بھی صورت میں جائز نہ قرار دیا جائے، اور برصغیر کو دارالحرب قرار دے کر سود کی ضرورت، قرار دے کر جائز نہ سمجھا جائے تاکہ ہندو ساہوکار غریب مسلمانوں کا خون چوسنے والی جونک نہ بن سکے"[2]

مولانا احمد رضا بریلوی کا فتویٰ

اس سلسلے میں ان کا فتویٰ یہ ہے۔ "ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلاثہ رحمت اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں . . . بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔ . . . الحاصل ہندوستان کے دارالاسلام ہونے میں شک نہیں، عجب ان سے جو تحلیل ربٰو کے لئے جس کی حرمت نصوص قاطعۂ قرآنیہ سے ثابت، اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد، اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجودِ قدرت استطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، گویا یہ بلاد اسی دن کے لئے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سُود کے لُطف اُڑائیے اور بآرام تمام وطنِ مالوف میں بسر فرمائیے"[3]

---

[1] عبدالحی لکھنوی، مولانا، مجموعہ فتاویٰ، جلد اول، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۱۳۳۴ھ ص ۳۰۲

[2] محمد مرید احمد چشتی (مرتب) خیابانِ رضا، عظیم پبلی کیشنز، لاہور، بار اول، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۰ ہفت روزہ افق کراچی۔ ۶ فروری ۱۹۸۰ء (مضمون خان محمد علی خان جوتی)

[3] احمد رضا بریلوی، مولانا، اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام، مطبوعہ حسنی پریس بریلی، بار اول۔ ۱۳۰۶ھ ص ۲، ۷

ہجرت عامہ و ہجرت خاصہ

کسی صاحب نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے پوچھا کہ "موجودہ اسلامی حالت کا خیال کرتے ہوئے اور عام علماء کی تقریر متعلق ہجرت کرنے ذکر نے کے، سُنتے ہوئے طبیعت پر تذبذب پیدا ہو رہا ہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ ہجرت کروں یا نہیں"، مولانا نے جواب دیا "ہجرت، دارالحرب سے ہر مسلمان پر فرض ہے جو باوصف قدرت دارالحرب میں سکونت رکھے اور ہجرت نہ کرے، مستحقِ عذاب ہے، رہا دارالاسلام، اس سے ہجرت عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی و بے حرمتی، قبور مسلمین کی بربادی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی اور ہجرتِ خاصہ میں تین صورتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی وجہِ خاص سے کسی مقامِ خاص میں اپنے فرائض دینیہ بجانہ لاسکے اور دوسری جگہ ممکن ہو تو اگر یہ خاص اسی مکان میں ہے، اس پر فرض ہے کہ یہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جائے اور اگر اس محلّہ میں معذور ہو تو دوسرے محلّہ میں اٹھ جائے اور اس شہر میں مجبور ہو تو دوسرے شہر میں، علیٰ ہذا القیاس۔ دوسرے وہ کہ یہاں اپنے فرائضِ مذہبی سے عاجز نہیں اور اس کے ضعیف ماں باپ یا بیوی یا بچے جن کا نفقہ اس پر فرض ہے اور وہ نہ جاسکیں گے یا نہ جائیں گے اور اس کے چلے جانے سے بے وسیلہ رہ جائیں گے، تو اس کو دارالاسلام سے ہجرت کرنا حرام ہے.... تیسرے وہ کہ نہ فرائض سے عاجز ہے نہ اس کی یہاں حاجت۔ اسے اختیار ہے، رہے یا چلا جائے۔ جو اس کی مصلحت ہو، یہ تفصیل دارالاسلام میں ہے.....[1]

مولانا اشرف علی تھانوی کا فتویٰ

مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی مولانا احمد رضا بریلوی کی طرح دارالاسلام اور

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ششم سنی دارالاشاعت، مبارک پور اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۸۱ء ص ۲

دارالحرب، کے مسئلے پہ ایک مستقل رسالہ تحریر کیا جس میں لکھتے ہیں "ہندوستان نہ تو صاحبین کے قول پر دارالحرب ہے اگرچہ احکام شرک کے اس میں علی الاعلان جاری ہیں لیکن احکام اسلام کے بھی بلاخوف مشتہر ہیں اور دونوں کے باقی رہنے سے دارالحرب نہیں ہوتا اور نہ امام صاحب کے قول پر دارالحرب ہے کیونکہ احکام کفر بتغییر مذکور یہاں نہیں ہوا بلکہ بدستور احکام اسلام جاری ہیں اور ایسی صورت میں دارالحرب نہیں ہوتا۔"[1]

ایک عامی کا فتویٰ

علما تو کیا، راست فکر عامی بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ ہندوستان دارالحرب نہیں ہوسکتا اور یہاں سے ہجرت درست بات نہیں۔ نومبر ۱۹۲۰ء میں ڈاکٹر نور حسین صابر، پنشنر جھنگ سیال کی ایک تحریر "پیسہ اخبار" میں چھپی تھی، "...نہ ہی ہجرت ہو ہجرت بغیر امام و نائب امام کے نہیں ہو سکتی، ہجرت دارالحرب سے ہوتی ہے ہجرت تب فرض ہوتی ہے کہ اسلامی و مذہبی فرائض کو حاکم پورا نہ کرنے دیں..."[2]

دارالاسلام اور دارالحرب

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری دارالاسلام اور دارالحرب کی بحث کو بطریق احسن یوں سمیٹتے ہیں "کسی ملک کے بارے میں یہ جاننے کے لئے کہ دارالحرب ہے یا دارالاسلام، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہاں اقتدار کس کا ہے اور احکام کس قسم کے نافذ ہیں اس اعتبار سے ممالک کو چار قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ وہ ملک جہاں غیر مسلم حکمران ہے اور صرف اسی کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں اور شعائرِ اسلام پہ پابندی نافذ ہے۔

---

[1] محمد اشرف علی تھانوی، مولانا مولوی حاجی شاہ۔ تحذیر الاخوان عن الربو فی الہندوستان اشرف المطابع تھانہ بھون، س ن، ص ۸

[2] روزنامہ پیسہ اخبار لاہور (۲۷ نومبر ۱۹۲۰ء - ص ۱)

۲۔ وہ ملک جہاں مسلم حاکم با اختیار ہے اور وہاں قوانینِ شرعیہ کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔

۳۔ وہ ملک جہاں مسلمان فرمانروا ہے اور وہاں شریعت کے مطابق فیصلے بھی ہوتے ہیں اور مقامی قانون کے مطابق بھی فیصلے ہوتے ہیں

۴۔ وہ ملک جہاں غیر مسلم صاحبِ اقتدار ہے لیکن فیصلے ہر دو طرح ہوتے ہیں، قوانینِ شرع کے مطابق بھی اور مقامی قانون کے مطابق بھی اور وہاں شعائرِ اسلام پہ پابندی بھی نہیں ہے۔

پہلی صورت میں وہ ملک دار الحرب ہے۔ باقی تین صورتوں میں دار الاسلام ہے۔ وہ علاقے جو کفار کے قبضے میں ہیں ان کے بارے میں فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

(ترجمہ) سیدامام فرماتے ہیں کیوں کہ وہ دار الحرب کے شہروں سے متصل نہیں ہیں اور کافروں نے وہاں احکامِ کفر نافذ نہیں کئے بلکہ قاضی مسلمان ہیں ـــ ہم نے کسی اختلاف کے بغیر حکم لگایا ہے کہ یہ شہر تاتاریوں کے تسلط سے پہلے دار الاسلام تھے اور ان کے قبضے کے بعد اذان، جمعہ جماعت، شریعت کے مطابق فیصلہ، فتویٰ اور تدریس ایسے امور حکام کی طرف سے کسی اعلان کے بغیر اعلانیہ طور پہ جاری ہیں لہٰذا ان شہروں کو دار الحرب قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے ـــ امام حلوانی نے فرمایا کہ کسی علاقے کے دار الحرب ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) وہاں احکامِ کفر جاری ہوں اور اسلام کا کوئی حکم نافذ نہ ہو۔

(۲) وہ علاقہ دار الحرب سے متصل ہو۔

(۳) وہاں کوئی مسلمان اور ذمی امانِ سابق سے امن والا نہ رہے ـــ جب یہ تمام شرائط پائی جائیں تو وہ جگہ دار الحرب ہے اور جب دلائل اور شرائط متعارض ہوں

تو وہ جگہ اپنی اصلی حالت پر رہے گی۔ (پہلے کی طرح دار الاسلام ہو گی) احتیاطاً جانب اسلام کو ترجیح دی جائے گی" اس عبارت کے مطالعے سے ہندوستان کے بارے میں حقیقتِ حال بے غبار ہو جاتی ہے"۱؎

۱؎ محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا (پیش لفظ) دو اہم فتوے۔ ناشر حافظ محمد خان منتظم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔ ۱۹۷۷ء ص ۱۴، ۱۵، ۱۶

ہجرت کے اسباب

خلافت کو کفار کی دستبرد سے بچانے کے لیے تحریکِ خلافت کے شعلہ بیان مقررین نے ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات اس قدر بھڑکا رکھے تھے کہ جب خلافت کی نازک ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی تو نہ عامۃ المسلمین کو خود کوئی راہ نظر نہ آتی تھی، نہ ان علماء کی سمجھ میں کچھ آتا تھا کہ اب لوگوں کو کون سی راہ دکھائیں یہ بزرگ گاندھی جی کی طرف نگراں رہے کہ وہ ان کی رہنمائی کریں۔ اور جب گاندھی جی نے "نان کوآپریشن" کا شوشہ چھوڑا تو تحریک خلافت کے راہنماؤں نے اسے اسلامیا کر "تحریکِ ترکِ موالات" کا نام دیا اور اس راہ پر سرپٹ دوڑ پڑے، لیکن جن چند دنوں میں گاندھی جی نے انھیں یہ لائن دی تھی، اس میں اکا دکا مولویوں اور لیڈروں نے ملک سے ہجرت کا نعرہ لگایا اور عوام کے برافروختہ جذبات نے بھی یہ راہ فوراً اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ پایا۔

تحریکِ ہجرت کی اصل وجہ تو وہی تھی جو پہلے بیان کی جا چکی ہے لیکن اس سلسلے میں مختلف اوقات میں جو کچھ کہا جاتا رہا، قارئین کے لیے اس کا مطالعہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

مسئلۂ خلافت اور ترکی صلح نامہ

پروفیسر رشبرک ولیمس نے لکھا: "زمانۂ زیرِ تنقید (۱۹۲۰ء کا موسم گرما) کے شروع ہی میں بازوئے چپ کے انتہا پسند جماعت کے لیڈران نے اس سوال کو اٹھایا تھا کہ اگر ترکوں کے ساتھ شرائطِ صلح ایسے ہوئے جن کو مسلمان قبول نہیں کر سکتے تو کیا ہر مسلمان کا فرض نہ ہوگا کہ سلطنتِ برطانیہ کو خیر باد کہہ کر کہیں دوسری جگہ اپنا "گھر" تلاش کرے۔" [۱]

روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور نے اپنے ایک اداریے شذرے میں لکھا: "مسئلہ خلافت کے متعلق دولِ متحدہ خصوصاً دولتِ برطانیہ کے طرزِ عمل سے مسلمانانِ ہند کو عام طور پر مایوسی کا سامنا ہوا ...... مایوسی اور ناراضگی کا خاصہ ہے کہ لوگ ان سے متاثر ہو کر بعض اوقات انتہائی تدابیر کر بیٹھتے ہیں، بلا اس خیال کے کہ وہ تدابیر مفید ہوں گی یا مضر چنانچہ مسلمانانِ ہند میں جن لوگوں کو ذکی، طبائع انتہا پسند اور جوشیلی تھیں، انھوں نے ہجرت اختیار کی۔" [۲]

ہجرت کے بارے میں امیر امان اللہ خاں (والیٔ افغانستان) کے اعلانات کے بعد مردان ضلع پشاور میں "انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحدی" کے نام سے میاں قمر الدین کاکا خیل (سیکرٹری)، اور شیر بہادر خاں یوسف زئی، غلام علی خاں شیعہ بنگش، رب نواز خاں مروت، اللہ یار خاں بلوچ، سید نواب شاہ اور گوبند سنگھ گیانی کی طرف سے ایک اعلان روزنامہ زمیندار میں شائع ہوا جس میں لکھا تھا فی الحال ۳۰۰۳۸ مہاجرین ایسے تیار ہو گئے ہیں جو محض اپنے پیارے دین کی خاطر افغانستان کی طرف برائے ہجرت روانگی کی گھڑیاں گن رہے ہیں ...... وہ صرف یہی چاہتے ہیں کہ اس آڑے وقت میں اپنی مقدس خلافت کو کفار کی دستبرد سے بچالیں اور اگر ضرورت پڑے تو اپنی جان کو بھی قربان کر دیں۔ دنیائے اسلام کو معلوم ہو گیا ہے کہ دولتِ برطانیہ کلاں مسلمانوں اور ہندوؤں کی چیخ و پکار کو نظر انداز کر کے اپنے تمام وعدوں اور اعلانوں کو بالائے طاق رکھنے پر آمادہ و کمر بستہ ہے اور دیدہ و دانستہ واقعات کی ایک نہایت تشویش انگیز صورت کو نظر انداز کرنا چاہتی ہے۔ پس ہمارے لیے یہی مناسب ہے کہ دارِ فسق و ظلم سے دارِ عدل و تقویٰ کی جانب ہجرت کریں۔" [۳]

---

[۱] رشبرک ولیمس پروفیسر - مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء ترجمہ مولوی عبد المجید دریابادی (عبد الماجد دریابادی) مطبوعہ تعلقدار پرنٹنگ پریس لکھنؤ - بار اوّل - ۱۹۲۲ء صـ ۵۹

[۲] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور - ۱۴ ستمبر ۱۹۲۰ء صـ ۲

[۳] روزنامہ "زمیندار" لاہور - ۷ مئی ۱۹۲۰ء صـ ۲

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے اپنے ہجرت کر جانے کا اعلان کیا اور اپنی ہجرت کے جواز میں یہ کہا کہ اگر ملک دارالحرب ہو گیا تو سب سے پہلے میں اس ملک سے ہجرت کر جاؤں گا۔ انھوں نے کہا: "..... اب اگر عراق جس پر انگریزوں کا تسلط ہے ان کے قبضہ میں رہا، حجاز پہلے کے زیر اثر شریف مکہ کی برائے نام حکومت رہی اور انگریزوں کی حکم برداری قائم ہوئی۔ شام فرانس کو دیا گیا، مصر و فلسطین و مالٹا و درۂ دانیال سب انگریزی حکم برداری میں آ گئے تو پورا اقبال دارِ حرب سے ہو جائے گا۔"[1]

۹ اگست (۱۹۲۰ء) کو ماموخیل، شہاب خیل، متی خیل، دیہہ بہادر وغیرہ (آٹھ دیہات) کے باشندوں نے جن میں نمبردار، ملک اور خوانین بھی شامل تھے، ایک جلسہ کر کے فیصلہ کیا کہ چونکہ خلافت کا فیصلہ مسلمانوں کی منشاء کے مطابق نہیں ہوا اور ہمارے مقدس مقامات ابھی تک غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں، اس لیے ہمیں اب "دارالاسلام" کی طرف ہجرت کرنی چاہیے۔[2]

زیڈ۔ اے سلہری بھی لکھتے ہیں: "یہ سیدھے سادے مہاجرین خلافت بچانے افغانستان جا رہے تھے۔"[3]

"پیسہ اخبار" نے ہجرت کے ہنگامے کے دوران میں ایک اداریے میں لکھا: "....

بہت سے بھولے بھالے لوگ مسئلۂ خلافت سے متاثر ہو کر ترک وطن کر رہے ہیں...

مگر جو لوگ وطن عزیز چھوڑ کر اور سات آٹھ کروڑ مسلمانوں کا ملک چھوڑ کر جا رہے ہیں انھوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ان کی اس کارروائی سے ان کے محبوب مسئلہ خلافت پر کیا اثر پڑے گا؟"[4]

---

[1] رئیس احمد جعفری ندوی، سید۔ اوراقِ گم گشتہ۔ محمد علی اکیڈمی، لاہور۔ طبع اول ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۳۶

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

[3] ضیاء الدین احمد سلہری۔ ہمارا قائد، ترجمہ از جان گرو، کتاب منزل لاہور۔ بار دوم، ۱۹۴۶ء، صفحہ ۵۳

[4] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۸ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

مولانا ظفر علی خان پر حضرو میں تقریر کرنے کی پاداش میں مقدمہ بغاوت قائم ہوا۔ مقدمے کے دوران میں مولانا نے جو بیان دیا، اس میں کہا: "اس کثیر آبادی کے ایک نہایت قلیل حصے کو ممالک غیر کی طرف ہجرت کی ترغیب دی گئی تھی، اور وہ بھی اس خیال سے کہ ترکی صلحنامہ کی غیر منصفانہ شرائط کے خلاف احتجاج کیا جائے۔"[1]

ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار مقیم پشاور کے حوالے سے "زمیندار" نے لکھا کہ "تحریک ہجرت کی بنیاد مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے جیسا کہ اس امر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی نے یہ تحریک مجوزہ ترکی کی شرائط صلح کے خلاف شروع کی ہے۔"[2] اس سے ایک دن پہلے "پیسہ اخبار" نے اداریہ شذرے میں لکھا: "شروع میں کسی کو یہ امید نہیں تھی کہ مسئلہ خلافت سے ناراض ہو کر اس قدر مسلمان ترک وطن کر کے افغانستان کو روانہ ہو جائیں گے....."[3]

۱۷ جولائی ۱۹۲۰ء کے "لاڑکانہ گزٹ" نے لکھا: "مسلمان بھائیوں کے دل خلافت اور ترکی کے مسئلہ کی وجہ سے ماتم کدہ بنے ہوئے ہیں۔ سندھ کے کونے کونے سے ہجرت کی آوازیں آ رہی ہیں۔"[4]

ترکوں کی تذلیل اور ہندوستان کے مظالم

بعض اصحاب نے خلافت کے ساتھ ساتھ حکومت برطانیہ کی اہل ہند پر زیادتیوں کو ہجرت کا سبب قرار دیا ہے: "ترکوں کی تذلیل اور ہندوستان کے مظالم نے تحریک کے آغاز ہی میں صوبہ سرحد اور سندھ کے بعض غیور قبائل کو مجبور کر دیا کہ وہ ہندوستان کی نظام حکومت کو چھوڑ کر افغانستان ہجرت کر جائیں۔"[5]

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۸ اکتوبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱

[2] " "زمیندار" " ۱۵ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

[3] " "پیسہ اخبار" " ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

[4] مجلہ "برگ گل" کراچی، جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ، مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی

[5] عبدالرشید خان، "مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ"، مکتبہ کارواں لاہور، تیسرا ایڈیشن، نومبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۱۱۶

۲۱ جولائی ۱۹۲۰ء کے "زمیندار" میں سید عبد القادر ایم اے اسلامیہ کالج لاہور نے لکھا: "اپنے ملک کے حکمرانوں کے جبر و تعدی سے تنگ آکر کسی فرد واحد کا بھی اس ملک سے ہجرت کر جانا..... مہذب اور حق پسند دُنیا کی نظروں سے ایسے حکام اور ان کی سلطنت کو ہمیشہ کے لیے گرا دیتا ہے......"[1]

اسلام کا تحفظ اور خدمت

صدر دفتر مہاجرین، دہلی کے آنریری سیکرٹری "خادم المہاجرین" تجمل حسین خان کی طرف سے جو اعلان جولائی کے آخر میں اخبارات میں چھپا، اس میں تھا: "صرف وہی حضرات ہجرت کا قصد کریں جو اس آخری وقت میں اسلام و خدائے اسلام کی خدمت و خوشنودی کے لیے تمام قسم کی سختیاں اور تکلیفیں برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔"[2]

امیر کابل امان اللہ خاں کا جو بیان جاری ہوا، اس میں کہا گیا: "ان مہاجرین کے لیے جو صرف کلمۂ پاک کی بقا کے لیے ہجرت کر کے آئے ہیں، تمام ضروری سامان موجود ہے۔"[3]

"لاڑکانہ گزٹ" نے ہجرت کو دین کے اصولوں کی پابندی قرار دیا: "۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو مسلمان اپنے دین کے اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ہجرت کر گئے۔"[4]

اللہ بخش یوسفی ہجرت کے لیے جانے والوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: "جانے والے تو جنونی طرح تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے تاکہ حکم خدا و رسولؐ کی پیروی میں وہ اسلام کا تحفظ کر سکیں۔"[5]

ریڈ لے سلہری کہتے ہیں: "ذرا ان لوگوں کا تصور کیجیے جو کہ خلافت اور اسلام کے لیے مرنے مارنے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ وہ لوگ جنھوں نے فرض کر لیا تھا کہ گھر بار چھوڑنا اسلام کی بہترین خدمت ہے۔"[6]

غلام محمد عزیز امرتسری (جنھوں نے مسلمانوں کو ہندوستان سے افغانستان کی طرف

---

1. روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۱ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ اول
2. " " ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۹
3. " "پیسہ اخبار" " ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۱
4. مجلہ "برگ گل" کراچی، جوہر نمبر ۱۴۰۱ ہجری ص ۱۱۰
5. اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی، مرکزی اردو بورڈ، طبع اول جون ۱۹۶۸ء ص ۲۱۵
6. ضیاء الدین محمد سلہری، ہمارا قائد (ترجمہ از جان گرو) کتاب منزل، لاہور، بار دوم ۱۹۴۶ء ص ۵۶، ۵۹

ہجرت کرانے میں بڑے پاپڑ بیلے تھے، اور اپنے نام کے ساتھ "خادم المہاجرین" لکھا کرتے تھے) اور تجمل حسین خان سیکرٹری دفتر مہاجرین دہلی نے ہجرت کی تیاری کے لیے جو پہلا باقاعدہ اعلان جاری کیا، اس میں مہاجرین کو جو ہدایات جاری کیں، ان میں کہا:

"صرف اسلام کی خدمت کرنے کی نیت سے ہجرت کرے۔ غیرت اسلامی کی بنا پر ہجرت کا عزم کرے۔"[7]

ایک شاعر عبد نے سندھ سپیشل ٹرین کے ذریعے ہجرت کی اور اپنے عزیزوں قریبوں سے رخصت ہونے کے بعد اپنے جذبات اور احساسات ایک سندھی نظم میں اس طرح بیان کرتے ہیں: "اے عزیزو! ہم خدا کی راہ پر جا رہے ہیں، خدا حافظ! ہجرت کر کے کابل کی طرف جا رہے ہیں، خدا حافظ!..... ہم دین کی خدمت کے لیے جا رہے ہیں خدا حافظ۔"[8]

مہاجرین پنجاب کا قافلہ مولانا احمد علی لاہوری کی سرکردگی میں ٹرین کے ذریعے کیمبل پور پہنچا، تو وہاں پر موجود حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے "مختصراً" اس بات پر زور دیا کہ ہم خدمت اسلام کے لیے جاتے ہیں۔ ان خادموں کی جو کوئی بھی دامے درمے قدمے یا تقریر و تحریر کے ذریعے اعانت کرے گا، وہ بھی مستحق ثواب اسی طرح ٹھہرے گا، گویا وہ مہاجر فی سبیل اللہ ہے۔"[9]

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا: "..... سرحدی مہاجرین خدمت دین کے لیے بہت بے تاب تھے۔"[10]

مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء کے "زمیندار" میں اپنے ایک بیان میں کہا: "ہم ہجرت کی فرضیت کے قائل نہیں، البتہ ہجرت کو مستحب سمجھتے ہیں..... باقی جن قدر حضرات ہجرت کر کے اسلام کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ان کو لازم ہے کہ ہجرت کریں

---

7. روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء ص ۵
8. مجلہ "برگ گل" کراچی، جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ ص ۱۱۰
9. روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۶
10. ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۱۱

اور اسلام کو فائدہ پہنچائیں۔"[1]

مولانا ابوالکلام آزاد نے جو فتویٰ ہجرت جاری کیا، اس میں کہا: "ان تمام مسلمانوں کے لیے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں، ضروری ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔"[2]

۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو سیٹھ حاجی جان محمد چھوٹانی صدر مرکزی خلافت کمیٹی کی صدارت میں مسلمانان بمبئی کا ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا شوکت علی نے کہا: "سچے مسلمان اور سچے ہندوستانی وہی باہمت اور ثابت قدم مہاجرین ہیں جو اپنے مذہب اور ضمیر و ایمان کی آزادی کے لیے عزیز وطن کو خیرباد کہہ گئے، تاکہ حق و انصاف کے مطالبے میں ان کا کوئی مزاحم نہ ہو۔"[3]

اسی جلسے میں "رئیس المہاجرین" مسٹر جان محمد جونیجو (بیرسٹر ایٹ لاء) جو افغانستان کے مہاجرین ہند کے وفد کے سربراہ تھے، انھوں نے بھی حاضرین سے خطاب کیا اور کہا: "ہم اپنے ایمان کے بچاؤ اور آزاد انسانوں کی زندگی بسر کرنے کی غرض سے اپنے پیارے وطن کو خیرباد کر گئے۔"[4]
جان محمد جونیجو ہجرت سے پہلے سندھ خلافت کمیٹی، لاڑکانہ کے سیکرٹری تھے، انھوں نے گورنر بمبئی کے پولٹیکل سیکرٹری کے نام مئی ۱۹۲۰ء میں جو تار بھیجا، اس میں لکھا: "مذہبی دست اندازی کی وجہ سے ۲۵ ہزار مسلمان افغانستان کی طرف ہجرت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔"[5]

ڈاکٹر سیف الدین کچلو، آنریری سیکرٹری مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی نے کہا: "یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ خلافت کمیٹی نے ہجرت کی تحریک کو کسی طرح بھی نہیں روکا اور اظہار موافقت اور دلی ہمدردی اور مقامی اعانتوں کے علاوہ اس کو ہمیشہ ایک شرعی

---

[1] رئیس احمد جعفری، ندوی۔ اوراق گم گشتہ ص ۱۵۲
[2] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر۔ ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۳
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۳ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۱
[4] " " " ۱۳ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۱
[5] " " " ۲۶ مئی ۱۹۲۰ء ص ۳

آلہ سمجھتی رہی ہے۔"[1]

عقیدے اور ایمان کی حفاظت

روزنامہ "پیسہ اخبار" میں "دہلی میں باغیانہ جلسوں کے لیے حکم امتناعی" کے زیر عنوان ایک اداری شذرے میں لکھا گیا: "..... مسلمانوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر ان کے مذہبی عقائد کے ماتحت ان کے لیے ہندوستان میں رہنا ناممکن ہو جائے گا، تو وہ دوسرے ملک کو ہجرت کر جائیں گے۔"[2] ہجرت کے دوران سید عبدالقادر ایم اے اسلامیہ کالج لاہور نے لکھا: "ہندی مہاجرین اپنے مذہب اور ضمیر کو بچانے کے لیے نقل مکانی کر رہے ہیں..... انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنا ایمان صحیح و سالم لے کر اس ملک سے نکل جائیں اور کسی اسلامی ملک میں جا کر اپنی زندگی کے باقی دن آرام سے گزاریں۔"[3] ۲۳ جولائی ۱۹۲۰ء کو مہاجرین کو الوداع کہنے کے لیے باغ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں ہندو، مسلمانوں اور سکھوں کا ایک جلسہ ہوا، جس میں صدر جلسہ مولانا ظفر علی خاں نے کہا: "وہ (مہاجرین) اس ملک کو چھوڑ کر اس ملک کی طرف جانا چاہتے ہیں، جہاں ان کا دین ایمان سلامت رہے گا، اور جہاں انھیں مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔"[4]

کمشنر سندھ نے اعلان کیا تھا کہ غیر محتاط لوگ اب تک غریب مسلمانوں کو یہ کہہ کر ہجرت پر اکسا رہے ہیں کہ ان کو سندھ میں نمازیں پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔"[5]

گاندھی جی نے تحریک ہجرت کے بارے میں کہا: "ضرور اس میں مذہبی عقیدہ کا زور شامل ہے۔ غالباً وہ عقیدہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے زیادہ بہتر ہے کہ وہ ایک ایسی قلمرو کو خیرباد کہہ دیں جس میں ان کے مذہبی احساسات کا مطلق خیال نہیں کیا

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء ص ۵
[2] " " ۷ مئی ۱۹۲۰ء ص ۲
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۱ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۱
[4] " " ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۳
[5] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء ص ۱

جاتا اور فقیرانہ زندگی بسر کریں۔"[1]

مولانا ظفر علی خاں نے پنجاب خلافت کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے مولانا شوکت علی کے نام اپنے برقی پیغام میں لکھا تھا: "ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ اپنے ضمیر و ایمان کی ہدایت کے مطابق نجات حاصل کرے۔ اگر اس کا ضمیر یہ کہے کہ ہندوستان میں رہنے سے اس کا ایمان محفوظ نہیں رہ سکتا تو اُسے پورا حق حاصل ہے کہ وہ افغانستان میں یا کسی اور ایسے (ملک) میں جسے وہ دارالاسلام سمجھے، ہجرت کر جائے۔"[2]

۵ ستمبر ۱۹۲۰ء کو آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں کانگرس کے پنڈال میں ہُوا۔ شام کے اجلاس میں مولوی عبدالغفور سیکرٹری خلافت کمیٹی پشاور نے یہ قرارداد پیش کی: "آل انڈیا خلافت کانفرنس کا یہ اجلاس ان مسلمانانِ ہند کے ساتھ تہہ دل سے ہمدردی ظاہر کرتا ہے، جنھوں نے اپنے ایمان کے تحفظ کی خاطر ہجرت مذہبی فرض سمجھ کر کی ہے یا کرنے پر رضامند ہیں۔" مولوی عبدالغفور نے قرارداد کی تحریک کرتے ہُوئے کہا کہ "لوگ کسی مجنونانہ تعلیم کے زیرِ اثر اپنے عزیز گھروں کو خیرباد نہیں کہہ رہے، بلکہ وہ اپنے ضمیر اور ایمان کو ان حالات سے بچانے کے لیے ہجرت اختیار کر رہے ہیں۔" مولوی عطاء اللہ صاحب (بخاری) امرتسری اور مولانا شوکت علی نے اس ریزولیوشن کی تائید فرمائی جو باتفاقِ رائے منظور ہُوا۔"[3]

کابل کے مہاجرینِ ہندی کا جو وفد شیخ جان محمد جونیجو کی قیادت میں ہندوستان آیا تھا، اس کے ایک رکن میر رحمت اللہ نے یہاں ایک تحریری بیان دیا، جس میں کہا: "کوئی شہر یا کوئی ملک اپنے جلاوطن کیے ہُوئے فرزندوں کو بھول نہیں سکتا، چہ جائیکہ وہ اپنے ایسے

[1] متصدی لعل ہندی، لالہ۔ بیدارئ ہند یعنی کارنامۂ مہاتما گاندھی۔ دارالاشاعت بیداریٔ ہند، میرٹھ۔ بار اوّل ۔ ۱۹۲۷ء صہ ۱۶۵

[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۳

[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صہ ۱ / روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صہ ۳

پرستار جگر بندوں کو فراموش کر سکے، جو اپنے ضمیر اور ایمان کی آزادی کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہُوئے اپنے وطن کی عزت و عظمت اس میں سمجھیں کہ اسے خیرباد کہہ دیں۔"[1]

احکامِ الٰہی کی پابندی اور عدمِ تعاون کی پیروی

خبر آئی کہ دھام پور سے دو نامور نوجوان مسٹر محمد عبدالقیوم خاں اور شاکر حسین صاحب احکامِ الٰہی کی پابندی اور عدمِ تعاون کی پیروی کرتے ہُوئے دنیاوی عیش و آرام چھوڑ کر کابل روانہ ہو گئے۔"[2]

انصاف سے مایوسی

"۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء کو ریلوے ہڑتالیوں کا ایک جلسہ ۹ بجے شام بمقام لاہور منعقد ہُوا اور بہت سے (سی) مفید قراردادوں کے علاوہ ایک ریزولیوشن اس امر کا پاس کیا گیا کہ ہندوستان میں جہاں ہڑتالیوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا، انھیں ہجرت کر جانی چاہیے ...... تقریباً ایک سو اشخاص نے ہجرت کے واسطے نام لکھوائے ہیں۔"[3]

ملک کی آزادی

مولانا محمد علی جوہر نے کراچی میں جو مشہور بیان دیا، اس میں کہا۔

"جون ۱۹۲۰ء میں مجلس نے اسلام کی متابعت اور دیگر مذاہب کے رہنماؤں اور اپنے ہم وطنوں کے مشورہ سے ایسا طریقِ عمل وضع کیا جس سے مسلمانوں کو امید ہو گئی کہ حکومت سے آمادۂ پیکار ہونے یا ہجرت کرنے کے بغیر ہی آزادی حاصل ہو جائے گی۔ انھوں نے یہ تہیہ کیا کہ پہلے تو وہ حکومت سے ترکِ موالات کریں گے۔"[4]

۲۳ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں منعقد ہونے والی دہلی و اجمیر میواڑ کی دوسری پولیٹیکل کانفرنس کے صدارتی خطاب میں بھی مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا: "...... آپ کے گھر کے دروازہ پر ایک

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء صہ ۵

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۳

[3] " " " ۱۳ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶

[4] محمد علی جوہر، مولانا۔ بیان کراچی، قومی دارالاشاعت، میرٹھ صہ ۱۸

سانپ بیٹھا ہے، اب آپ اگر گھر میں جانا چاہتے ہیں تو کیا طریقہ اختیار کریں گے، میں کہوں گا، اگر آپ کے پاس لکڑی ہے تو آپ لکڑی سے (اسے) ہٹا کر اندر داخل ہوں گے، اگر آپ کے پاس لکڑی نہیں ہے تو آپ اگر آپ کے گھر کا دوسرا دروازہ ہے تو اس دروازہ کو چھوڑ کر اس سے جائیں گے، اسی کا نام ہمارے نزدیک ہجرت ہے کہ دوسرے دیس میں جا کر قوت بہم پہنچائیں اور پھر اغیار سے اپنا ملک آزاد کرتے ہوئے سُنّت پوری کریں۔"[1]

اللہ بخش یوسفی نے بھی لکھا ہے کہ "لکھنؤ سے ایک آواز اٹھی کہ مسلمان کے لیے جب مخالف طاقت کے خلاف جارحانہ اقدامات کی طاقت نہ ہو تو اسے ملک سے ہجرت کر جانا چاہیے"[2]

غلام محمد عزیز امرتسری، جو افغانستان جا کر عزیز ہندی کہلانے لگے، کہتے ہیں:

"مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی گو ہماری قوم کے لیڈر تھے، تاہم وہ ابتدائی زمین تیار کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ کر سکے۔ اگر وہ چاہتے تو وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے نقشِ قدم پر چل کر بہت کچھ کر سکتے تھے، جنھوں نے مولانا عبید اللہ سندھی کو انگریزی سلطنتِ ہند کے برخلاف انقلابی تحریکات برپا کرنے کے لیے سرحد پار بھیجا تھا۔ جہاں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کی قائم کردہ مجاہدین کی جماعتیں موجود تھیں۔ اس طرح کچھ عجب نہ تھا کہ ہم افغانستان سے مل کر ہندوستان پر ایک دفعہ اسلامی پرچم لہرا سکتے۔"[3]

ہندوستان کو حکومتِ برطانیہ کے لیے بچانا

مولانا ظفر علی خاں مدیر زمیندار نے چکوال میں بیس ہزار کے عظیم الشان اجتماع میں ایک

---

[1] مولانا محمد علی جوہر، رئیس الاحرار مولانا، خطبہ اسے صدارت جو دہلی کانفرنس اور لکھنؤ خلافت کانفرنس میں پڑھے گئے۔ دارالاشاعت علوم اسلامیہ، ملتان شہر ص ۱۴، ۱۵۔ (خطبے تو دارالاشاعت [illegible] شہر میرٹھ کے چھپے ہوئے ہیں، ملتان والوں نے سرورق اپنا چڑھا لیا ہے)

[2] اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، بار اوّل ۱۹۶۸ء ص ۲۱۳

[3] رئیس احمد جعفری، ندوی، سید، اوراقِ گم گشتہ۔ ص ۴۷۷، تحریکِ ہجرت کی تاریخ (از عزیز ہندی)

"زبردست تقریر" میں کہا: "ہندوستان کو حکومتِ برطانیہ کے لیے بچانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ آئینی طریقوں پر نہایت سختی سے عمل کر کے عدم تعاون اور ہجرت کے ذریعے سے زبردست اخلاقی دباؤ ڈالا جائے۔"[1]

موجودہ حالت پر احتجاج اور تشفیِ قلب

مولوی شیخ شاہد علی نے مولانا حاجی محمد قیام الدین عبد الباری لکھنوی فرنگی محلی کے مضامین وخیالات "رسالۂ ہجرت و رسالۂ قربانیِ گاؤ" کے نام سے مرتب کیے تھے۔ رسالے کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں: "مسلمانوں نے اپنی موجودہ پریشانی کی حالت میں جن امور کو بطریقِ احتجاج اور تشفیِ قلب کے اختیار کیا ہے، ان میں سب سے زیادہ باا‌ثر اور فائدہ بخش طریقہ ہجرت کا سمجھا جاتا ہے۔"[2]

۲۴ جولائی ۱۹۲۰ء کو سندھ خلافت کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں مولانا شوکت علی نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا: "جو لوگ جور و ستم اور ایذا رسانی برداشت نہیں کر سکتے، ان کے لیے ہجرت چارۂ کار ہے، تاکہ اپنے ایمان کی حفاظت تلاش کر سکیں۔"[3]

۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء کو دہلی میں قانونِ امتناعِ مجالس باغیانہ تین ماہ کے لیے نافذ کر دیا گیا، جس کے تحت جلسۂ عام کرنے کی بھی ممانعت تھی۔ اس قانون پر بحث کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خاں نے لکھا کہ اس حد تک جابرانہ قوانین نافذ کیے جاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس ملک سے ہجرت نہ کرو۔ فیا للعجب۔"[4]

اظہارِ ناراضی

مولوی محبوب عالم مدیر روزنامہ "پیسہ اخبار" نے "مہاجرین کے قافلے" کے عنوان سے

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء ص ۲

[2] شاہد علی مولوی شیخ (مرتب)، رسالۂ ہجرت و رسالۂ قربانی گاؤ، حافظ محمد برکت اللہ صاحب رضا لکھنوی فرنگی محلی نے شائع کیا۔ (مطبوعہ شمس المطابع لکھنؤ) بار اوّل نومبر ۱۹۲۰ء ص ۲

[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۳۱ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۳

[4] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ یکم مئی ۱۹۲۰ء ص ۳

ایک شذرے میں لکھا: "اظہارِ ناراضگی کا تو یہ بہت عمدہ ذریعہ ہے، لیکن حکام تو اس پر ذرا بھی اعتنا نہیں کرتے۔"[1] ایک اور شذرے میں انھوں نے لکھا: "پہلے تو چند ایک پبلک جلسے ہی اظہارِ ناراضگی کے لیے کافی سمجھے جاتے تھے، مگر اب ہزاروں لوگوں کا وطنِ عزیز چھوڑ کر ہجرت کر جانا بھی اظہارِ ناراضگی کا کافی ثبوت نہیں سمجھا جاتا۔"[2]

اپریل ۱۹۲۰ء کے آغاز میں ہونے والی خلافت کانفرنس (مدراس) میں مولانا شوکت علی نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا: "اگر ان (مسلمانوں) کے مذہبی مطالبات کے ساتھ حقارت آمیز برتاؤ کیا گیا تو خدا سے ڈرنے والے مومن مسلمانوں کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ سلطنتِ برطانیہ کی حدود سے نکل جائیں۔"[3]

۲۲ جون ۱۹۲۰ء کو ایم کے گاندھی نے وائسرائے سے اپیل کی جو ان کے اپنے اخبار "ینگ انڈیا" کی ۳۰ جون کی اشاعت میں چھپی کہ "..... اس ناانصافی پر اظہارِ ناپسندیدگی کرنے کے لیے مسلمانوں کے لیے صرف تین راستے کھلے ہیں (۱) تشدد پر اتر آئیں۔ (۲) ہجرت کا مشورہ دیں (۳) گورنمنٹ کے ساتھ عدمِ تعاون کر کے اس فریق میں شامل نہ ہوں جو ناانصافی کا مرتکب ہوا ہے۔ جنابِ والا کو علم ہو گا کہ ایک وقت ایسا تھا جب کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہادر لیکن نہایت کم سمجھ لوگ تشدد کی تائید کر رہے تھے۔ اور محض 'ہجرت' ہنوز نعرۂ جنگ کے بجائے استعمال کیا جا رہا ہے۔ میں یہ دعویٰ کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ بہت محنتی استدلال سے میں نے اشتداد پسند پارٹی کو اس کی راہ سے علیحدہ کیا ہے۔"[4]

حضرو میں مولانا ظفر علی خاں کی وہ تقریر جس کی بنا پر ان کے خلاف مقدمۂ بغاوت قائم ہوا، اگست ۱۹۲۰ء میں ہوئی، جس میں انھوں نے کہا: "یہ ضروری ہے کہ عدمِ تعاون

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۸ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۲
[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۴ اگست ۱۹۱۰ء ص ۲
[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء ص ۴
[4] مقصدی لعل ہندی، لالہ، بیداریٔ ہند یعنی کارنامۂ مہاتما گاندھی، جلد اول، دارالاشاعت بیداریٔ ہند، میرٹھ۔ بار اول ۱۹۲۷ء ص ۱۶۴

اور ہجرت کے ذرائع سے انگلستان کی رائے عامہ پر زبردست اخلاقی دباؤ ڈالیں۔"[1]

ترکِ موالات میں ناکامی

مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے صدر جان محمد چھوٹانی نے "مسلمانانِ ہند کے نام خلافت کمیٹی کا پیغام" میں کہا: "..... اگر خدانخواستہ ترکِ موالات سے (کی) کارروائی سے کام نہ چلے یا یہ کارروائی ناقابلِ عمل ثابت ہو تو اس صورت میں ہمیں کسی ایسے ملک میں ہجرت کر جانا چاہیے جہاں ہم اپنے فرائض آزادی کے ساتھ انجام دے سکیں۔"[2]

عیسائی دنیا کے خلاف

آغا ریاض (بازار حکیماں، لاہور) کے چھوٹے بھائی ملک سے ہجرت کر گئے، انھوں نے پشاور سے اپنے بھائی کو خط لکھا: "..... آج اسلام کا وہ چشمہ جس کا خطرہ عیسائی دنیا کو عرصے سے لگا ہوا تھا، پھوٹ نکلا ہے اور عیسائی خرمن کو بہائے جائے گا۔"[3]

دارالکفر سے فرار

۲ اپریل ۱۹۷۸ء کے روزنامہ "جسارت" کراچی میں قاضی محمد اکبر کا انٹرویو شائع ہوا جس میں انھوں نے کہا: "اس ہجرت کی بنیاد یہ جذبہ تھا کہ انگریزوں کے زیرِ تسلط علاقہ دارالکفر ہے، لہٰذا کسی ایسی سرزمین پر چلنا چاہیے جہاں خدا کے سوا کسی کی حکمرانی قبول نہ کرنی پڑے۔"[4] فائق کامران بھی لکھتے ہیں: "انھی ایام میں تحریکِ ہجرت کا آغاز ہوا۔ بعض پرجوش کارکنوں نے ہندوستان کو دارالکفر قرار دے دیا اور سادہ لوح مسلمان ان کے اشاروں پر ملک سے ہجرت کرنے پر تیار ہو گئے۔"[5]

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء ص ۲
[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء ص ۱
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء ص ۲
[4] ظہیر احمد، اب بھی زندہ ہیں، نیا ادارہ پبلی کیشنز، حیدرآباد، اشاعت اول، اکتوبر ۱۹۸۳ء ص ۴۴
[5] فائق کامران، تحریکِ پاکستان، ہماری جدوجہدِ آزادی، فیروز سنز لاہور، راولپنڈی، س ن، ص ۱۱۲

فرضِ دفاع کا حصول

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے استفسار کے جواب میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا جواب "ہمدم" لکھنؤ (۱۳ر مئی ۱۹۲۰ء) میں شائع ہوا، اس میں انھوں نے فرضِ دفاع کے حصول میں مؤید ہونے کی صورت میں ہجرت کو مناسب قرار دیا"...... ہم لوگ ہندوستان سے ہجرت کو فرضِ عین نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ دفاع کے حصول میں جن لوگوں کو مؤید ہو ان کے واسطے مستحب سمجھتے ہیں۔"[1]

افغانستان کی طرف سے پذیرائی کا اعلان

بہرحال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ افغانستان کی طرف سے مہاجرین کی پذیرائی کے جو اعلانات کیے گئے اور ہندوستانی اخبارات نے ان اعلانات کو جس طرح اچھالا اس سے بھی ہجرت کی تشویق و تحریک ہوئی۔ "پیسہ اخبار" میں ایک "ثقہ اور معتبر مسلمان" کی تحریر شائع کی گئی جو "زمرۂ مہاجرین" میں افغانستان کو چلا گیا تھا، مگر وہاں کے مصائب و مشکلات کو دیکھ کر واپس ہندوستان آگیا۔ ایڈیٹر نے اس کے متعلق لکھا کہ "اسے ان اخبارات سے سخت شکایت ہے جنھوں نے مہاجرین سے اہلِ افغانستان کے سلوک کے غلط حالات شائع کر کے ہزارہا سادہ دل مسلمانوں کو ہجرت کی ترغیب دلائی......" اس مہاجر نے جس کا نام "پیسہ اخبار" نے نہیں چھاپا، اپنے خط میں لکھا: "اس شورش کا سبب اہلِ اخبار تھے جو سوئی کو پہاڑ کر کے دکھاتے تھے۔"[2]

ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں: "ایسی تحریریں ایک بڑی تعداد میں شائع ہوئیں جن میں افغانستان کی زندگی کے دلکش پہلو بیان کیے گئے تھے۔ لوگوں سے ایسی داستانیں کہی جانے لگیں جن میں مہاجرین کے استقبال کے مناظر پیش کیے جاتے تھے۔ جن میں کہا جاتا تھا کہ امیرِ افغانستان نے ان کو تحفہ میں دینے کے لیے جبل السراج کا زرخیز خطہ مخصوص کر رکھا ہے، ان کے رہن سہن اور کھانے پینے کی ذمہ داریاں ان کے

[1] رئیس احمد جعفری ندوی، سید۔ اوراقِ گم گشتہ۔ ص ۱۵۱
[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۹ر ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ اول

ہم مذہب افغانوں نے قبول کر لی ہیں۔ اور وہاں تین مہینے تک انھیں مطلق کوئی کام نہیں کرنا ہوگا........"[1]

برطانیہ کے خلاف فوج کی تیاری

ایک افواہ یہ بھی پھیلائی گئی تھی کہ افغانستان میں ہندی مہاجروں پر مشتمل ایک فوج تشکیل دی جا رہی ہے تاکہ ہندوستان کو آزاد کرایا جا سکے۔ کلکتہ کے ایک اخبار کے حوالے سے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے لکھا: "بعض بیانات شائع کیے ہیں، جن میں ایک کا مطلب یہ ہے کہ افغانستان میں ہندوستانی مہاجرین کی ایک فوج اس جنگ کے لیے تیار کی جا رہی ہے جس کا وہ فریق تہِ دل سے خواہاں ہے، جو افغانستان میں برطانیہ کا مخالف ہے۔"[2]

مُلّا اور ایجی ٹیٹر

حکومتِ برطانیہ کے بعض جوارح نے سیدھا سادا مُلّاؤں اور ایجی ٹیٹروں کو ہجرت کا سبب قرار دیا ہے۔ "چیف کمشنر (صوبہ سرحدی) نے صوبے کے خوانین (خوانین) سے بڑی تعداد میں ملاقات کی تو خوانین نے ہجرت کی یکایک ترقی کا سبب مُلّاؤں اور ایجی ٹیٹروں کو قرار دیا......"[3]

کھیل اور مذاق

خان عبدالغفار خان، جنھوں نے خود بھی ہجرت کی تھی، ہجرت کی بات کو کھیل قرار دیتے ہیں جو مذاق اور پھر مصیبت بن گئی۔ "اس کانفرنس (خلافت کمیٹی کی آل انڈیا کانفرنس ۱۹۲۰ء) میں عزیز (غلام محمد عزیز امرتسری المعروف بہ عزیز ہندی) نامی ایک جوشیلا نوجوان تھا۔ اس نے ہجرت کی تحریک پیش کی اور کہا کہ ہمیں اس ملک

[1] ابو سلمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر و دیگر (مرتبین) تحریکاتِ ملی۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ "علم و آگہی" کی ۸۳-۱۹۸۲ء کی خصوصی اشاعت (مقالہ تحریکِ ہجرت از ڈاکٹر معین الدین عقیل) صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴
[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۲ر اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶
[3] " " " ۲۴ر اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶

سے ہجرت کرنی چاہیے۔ یہ بات اس وقت تک ایک کھیل نظر آتی تھی۔ لیکن کھیل سے یہ مذاق اور پھر مصیبت کی شکل اختیار کر گئی۔"[1]

کاشت کاروں کے غیر مساوی حالات

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے مضمون "تحریک ہجرت (۱۹۲۰ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہجرتِ افغانستان اور اس کے اثرات") میں لکھتے ہیں" بنیادی طور پر تحریک ہجرت کے محرکات مذہبی ہی تھے لیکن دوسرے عوامل بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے ایک کاشتکاروں کے غیر مساوی حالات بھی تھے۔ لوگ اس خیال سے خوش ہو گئے کہ انھیں افغانستان میں زیادہ بہتر معاشی فوائد حاصل ہوں گے۔"[2]

کانگرس کی مکارانہ چالیں

جن لوگوں نے ہجرت کی مخالفت کی، انھوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ کانگرس کی چال میں آئے ہوئے لوگوں نے اس کا ڈول ڈالا تھا اور کانگرس اور گاندھی جی کی سازش یہ تھی کہ یا تو مسلمان نوکریاں چھوڑ دیں، اسمبلیوں وغیرہ سے استعفے دے دیں، سکول کالج چھوڑ دیں، تعلیم سے کورے رہ جائیں اور حکومتِ برطانیہ کے پوری طرح معتوب و مغضوب ہو جائیں یا اس ملک ہی سے چلے جائیں اور ان کی جائیدادیں، ملازمتیں ہندوؤں کے قبضے میں آ جائیں۔ ــــ لاہور میں یوم رضا منعقدہ ۲ رجون ۱۹۶۸ء کے لیے پیر عبدالرحیم آف بھر چونڈی شریف (سندھ) کے پیغام مرقومہ ۲۰ رمئی ۱۹۶۸ء میں کہا "تحریک خلافت جس کا خمیر خاکِ پاک سندھ ہی سے اٹھا تھا، جب کانگرس کی مکارانہ چالوں میں آکر ہجرت کا راگ الاپنے لگی......"[3]

"پیسہ اخبار" لاہور میں "اہالیانِ ترکِ موالات کے متعقدات و عملیات" کے عنوان سے ایک نظم صفحۂ اول پر شائع کی گئی جس میں "ہندو مسلم اتحاد" کے ذکر سے جہلاء کو ہجرت کی

[1] عبدالغفار خان، اخان۔ آپ بیتی۔ ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لیمیٹڈ، دہلی ۱۹۶۹ء صہ ۴۴

[2] تحریکاتِ ملی صہ ۲۱۴، ۲۱۵

[3] عبدالنبی کوکب، قاضی۔ مقالاتِ یوم رضا۔ حصہ دوم۔ دائرۃ المصنفین لاہور، طبع اول ۱ رمئی ۱۹۷۰ء صہ ۵۵

پٹیاں پڑھانے کی بات کی گئی۔ شاعر کا نام اخبار نے نہیں چھاپا۔

زُنّار کی دکھائیں گے حلقہ بگوشیاں
ماتھے پہ پنڈتوں کا سا قشقہ لگائیں گے
چندہ وصول کرکے خلافت کے نام سے
یوروپ کی سیر کرکے مزے ہم اڑائیں گے
اگر وہاں سے ڈالیں گے ہجرت کا غلغلہ
ہر طرح پٹیاں جہلاء کو پڑھائیں گے[1]

میاں عبدالرشید اپنے ایک مضمون "حضرت مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ" میں لکھتے ہیں "آپ (مولانا احمد رضا بریلوی) بھی قائداعظم کی طرح تحریک عدم تعاون اور تحریک ہجرت دونوں کے مخالف تھے، کیونکہ یہ دونوں تحریکیں اس برعظیم کے مسلمانوں کے مفادات کے منافی تھیں۔ بیشتر دیوبندی علماء کانگرس کے حامی تھے...... ان کا یہ طرزِ عمل بھی سمجھ سے بالا تھا کہ جب وہ پارلیمانی جمہوریت کے حق میں تھے، تو پھر ہجرت کے ذریعے اندرونِ ملک مسلمانوں کی تعداد کیوں کم چاہتے تھے۔ پارلیمانی جمہوریت میں تو سیاسی اقتدار کی بنیاد ووٹوں کی تعداد قرار دی گئی ہے۔"[2]

مولانا احمد رضا بریلوی نے لکھا "دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے۔ اوّل اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔ دوم، یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔ سوم، یہ بھی نہ ہو سکے تو آخر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے ــــ مخالف نے یہ تینوں درجے ان پر طے کر دیئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیرخواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اوّلاً، جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔ ثانیاً جب یہ نہ بنی تو ہجرت کا تحرا دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۳ دسمبر ۱۹۲۰ء صہ ۱

[2] محمد مرید احمد چشتی (مرتب)، جہانِ رضا۔ مرکزی مجلس رضا۔ لاہور۔ بار اوّل، شوال ۱۴۰۱ھ صہ ۱۶۰، ۱۶۱

کے عوض بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں۔ ان کی مساجد اور مزارات اولیاء ہماری پامال کردہ جائیں۔ شاشا جب یہ بھی نہ بنی تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر ابھارا...... [1]

جماعت مبارکۂ انصار الاسلام کے اجلاسِ اوّل منعقدہ بریلی بتاریخ ۲۲، ۲۳، ۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ میں مولانا اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی نے اپنے خطبۂ صدارت میں مولانا بریلوی کے محولہ بالا بیان کے حوالے سے کہا"...... ہجرت دینے والے تو گھر ہی اطمینان سے بیٹھے رہے۔ جو ہجرتوں میں آ گئے، ان غریبوں پر جو گزری، وہ وہ جانتے ہیں اور اُن کا خدا اور کچھ تھوڑا بہت وہ جنھوں نے خود ان کی زار و نزار حالت کو معائنہ کیا کہ کس طرح یہاں سے اپنی املاک و جائیداد، مال و متاع کوڑیوں کے مول بیچ کر بلکہ مفت چھوڑ کر، بلکہ تاک لگا کر گئے...... [2]

---

[1] احمد رضا بریلوی، اعلیٰحضرت مولانا، رسائل رضویہ، جلد دوم (ترتیب باخرم شاہجہان پوری) مکتبۂ حامدیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء صہ ۲۰۳

[2] اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی، خطبۂ صدارت جماعت مبارکۂ انصار الاسلام، خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ، مطبوعہ مطبع صبح صادق سیتاپور، ۱۳۴۰ھ صہ ۴۹

ہجرت کا فتویٰ اور تبلیغ

مشہور ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کا فتویٰ مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے دیا تھا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ انھوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ دارالحرب کے سلسلے میں مفصل بحث زیرِ متعلقہ باب میں آ چکی ہے۔ ان کے فتوے پر اس باب میں گفتگو کی جائے گی۔ عزیز ہندی (غلام محمد عزیز امرتسری) کا دعویٰ ہے کہ ہجرت کی تحریک انھوں نے چلائی تھی۔ اور یہ کہ ہجرت کی بات "خدامِ خلافت کانفرنس" (اپریل ۱۹۲۰ء) میں انھوں نے کرنا چاہی لیکن مولانا حسرت موہانی نے انھیں ایسا نہ کرنے دیا اور اس مقصد کے لیے ایک خاص جلسہ کر کے انھیں اس موضوع پر بات کرنے کی دعوت دی گئی [1]

خدامِ خلافت کانفرنس کے بعد ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء کو عزیز ہندی نے وائسرائے ہند کو ایک تار بھیجا کہ حکومت برطانیہ کے وفاداروں کے لیے امن اور سکون کے ساتھ ہندوستان میں رہنا مشکل ہو گیا ہے [2] اس وقت تک مولانا عبد الباری کا فتویٰ بھی نہیں آیا تھا۔ ہجرت کی "تحریک" کا ابھی تصور بھی نہیں تھا، لیکن ڈاکٹر معین الدین عقیل نے لکھا ہے کہ "تحریکِ ہجرت نے اس حد تک زور پیدا کر دیا کہ تحریکِ عدم تعاون اس کے سامنے ماند پڑ گئی، اس کی مقبولیت اور زور و اثر کو دیکھتے ہوئے عزیز ہندی نے وائسرائے کو ایک تار بھیجا کہ......" [3] ۲۶ اپریل کے اس کے تار کے متعلق یہ بات سراسر غلط ہے

---

[1] رئیس احمد جعفری ندوی، سید، اوراقِ گم گشتہ، محمد علی اکیڈمی لاہور صہ ۴۶۹

[2] روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء، و روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء

[3] ابو سلمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر...... (مرتبین)، تحریکاتِ ملی، گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ "علم و آگہی" کا ۸۳-۱۹۸۲ء کا خصوصی شمارہ (مقالہ "تحریکِ ہجرت" از ڈاکٹر معین الدین عقیل)، صہ ۲۱۵

حالات و واقعات کے تجزیے سے واضح ہوگا کہ ہجرت کی بات پہلے کس نے کی تھی، کون کون دوسرے علماء و زعما ایسے تھے، جو اس پہ چلے، مولانا عبدالباری کا فتوٰی کیوں اہمیت اختیار کر گیا۔ انھوں نے ہجرت کو فرض عین قرار دیا تھا یا نہیں، اور کون سے علماء ایسے ہیں جنھوں نے مولانا عبدالباری کے موقف سے بڑھ کر ہجرت کو فرض کہا، مولانا عبدالباری کا فتوٰی جب "لو ہجرت کی اجازت آگئی" کے عنوان سے روزنامہ "حریت" دہلی میں چھپا[1] جس سے "پیسہ اخبار" لاہور، "زمیندار" لاہور، "خلافت" بمبئی اور ہندوستان کے دوسرے اخباروں نے مولانا عبدالباری کی تائید ہجرت کے خیال کی تشہیر کر دی[2] اور عزیز ہندی کی انجمن مہاجرین اور دوسرے مولویوں نے جب اس کی بنیاد پر لوگوں کو ہجرت پر اکسانے کا کام شروع کیا، تو مولانا عبدالباری نے اپنے فتوے پر قائم رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کس کس طرح لوگوں کو مسئلے کی نوعیت سمجھانے کی کوشش کی جو اور ہوا ثابت ہوئی۔ مولانا عبدالباری کے فتوے کے الفاظ کیا تھے۔ اور بعد میں انھوں نے اس موضوع پر کیا کیا کہا۔ ہجرت شروع ہونے پر کس اہم شخصیت نے دوبارہ ایک مفصل فتوٰی جاری کیا اور مولانا عبدالباری نے جس ہجرت کو کبھی واجب اور فرض نہیں کہا تھا، اُسے اس اہم شخصیت (مولانا ابوالکلام آزاد) نے واجب قرار دیا —— ان سب پہلوؤں پر زیرِ نظر باب میں گفتگو ہوگی مگر سب سے پہلے مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے فتوے پیش کیے جاتے ہیں۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے جو فتوٰی دیا، وہ روزنامہ "حریت" دہلی میں "لو ہجرت کی اجازت آگئی" کے عنوان سے اور روزنامہ خلافت دہلی میں "مولانا عبدالباری کا فتوٰی: ہجرت کی اجازت" کے عنوان سے شائع ہوا۔ پروفیسر احمد سعید نے یہ فتوٰی نقل کرتے ہوئے ایک سے زیادہ جگہوں پر مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو "مولانا عبدالباری ندوی" لکھا ہے جو درست نہیں[3]

---

[1] رئیس احمد جعفری ندوی، سید۔ اوراقِ گم گشتہ۔ صہ ۹۱ تا ۹۲۔

[2] تحریکاتِ ملی۔ صہ ۲۰۸

[3] احمد سعید، پروفیسر حصولِ پاکستان۔ ایجوکیشنل ایمپوریم "الفضل" لاہور۔ اگست ۱۹۸۶ء صہ ۱۶۰

فتوٰی یہ تھا:

"ہجرت کے متعلق میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ضمیر (قلب یا ایمان) کو مطمئن نہیں کر سکتے، وہ اب اسلام کے احکام کے متعلق عمل پیرا ہوں اور اس ملک سے ہجرت کر کے ایسے مقام پر چلے جائیں، جہاں اسلام کی خدمت انجام دینا اور اسلامی قوانین و شرع شریف کے مطابق عمل کرنا بہتر طریق پر ممکن ہے۔"[1]

یہ فتوٰی ۲۸ اپریل کو حریت دہلی کے حوالے سے "پیسہ اخبار" میں چھپا، ۳۰ اپریل کو وکیل امرتسر میں اور یکم مئی کو خلافت دہلی میں چھپا۔ یکم مئی ۱۹۲۰ء کو ۱۱ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ تھی۔ اس سے ۹ دن پہلے ۲ شعبان کو مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے اسی موضوع پر ایک تحریر روزنامہ حریت دہلی کو بھیجی جو ۲۶ اپریل کے حریت میں چھپی، اس میں انھوں نے لکھا تھا:

"...... دارِ حرب سے دارالاسلام کی جانب ہجرت مستحب ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہو جاتی ہے۔ لیکن توطن دارِ حرب میں بلا ضرورتِ شرعیہ حرام ہے۔ ہم لوگ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے ہیں اور اعزازِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت سے قیام کیے ہوئے ہیں، اس واسطے ہجرت فرض نہیں جانتے، مگر جب چارہ نہ ہو، بجز اس کے کہ یا ہجرت کریں، یا مبتلائے معصیت رہیں، یا استرضا بالمعصیۃ کا ارتکاب ہو، یا قیامِ وطن میں اس قدر خدمت نہ کر سکیں، جتنی باہر نکل کر کر سکتے ہیں تو ان صورتوں میں ہجرت مشروع ہے۔ موجودہ حالت میں ہندوستان سے اگر قابل و ذی استعداد لوگ کامل ہجرت کریں یا معتد بہ جاکش لوگ ترکِ وطن کر کے وہاں جائیں تو امید ہے کہ اسلام کو فائدہ زائد حاصل ہو اور اپنے وطنِ عزیز کی بھی خدمت کریں۔"[2]

مولانا ابوالکلام آزاد کا فتوٰی

مولانا عبدالباری کی مسئلۂ ہجرت پر مزید تحریریں بعد میں پیش کی جائیں گی، فی الحال دوسرا اہم فتوٰیِ ہجرت ملاحظہ ہو۔

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء / روزنامہ خلافت دہلی۔ یکم مئی ۱۹۲۰ء / "وکیل" امرتسر۔ ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء

[2] روزنامہ "حریت" دہلی۔ ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء

فتوائے ہجرت

(از مولوی ابوالکلام صاحب آزاد)

بعد تمہید ضروری لکھتے ہیں :

تمام دلائل شرعیہ، حالاتِ حاضرہ، مصالح مہمۂ اُمّت اور مقتضیاتِ مصالح و مفسدہ پر نظر ڈالنے کے بعد میں پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کے لیے بجز ہجرت کے اور کوئی چارۂ شرعی نہیں۔ اُن تمام مسلمانوں کے لیے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں، ضروری ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں اور جو لوگ یکایک ہجرت نہیں کر سکتے، وہ مستعد مہاجرین کی خدمت و اعانت اس طرح انجام دیں، گویا وہ خود ہجرت کر رہے ہیں۔ یعنی اصل عمل جو اب شرعاً درپیش ہے، ہجرت ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔ ہندوستان سے ہجرت قبل از جنگ بھی مستحسن تھی۔ اب یہ استحسان شرائطِ شرعیہ کے تحت وجوب تک پہنچ گیا ہے۔ البتہ جن لوگوں کی نسبت ظنِ غالب ہو کہ مقصد کی جدوجہد اور کلمۂ حق کے اعلان و تذکیر کے لیے ان کا قیام ہندوستان میں، بمقابلہ ہجرت کے زیادہ ضروری ہے یا لوگ دیگر عذراتِ مقبولہ شرع کی بنا پر ہجرت نہ کر سکیں یا یکایک نہ کر سکیں یا ایک اتنی بڑی وسیع آبادی کی نقل و حرکت میں قدرتی طور پر جو تاخیر ہونی چاہیے، اس کی وجہ سے تاخیر ہو، سو بلاشبہ لوگ ٹھہر سکتے ہیں، لیکن ان کو اپنی تمام قوتیں اتباعِ شرع کے لیے وقف کر دینی چاہئیں اور ایک منظم جماعت کی شرعی ہیئت پیدا کر کے زندگی بسر کرنی چاہیے اور جہاں تک عزم و نیت کا تعلق ہے، ہجرت کے ولولہ و تہیہ سے خالی نہیں رہنا چاہیے۔ ہندوستان کی ایک ایسی جماعت کا قائم ہو جانا موجودہ حالات کی بنا پر اصلی کام ہو گا۔

البتہ واضح رہے کہ ہجرت کی جو صورت اس وقت ہندوستان میں درپیش ہے شرعاً اس کی یہ صورت نہیں ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص بطورِ خود ارادہ کر لے اور نکل کھڑا ہو بلکہ ہجرت کے تمام اعمال تنظیم و جماعت کے ساتھ انجام پانے چاہئیں۔ اس بات کا فیصلہ کرنا صاحبِ جماعت کا کام ہے کہ کس شخص کی استعداد ایسی ہے کہ اس کا قیام اندرونی خدمات کے لیے

مطلوب و مفید ہے، نیز ہجرت کی جائے تو کس مقام پر اور کن حالات کے ساتھ کہ موجبِ برکات و برکات ہو۔ ہر شخص بطورِ خود ان امور کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

جب ایک طالبِ عمل کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا تو اس کے لیے ہجرت کر جانا واجب ہو جائے گا۔

اعمالِ ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنۂ نبوت نے ہمارے لیے چھوڑا ہے، وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیعت ہے۔ بغیر بیعت کے ہجرت نہیں کرنی چاہیے۔ پس ضروری ہے کہ جو لوگ ہجرت کریں، پہلے ہجرت پر بیعت کر لیں۔

مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تشریح رسالۂ ہجرت میں ملے گی، یہ ظاہر ہے کہ نہ تو ہندوستان سے بیک وقت تمام لوگ ہجرت کر سکتے ہیں اور نہ شرعاً مطلوب۔ ہجرت کا سلسلہ جاری رہے گا اور ہندوستان میں بھی اسلامی آبادی باقی رہے گی۔ پس جو لوگ ہندوستان میں ہیں، وہ جب تک ہندوستان میں رہیں، شرعاً ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اسلام کے فریقِ محارب سے کسی طرح کا علاقۂ محبت و الفت یا اعانت و خدمت کا رکھیں۔ جو شخص رکھے گا، وہ حسبِ نصِ قرآنی اسلام کے دشمنوں میں محسوب ہوگا۔ و من یتولهم منکم فانه منهم۔ "علاقۂ محبت و خدمت" میں نے "موالات" کا ترجمہ کیا ہے جو قرآن میں وارد ہے۔ موالات میں وہ تمام باتیں داخل ہیں جن سے خلافت کمیٹی "نن کوآپریشن" کے نام سے روک رہی ہے ......

یہ میری رائے ہے میری بصیرت ہے، میرا یقین و ایمان ہے، نہ کوئی قیاس، رائے اور پولیٹیکل حکمتِ عملی۔ تمام یورپ، اسلامی حکومت سے نکل کر، بغداد و شام جا چکا، لیکن ایمان باقی ہے۔ اب ہم کو قسطنطنیہ کا بچاؤ نہیں کرنا ہے، بلکہ اپنے ایمان کا بچاؤ درپیش ہے اور مقصود بقاءِ ملک نہیں، بلکہ صرف بقاءِ ایمان۔

اگر قسطنطنیہ و بغداد کو نہیں بچا سکتے، تو کم از کم اپنا ایمان تو بچا لے جائیں۔ میں نے آخری فیصلہ کر لیا اور پورے اطمینان و انشراحِ قلب کے ساتھ اس مسلک پر مستقیم ہوں۔ جس طالبِ حق کو مجھ پر اعتماد ہو، اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دے ..... بالفعل طریقِ عمل یہ ہے کہ جن

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عمل دے، وہ فوراً مجھے اپنے عزم سے مطلع کریں یا حسبِ ذیل اصحاب سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کریں۔

مولوی عبدالقادر صاحب وکیل قصور ضلع لاہور،

مولوی محی الدین احمد، قصور

مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی، امرت سر

مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی اڈیٹر البیان لکھنؤ"[1]

ہجرت کی باگ ڈور

عزیز ہندی کہتے ہیں "..... جب میں ہجرت کی تحریک کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر کے مہاجرین کے ایک قافلے کے ساتھ خود بھی ہجرت کر کے افغانستان جا چکا تو میرے جانے کے فوراً بعد ملک کے اندر بے پناہ جوش و خروش پھیل گیا اور مسلمان ہزاروں کی تعداد میں اپنا گھر بار چھوڑ کر افغانستان کی طرف ہجرت کر کے جانے لگے، عین اس حالت کو دیکھ کر خود مولانا ابوالکلام آزاد نے سیاسی اور دینی لیڈر ہونے کی حیثیت سے ہجرت کی باگ ڈور خود اپنے ہاتھوں میں لے لی اور ہر ایک صوبے میں اپنی طرف سے ناظم مقرر کر دیئے، تاکہ ہجرت کا سلسلہ ایک منظم طریق پر جاری رکھا جائے..... "[2]

یکم اگست کو تیسرے یوم خلافت پر "محمد جان بار ایٹ لاء" نے ایک جلسے میں کہا: "میں نہایت مضطرب تھا کہ اس وقت مسلمانوں کو کونسی راہِ عمل اختیار کرنی چاہیے کیونکہ تمام اکنافِ عالم سے مختلف آوازیں آرہی تھیں، مگر مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے فتویٰ ہجرت شائع کر کے میری عقدہ کشائی کی ہے اور میں مطمئن ہو گیا ہوں کہ اب چارہ شرعی یہی ہے کہ وہ ہجرت کر جائیں"[3]

ایک دفعہ افغانستان نے التوائے ہجرت کا اعلان کر دیا، بیشتر مہاجر واپس آگئے، تو اس کے بعد "مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی نے سفیر کابل سے سلسلہ جنبانی کی، مولوی ابوالکلام صاحب آزاد

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرت سر، ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء (۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ) صہ ۴۳

[2] رئیس احمد جعفری ندوی سید، اوراقِ گم گشتہ، صہ ۶۵

[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۵

نے اخباروں میں تار دیا کہ ہجرت کابل کی اجازت پھر سے ہو گئی ہے"[1]

اس صورتِ حال میں جانباز مرزا جب مولانا ابوالکلام آزاد کو تحریکِ ہجرت کے مخالفین کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں تو ان کی "تاریخ سازی" پر حیرت ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں "مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور خود مہاتما گاندھی، تحریکِ ہجرت کو آزادیٔ وطن کے لیے مضر خیال کر رہے تھے، ان کی رائے تھی کہ آزادی کی لڑائی ملک کے اندر بیٹھ کر لڑی جانی چاہیے، وطن چھوڑ کر چلے جانا مفید نہیں"[2]

لو ہجرت کی اجازت آگئی

ہجرت کے دوسرے مفتی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے اپریل ۱۹۲۰ء کے اواخر میں فتویٰ دیا جس کا متن اوپر دیا گیا ہے، عزیز ہندی اس فتوے کے بارے میں کہتے ہیں "میں نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام اس مضمون کا ایک تار بھیجا کہ آپ ان مسلمانوں کے متعلق کیا فتویٰ دیتے ہیں جو خدا کے نام پر اس ملک سے ہجرت کر جانا چاہتے ہیں، غالباً دوسرے ہی دن مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے میرے تار کا جواب ان لفظوں میں دے دیا، وہ مسلمان جو ہندوستان میں اپنے دین کی حفاظت نہیں کر سکتے، انھیں ہجرت کرنے کی رخصت ہے۔ بس پھر کیا تھا "حریت" اخبار نے اس خبر کو "لو ہجرت کی اجازت آگئی" کے عنوان کے تحت اپنے پہلے صفحہ پر شائع کر دیا اور میں نے فوراً تار کے موصول ہوتے ہی فتحپوری میں ہجرت کا دفتر کھول دیا اور مسلمانوں سے اپیل کر دی کہ جو ہجرت کرنا چاہتے ہیں، دفتر میں آکر اپنا نام لکھوائیں"[3]

فرض عین، فرض دفاع یا مستحب

اخبارات میں یہ فتویٰ اپریل کے آخری دنوں اور یکم مئی کو اشاعت پذیر ہوا، مولوی ثناء اللہ (امرت سری) کے استفسار کے جواب میں مولانا عبدالباری نے لکھا "ہم لوگ ہندوستان سے ہجرت کو فرض عین نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ فرض دفاع کے حصول میں جن لوگوں کو مؤید ہو، ان

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرت سر، ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء صہ ۱۲

[2] جانباز مرزا "حیاتِ امیر شریعت" مکتبہ تبصرہ لاہور بار اوّل، نومبر ۱۹۶۹ء صہ ۴۴

[3] رئیس احمد جعفری ندوی، سید۔ "اوراقِ گم گشتہ" صہ ۸۱، ۸۲

کے واسطے مستحب سمجھتے ہیں۔"[1] ۱۵ر مئی کے "زمیندار" میں انھوں نے لکھا: "..... ہم ہجرت کی فرضیت کے قائل نہیں، البتہ ہجرت کو مستحب سمجھتے ہیں، مگر یہ استحباب ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جن کے ہجرت کرنے سے ہندوستان میں اسلام کے ضرر پہنچے اور اعدائے دین کے لیے ان کے نقل وطن سے آسانیاں پیدا ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کا ہجرت نہ کرنا ہی افضل ہے۔ باقی جس قدر حضرات ہجرت کر کے اسلام کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ان کو لازم ہے کہ ہجرت کریں اور اسلام کو فائدہ پہنچائیں..... "[2]

صبر کی تلقین

سعید الرحمٰن قدوائی نے لکھنؤ سے اخبارات کو یہ پیغام ارسال کیا:

"لکھنؤ ۱۶ر مئی —— مولانا عبدالباری اور جناب مشیر حسین قدوائی مسلمانانِ ہند کے نام یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ معاہدۂ ترکی کی شرائط صلح نہایت ظالمانہ ہیں۔ صورتِ معاملات اضطراب انگیز ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جب تک مرکزی خلافت کمیٹی کسی طرزِ عمل کا فیصلہ نہ کر دے، اس وقت تک صبر و سکون سے کام لیں۔"[3]

چودھری خلیق الزمان نے "پاتھ وے ٹو پاکستان" میں اس فتوے کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

"Maulana (Abdul Bari) gave a fatwa in a very guarded language but generally it was taken in different sense which I am sure the Maulana never meant to convey."[1]

جلسۂ مشورت کی ضرورت

مئی ۱۹۲۰ء کے اواخر میں "ہمدم" لکھنؤ میں مولانا عبدالباری کا ایک تفصیلی خط شائع

[1] رئیس احمد جعفری ندوی، سید، اوراقِ گم گشتہ۔ ص ۱۵۱

[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۵ر مئی ۱۹۲۰ء

[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۹ر مئی ۱۹۲۰ء

[4] خلیق الزمان چودھری "پاتھ وے ٹو پاکستان" لانگ مینز پاکستان، کراچی ۱۹۶۱ء ص ۵۶

ہوا جسے "مسئلہ ہجرت اور مولانا عبدالباری صاحب" کے عنوان سے پیسہ اخبار نے شائع کیا۔ خط کے آخر میں مولانا نے لکھا تھا: "..... یہ تمام امور ہیں ابھی کوئی صاف بیان نہیں دے سکتا، جب تک جلسۂ مشورت نہ ہو جائے۔ میں نے انفرادی فرضِ تبلیغ انجام دے دیا ہے۔ اب جو فرائض ہیں، انھیں اجتماع کے اور اسباب کے مہیا ہونے کی ضرورت ہے۔ اور اہل الرائے اور سیاست داں حضرات کے امید دلانے کی حاجت ہے کہ فلاں صورت موصل مطلوب ہے۔"[1]

اعلان آئینی ہے، میں موافق نہیں

۱۳ر رمضان المبارک ۱۳۳۸ ہجری کو مسٹر محمد علی کی قید کے وقت وائسرائے کے نام مولانا عبدالباری نے اپنے خط میں لکھا: "اگرچہ مہاجرین مذکور کے اس اعلان سے کہ "ہمارے مطالبات کی تعمیل نہ ہونے کی صورت میں [illegible] دیجیے مسلمان کو اس کے سوا چارہ نہیں کہ ہجرت یا جہاد میں سے کسی ایک بات [illegible] پسند کرے۔" موافق نہیں —— مگر اس قدر ظاہر کرنا بھی لازم سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی غیر آئینی اعلان نہیں ہے۔ رہا ہجرت کا مسئلہ تو ہمارے نزدیک غلط فہمی کے باعث ہے۔ برابر مطالبات کرتے رہیں گے جو ہمارا جہاد ہے اور ہم اس طرح ہجرت نہیں کریں گے جس کی وجہ سے ہندوستان کی توہین ہو۔"[2]

آخری تدبیر کے طور پر ہجرت

۲۲ر جون کے پیسہ اخبار میں مولانا عبدالباری کی مندرجہ ذیل تحریر شائع کی گئی:

"جو فیصلے الٰہ آباد کے جلسہ میں علماء کے ساتھ مشورے کے بعد کیے گئے ہیں، میرا آئندہ طریقِ عمل انہی پر مبنی ہوگا۔

(۱) سودیشی تحریک کی اشاعت مذہبی نقطۂ خیال سے لازمی و لابدی کر دی گئی ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے دشمنانِ اسلام کو سخت اقتصادی نقصان پہنچا ہے۔

(۲) خلافت کمیٹی کی ہدایات کے ماتحت تحریکِ عدمِ تعاون کو ترقی دی جائے گی۔

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۹ر مئی ۱۹۲۰ء ص ۳

[2] رئیس احمد جعفری ندوی، سید، اوراقِ گم گشتہ۔ ص ۱۴۵

(۳) اگرچہ ہجرت فرض عین نہیں ہے، لیکن آخری تدبیر کے طور پر اسے بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ان امور کے علاوہ فی الحال اور کسی تحریک کو ہماری طرف سے نہ سمجھا جائے۔

(عبدالباری) [1]

دو مفتی

معلوم ہوتا ہے کہ عزیز ہندی کے یا کسی اور کے سوال پر مولانا نے محتاط الفاظ میں ایک فتویٰ جاری کیا جس میں کہا کہ جن لوگوں کا ضمیر مطمئن نہ ہو وہ ہجرت کر جائیں۔ اس فتوے کی جس طرح اشاعت کی گئی اور لوگوں کے بھرے ہوئے جذبات نے جس طرح ہجرت کی بات قبول کرنے میں جلدی کی، اس سے مولانا پریشان ہو گئے۔ اور بار بار اپنی مختلف تحریروں میں لوگوں کو اس حرکت سے روکنے کی کوشش کی۔ انھیں اگرچہ یہ اطمینان تھا کہ انھوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار نہیں دیا اور صرف ان لوگوں کو ملک سے ہجرت کرنے کا مشورہ دیا ہے، جن کا ضمیر مطمئن نہ ہو لیکن عوام الناس ان باریکیوں کو نہیں سمجھے اور پھر ہجرت کے مبلغ جس انداز میں اس فتوے کو اچھال رہے تھے، اس کے باعث لوگ ہر جگہ سے ہجرت کے لیے تیار ہو رہے تھے اور مولانا عبدالباری اپنے اطمینانِ قلب کے باوجود ہجرت کے اس سارے ہنگامے کا باعث کسی حد تک اپنے فتوے کو سمجھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اخبارات کے ذریعے مسلسل عوام سے رابطہ قائم رکھا۔ کبھی کہا کہ جو لوگ ہجرت سے اسلام کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ضرور ہجرت کریں، کبھی پیغام بھیجا کہ جب تک مرکزی خلافت کمیٹی کسی طرزِ عمل کا فیصلہ نہ کر دے، اس وقت تک سکون سے کام لیں، کبھی ہجرت کو غلط فہمی کے باعث قرار دیا، کبھی کہا کہ سودیشی تحریک اور تحریک عدم تعاون زیادہ اہم ہیں، البتہ آخری تدبیر کے طور پر ہجرت کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے — لیکن ہجرت کے دوسرے مفتی مولانا ابوالکلام آزاد نے کافی سوچ بچار کے بعد تمام حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے فتویٰ دیا اور اس پر کبھی تاسف کا اظہار نہیں کیا۔ ان کی کوئی تحریر ایسی نظر نہیں آئی کہ وہ لوگوں کو ہجرت کرانے پر نادم ہوئے ہوں۔

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۲ جون ۱۹۲۰ء صہ ۶

میں ہجرت نہیں کروں گا، لوگوں کو حکم دیتا ہوں

بہر حال، اس وقت مولانا عبدالباری کا فتویٰ پیشِ نظر ہے۔ ۲۴ جون ۱۹۲۰ء کے پیسہ اخبار میں "مسئلہ ہجرت پر مولانا عبدالباری پر اعتراض اور اس کا جواب" کے زیرِ عنوان پھر مولانا عبدالباری کا ایک خط شائع کیا گیا۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولانا اس بات سے پریشان بھی ہیں کہ بہت سے لوگ ہجرت پر تُل گئے ہیں اور اپنی بات بھی نبھانا چاہتے ہیں، چنانچہ زیرِ نظر تحریر میں کہتے ہیں "..... ابھی عراق و شام پر دارِ حرب کا اطلاق صحیح نہیں تو اتصالِ دارِ حرب ہے کہ درمیان ہندوستان و دارِ حرب اصل ہے، بلادِ اسلامیہ میں یہ کیسے ہوگیا..... میں نے اپنا ارادہ کیا تھا۔ مشورہ سے روک دیا۔ فرض نہ تھا کہ بجا لانا ضرور تھا باوجود اس کے پھر بھی فرضِ دفاع کے انجام دینے کے لیے میں ہجرت کا حکم دیتا ہوں۔" [1]

ہجرت کو رائیگاں نہ کیا جائے

مولانا عبدالباری نے کلکتہ والی تقریر میں جن الفاظ میں بھی کہا تھا، کہا ضرور تھا کہ میں بھی ہجرت کر جاؤں گا، لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے کہا، ساتھیوں نے مشورہ دیا ہے کہ ہجرت نہ کروں۔ غلام محمد عزیز امرتسری (عزیز ہندی) کے نام ایک خط میں بھی کہا "..... ہمارے نزدیک ہندوستان سے ہجرت فرض نہیں ہے ..... وہ لوگ جن کے مشورہ پر ان امور میں، میں نے تمام مشاغل انجام دیئے، وہ مجھے ہجرت سے مانع ہیں اور میں خود فرض نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ ان کے مشوروں کو رد کروں..... کابل پر اس قدر اعتماد نہ کیجئے، جس کا وہ مستحق نہیں..... ہجرت بہترین مسائل شرعیہ سے ہے، اس کو رائیگاں نہ کیا جائے۔" [2] (رئیس احمد جعفری کی مرتب کردہ کتاب "اوراقِ گم گشتہ" سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مولانا نے محولہ بالا خط کس تاریخ کو لکھا تھا)

علماء کی راہنمائی ضروری ہے

مولانا نے جولائی میں "زمیندار" کے نام ایک خط میں علمائے ہند کے ایک اجلاس کی تجویز

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۴ جون ۱۹۲۰ء صہ ۳، ۴

[2] رئیس احمد جعفری ندوی، سید۔ اوراقِ گم گشتہ۔ صہ ۱۵۰، ۱۵۱

پیش کی جس کے آخر میں کہا: "میری تجویز ہجرت اور اعلانِ آزادی کی ہے۔ ہجرت کے متعلق علماء کی رہنمائی از بس ضروری ہے...... ضروری ہے کہ اس تجویز کا پورا بار علماء کی جمعیت اٹھائے"[۱]

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالباری کے اس اعلان کے جواب ہی میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ہجرت کے متعلق مفصل فتویٰ جاری کیا جس کا مکمل متن پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ اور یوں جو بوجھ مولانا عبدالباری کو بھاری محسوس ہو رہا تھا، مولانا ابوالکلام نے اپنے مضبوط کندھوں پر اٹھا لیا۔

ہجرت مستحب ہے

مولانا عبدالباری کا ایک اور خط ۲۴ جولائی کو "زمیندار" میں چھپا جس میں انھوں نے مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب اور مولانا مولوی اشرف علی صاحب کو مخاطب کیا اور کہا:".... علاوہ اس کے مسئلۂ ہجرت ہے کہ اس کو میں مستحب سمجھتا ہوں۔ سوائے ان کے ان لوگوں کے لیے جو اس ملک میں زیادہ خدمتِ دین انجام دے سکتے ہیں اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے قدرت رکھتے ہیں"[۲]

میں نے ہجرت کا حکم نہیں دیا

مولانا عبدالباری کا ایک اور برقی پیغام چھپا کہ "میں نے ہر مسلمان کو ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا، نہ کابل کے حالات ہی اجازت دیتے ہیں کہ بغیر کامل غور و خوض کے ہجرت کی جائے۔ مجھے ابھی ہجرت کی فرضیت کا یقین نہیں۔ لہٰذا حقوق و فرائض کی بجا آوری اور والدین کی اجازت لازمی ہے"[۳]

ہجرت کے مبلغین

خلافت کمیٹی نے ہجرت کے مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، تو بمبئی میں کمیٹی کے جلسے

---

[۱] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۷ر جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۵

[۲] " " ۲۴ر جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۵

[۳] " " ۴ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۴/ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۵ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۹

میں جو قراردادیں اس مقصد کے لیے منظور ہوئیں، ان میں ایک یہ تھی: "علماء کی ایک کمیٹی زیرِ نگرانی مولوی عبدالباری صاحب بنائی جائے جو ہندوستان کے لیے ہجرت کے مبلغین یعنی واعظ مقرر کرے"[۱]

فرضِ عین/ واجب

مولانا عبدالباری سے کسی نے ان کے ہجرت کے بارے میں موقف اور مولانا ابوالکلام آزاد کے فتویٰ ہجرت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے ہمدم لکھنؤ کے اڈیٹر کے نام ایک خط میں لکھا:"..... جو تحریر ان (ابوالکلام آزاد) کی شائع ہوئی ہے اور جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے، اس کے دیکھنے سے لفظی اختلاف کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ ہم فرضِ عین نہ ہونے کے اور وہ وجوب کے قائل ہیں، مگر وجوب میں استثناء وہ بھی کرتے ہیں اور ہم بھی..... "[۲]

صاف مسئلہ نہیں بتایا

ستمبر میں مولانا عبدالباری نے لکھا:".. میں نے جس قدر امور گنے ہیں، ان میں سے ایک الزام میرے اوپر ہے اور باقی مشترک ہیں..... کہ میں نے صاف مسئلہ ظاہر نہیں کیا اور ہجرت کو فرض یا واجب نہیں کہا۔ میں کہتا ہوں کہ مسئلہ بھی وہی ہے جو میں نے کہا۔ ہجرت میں تفصیل ہے، کوئی ایک حکم نہیں ہے....."[۳]

صاف مسئلہ ظاہر کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اعتراض جانے کس نے مولانا پر کیا تھا مگر جو جواب انھوں نے دیا، وہ بہرحال صاف نہیں ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ مولانا نے مختلف وقتوں میں جو بیانات دیئے اور گزشتہ صفحات میں درج کیے جا چکے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جو لوگ اپنے ضمیر کو مطمئن نہیں کر سکتے، وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔ (یکم مئی)

(۲) موجودہ حالت میں ہندوستان سے اگر قابل و ذی استعداد لوگ کامل ہجرت کریں یا

---

[۱] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۴ر اگست ۱۹۲۰ء

[۲] رئیس احمد جعفری ندوی، سید۔ اوراقِ گم گشتہ صہ ۱۹۲

[۳] روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ۔ ۸ر ستمبر ۱۹۲۰ء

محنتی و جفاکش لوگ ترک وطن کرکے وہاں جائیں تو امید ہے کہ فائدہ زائد حاصل ہو اور وطن کی بھی خدمت کریں۔ (۲۶ اپریل)

(۳) ہم ہجرت کی فرضیت کے قائل نہیں البتہ مستحب سمجھتے ہیں، لیکن جو لوگ ہجرت کرکے اسلام کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ان کو لازم ہے کہ ہجرت کریں (۱۵ مئی)

(۴) جب تک مرکزی خلافت کمیٹی کسی طرز عمل کا فیصلہ نہ کردے، اس وقت تک مسلمان صبر و سکون سے کام لیں۔ (۱۶ مئی)

(۵) میں تمام امور میں ابھی کوئی صاف بیان نہیں دے سکتا، جب تک جلسۂ مشورت نہ ہو جائے۔ (۲۹ مئی)

(۶) ہجرت کا مسئلہ ہمارے نزدیک غلط فہمی کے باعث ہے۔ ہم اس طرح ہجرت نہیں کریں گے جس کی وجہ سے ہندوستان کی توہین ہو۔ (۱۳ رمضان المبارک)

(۷) ہجرت فرض عین نہیں لیکن آخری تدبیر کے طور پر اسے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ (۲۳ جون)

(۸) فرض دفاع کو انجام دینے کے لیے ہجرت کا حکم دیتا ہوں (۲۴ جون)

(۹) ہجرت کے متعلق علماء کی راہنمائی از بس ضروری ہے۔ (۷ جولائی)

(۱۰) میں ہجرت کو مستحب سمجھتا ہوں۔ (۲۴ جولائی)

(۱۱) مجھے ابھی ہجرت کی فرضیت کا تیقن نہیں۔ (۴ اگست)

ان گیارہ بیانات کی روشنی میں جن کا متن اوراق گزشتہ میں دیا جا چکا ہے، کیا یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ ہجرت میں کیسی ہی تفصیل ہو، اس طرح لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے موقف جیسی تفصیل نہیں ہو سکتی۔ خود مولانا نے کلکتہ کے جلسے میں ہجرت کرنے کو کہا، لیکن بعد میں اسے اپنی مجلس مشاورت کی نذر کر دیا۔ ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء کے "حریت" دہلی میں ان کا جو بیان چھپا، اس میں انھوں نے واضح طور پر قابل و ذی استعداد لوگوں کو کابل جانے کا مشورہ دیا، لیکن ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کے "ہمدم" لکھنؤ میں کہا "..... مجھے حیرت ہے کہ میں نے یا کسی نے کب کہا ہے کہ ہجرت چاہے بغرض دفاع ہو، کابل ہی کی طرف کی جائے ....."[۱]

---

[۱] رئیس احمد جعفری ندوی، سید، اوراق گم گشتہ۔ صفحہ ۱۶۵

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے سوچ سمجھ کر فتویٰ جاری کیا، اس میں ہجرت کو واجب قرار دیا اور اسی پر آخر تک ڈٹے رہے۔ مولانا عبدالباری اس پریشانی کی وجہ سے کہ ہجرت کا اعلان کر چکے ہیں اور یار لوگوں نے اس کی بنا پر عامۃ المسلمین کو ہندوستان سے بھگانے کا کام لینا شروع کر دیا ہے، اپنے موقف بدلتے رہے۔

ہجرت کی پہلی آواز

یہ تو ان دو مفتیوں کا ذکر تھا جنھوں نے ہجرت کے باقاعدہ فتوے جاری کیے۔ دیکھنا چاہیے کہ ان کے علاوہ اور کون علماء ہیں جنھوں نے ہجرت کی بات کی یا لوگوں کو ہجرت پر اکسایا اور اس کی تبلیغ و تشہیر کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کیے رکھیں۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھیں تو ہجرت کی سب سے پہلی آواز ۱۶ مارچ کو لاہور سے اٹھی (مولانا عبدالباری نے تو فتویٰ ہجرت اپریل کے آخری دنوں میں دیا تھا)۔ "پیسہ اخبار" نے "۱۹ مارچ کی ہڑتال" کے زیر عنوان ایک اداریہ لکھا، اس میں بتایا کہ "مولوی غلام محی الدین صاحب وکیل (۱۶ مارچ کے پبلک جلسہ میں) اسی ہڑتال کے ریزولیوشن کی تائید کر رہے تھے تو مولوی صاحب نے کہا کہ جب میں اپنے لیے ایجی ٹیشن کافی نہ سمجھوں گا تو خود اس ملک سے ہجرت کر جاؤں گا۔"[۱]

مولانا شوکت علی

اپریل کے تیسرے ہفتے میں مدراس خلافت کانفرنس کے صدارتی خطبے میں مولانا شوکت علی نے فرمایا "..... اگر ان (مسلمانوں) کے مذہبی مطالبات کے ساتھ حقارت آمیز برتاؤ کیا گیا تو خدا سے ڈرنے والے مومن مسلمانوں کے لیے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ سلطنت برطانیہ کی حدود سے نکل جائیں۔"[۲]

"مسئلہ ہجرت اور مسٹر شوکت علی" کے عنوان سے "زمیندار" کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں۔ "پٹنہ ۲۶ اپریل مسٹر شوکت علی نے بمقام پٹنہ ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم

---

[۱] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

[۲] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۴ (بعنوان "مولانا شوکت علی کی صاف گوئی")

حکومت سے دستِ تعاون کھینچ لیں گے۔ اور افغانستان اور ایشیائے کوچک کو ہجرت کر جائیں گے۔ اسی قسم کی دھمکی ہز ایکسیلنسی وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری کو دہلی کی طرف سے بھی موصول ہو چکی ہے۔"[1]

مہاجرینِ سندھ کا قافلہ جان محمد جونیجو بیرسٹر کی قیادت میں سپیشل ٹرین میں افغانستان کی طرف روانہ ہوا تو مولانا شوکت علی نے مہاجرین کے نام پیغام بھیجا: "اللہ آپ کی اس بڑی قربانی کا ثواب آپ کو دے گا، یقین رکھیں، ہم آپ کو کبھی بھی نہیں بھولیں گے۔ خدا نے چاہا تو ہم کسی دن آپ کو آملیں گے۔"[2]

سندھ خلافت کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں ۲۲ جولائی کو خطبۂ صدارت دیتے ہوئے مولانا شوکت علی نے کہا: "..... ہمارے لیے دو راستے کھلے ہیں، ہجرت اور جہاد۔ جو لوگ جور و ستم اور ایذا رسانی برداشت نہیں کر سکتے، ان کے لیے ہجرت چارۂ کار ہے، تاکہ اپنے ایمان کی حفاظت تلاش کریں۔"[3]

گاندھی جی کو مولانا شوکت علی کی ہجرت کی تبلیغ پر مبنی تقاریر کا پتہ تھا، وہ کہتے ہیں: "شوکت علی جیسے لوگوں کی متعصبانہ تقاریر لوگوں کو گھر بار چھوڑ کر ایک غیر معلوم سرزمین کی طرف جانے پر مائل نہیں کر سکتیں، ضرور اس میں مذہبی عقیدہ کا عنصر شامل ہے۔"[4]

۲۹ اکتوبر کو سیٹھ جان محمد چھوٹانی کی صدارت میں مرکزی خلافت کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں ہوا جس میں مولانا شوکت علی نے وفدِ مہاجرینِ ہندی کا خیر مقدم کیا اور کہا: "سچے مسلمان اور سچے ہندوستانی وہی باہمت اور ثابت قدم مہاجرین ہیں جو اپنے مذہب اور ضمیر و ایمان کی آزادی کے لیے اپنے عزیز وطن کو خیرباد کہہ گئے، تاکہ حق و انصاف کے مطالبے میں ان کا کوئی

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء صـ ۴/ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء صـ ۶

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۳ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۹

[3] 〃 〃 〃 ۳۱ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۳

[4] منصور لال ہندی، لالہ: بیداریٔ ہند یعنی کارنامۂ مہاتما گاندھی، دارالاشاعت بیداریٔ ہند میرٹھ، بار اوّل ۱۹۲۰ء صـ ۱۲۵

مزاحم نہ ہو۔"[1]

مولانا شوکت علی کے اس کردار کے ساتھ جانباز مرزا کی بات یاد رکھیے کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ساتھ انھیں بھی ہجرت کے مخالفین میں شمار کرتے ہیں۔[2]

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے مقالے "تحریکِ ہجرت" میں محمد نعیم قریشی کی تصنیف میں اخبار "ہندو" مدراس (۸ جولائی ۱۹۸۲ء) میں مولانا شوکت علی کے بیان کے حوالے سے ان کو ہجرت کا مخالف ثابت کرنا چاہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مولانا شوکت علی نے ہجرت "کو غیر دانشمندی کی دلیل اور متحدہ اقدام کو زک پہنچانے کے مترادف" قرار دیا[3] اگرچہ مقالے کے شروع میں وہ کہتے ہیں: "علی برادران اس تحریک کے بنیادی محرک کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔"[4]

مولانا احمد سعید دہلوی اور عزیز ہندی

"۱۹ اپریل کو دہلی میں خلافت ورکرز کانفرنس منعقد ہوئی۔ مولوی فضل الحسن (حسرت موہانی) صدر نشین تھے۔ مولوی احمد سعید صاحب واعظ دہلوی نے ..... بار بار کہا کہ ہم جہاد یا ہجرت کرنے کو تیار رہیں..... کلکتہ کے جلسۂ خلافت یا دہلی کی خلافت ورکرز کانفرنس کے بعض مقررین کی نسبت معلوم ہوا ہے بلکہ ریزولیوشن بھی ایسے پاس کرتے ہیں جن میں صاف صاف کہتے ہیں کہ اگر مسلمانانِ ہند کے مطالباتِ خلافت کے متعلق منظور نہ ہوئے تو وہ سلطنت کے وفادار نہیں رہ سکیں گے۔ یا یہ کہ وہ سب ہندوستان سے ہجرت کر جائیں گے یا جہاد کریں گے۔"[5] پیسہ اخبار کے متذکرہ بالا اداریے میں ہجرت کے ریزولیوشن کا ذکر ہے، اس کے بارے

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۳ نومبر ۱۹۲۰ء صـ ۱

[2] جانباز مرزا: حیاتِ امیرِ شریعت۔ صـ ۸۴

[3] ابو سلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر..... (مرتبین) تحریکاتِ ملی گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ علم و آگہی کا ۸۳-۱۹۸۲ء کا خصوصی نمبر۔ صـ ۲۱۸، ۲۱۹

[4] تحریکاتِ ملی۔ صـ ۲۰۵

[5] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء صـ ۳ (اداریہ شذرہ)

میں عزیز ہندی کہتے ہیں کہ خدام خلافت کانفرنس کی سبجیکٹ کمیٹی میں، میں نے ریزولیوشن پیش کر دیا، لیکن وہ منظور نہ ہوا۔[1]

عزیز ہندی نے "تحریکِ ہجرت کی تاریخ" میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہجرت کے داعی اور محرک وہی تھے۔ وہ مارچ ۱۹۲۰ء کی بات کرتے ہیں کہ انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن انھوں نے انھیں گھر واپس جانے کا حکم دے دیا۔ ان سے مایوس ہو کر یہ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کی جماعت مجاہدین کے ہندوستان میں مرکز، مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی سے ملے اور ان سے پوچھا کہ وہ سال بھر میں کتنے آدمیوں کو ہجرت کرواتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ آٹھ دس آدمیوں کو۔ اس پر عزیز ہندی نے جوش کے عالم میں قسم کھاتے ہوئے کہا "مولانا سن لیں کہ میں عنقریب ہزاروں آدمیوں کو کھلم کھلا ہجرت کراؤں گا۔"[2] عزیز ہندی کہتے ہیں کہ انھوں نے خدام خلافت کانفرنس (دہلی) میں ہجرت کا ریزولیوشن پیش کرنا چاہا، لیکن ناکامی ہوئی اور شام کو پہلے آصف علی بیرسٹر اور پھر مولانا داؤد غزنوی کی صدارت میں جو خاص پبلک جلسہ ہوا، اس میں انھوں نے (عزیز ہندی) پہلی مرتبہ ہجرت کے موضوع پر تقریر کی، لیکن جیسا کہ پہلے حوالے آ چکے ہیں، مولوی غلام محی الدین لاہور کے جلسے میں اور مولانا احمد سعید دہلوی دہلی کی اسی خدام خلافت کانفرنس میں ہجرت کی بات کر چکے ہیں۔ عزیز ہندی کا کہنا ہے کہ ہجرت کے پہلے مؤید ملک لعل خاں تھے اور اس جلسے میں نہ صرف ہجرت کا ریزولیوشن پاس ہوا بلکہ لوگوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مہاجرین کی فہرست میں اپنے نام بھی لکھوانا شروع کر دیے۔[3]

عزیز ہندی اپنے مضمون میں ملک لعل خاں اور خان عبدالغفار خاں کا ذکر تو کرتے ہیں، مولانا احمد سعید کی بات نہیں کرتے۔ البتہ ایک مقام پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خدام خلافت کانفرنس سے بھی پہلے امرتسر میں آل انڈیا کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسوں میں "بعض

---

1. رئیس احمد جعفری ندوی، سید۔ اوراقِ گم گشتہ (تحریکِ ہجرت کی تاریخ از کرنل عزیز ہندی امرتسری) صد ۷۶
2. رئیس احمد جعفری۔ اوراقِ گم گشتہ، صد ۷۶ تا ۷۹
3. " " " صد ۷۹ تا ۸۱

مسلمان مقررین نے اپنی تقریروں میں یہ اعلان کیا کہ اگر انگریزوں نے مقاماتِ مقدسہ سے اپنا فوجی قبضہ نہ اٹھایا تو ہم اس ملک سے ہجرت کر جائیں گے۔"...[1]

ہجرت کا ریزولیوشن جس جلسے میں پاس ہوا، عزیز ہندی کہتے ہیں کہ وہ جلسہ خاص انھی کے اصرار پر ہوا تھا، اور صرف ہجرت کے موضوع پر تھا۔ "پیسہ اخبار" کی اطلاع کے مطابق ایک جلسہ امام جامع مسجد دہلی کے "شمس العلماء" کے خطاب کی واپسی کے مطالبے کے لیے ہوا تھا جس میں ..." ہجرت فنڈ کے لیے چندہ کی اپیل کو سرگرمی سے لبیک کہا گیا۔"[2] یکم مئی کے "پیسہ اخبار" میں لکھا ہے کہ "اختتام جلسہ پر ایم غلام محمد عزیز سیکرٹری خادم المہاجرین نے حاضرین کو ہجرت کرنے کی تحریک کی۔ ۱۱۶ آدمیوں نے ہجرت کرنے کے لیے اپنے نام لکھوائے۔" لیکن اس سے اگلے روز کے شمارے میں لکھا ہے "سولہ اشخاص نے (ہجرت کے لیے) دہلی نام درج کرا دیے۔"[3]

مولانا احمد سعید دہلوی نے نہ صرف خدام خلافت کانفرنس میں ہجرت کے موضوع پر تقریر عزیز ہندی سے پہلے کی، بلکہ ہجرت کے معاملات میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

"خادم المہاجرین غلام محمد عزیز" نے پشاور سے جو بیان جاری کیا، اس میں مولانا احمد سعید دہلوی کے متعلق کہا "مولانا موصوف ہمارے زمرۂ اصحاب الشوریٰ میں شامل ہیں ..... دفتر دہلی کے آئندہ نظم و نسق کے متعلق جناب مولانا احمد سعید صاحب خود اعلان فرمائیں گے کہ وہ کس کی نگرانی میں دفتر دہلی کو دینا چاہتے ہیں۔"[4]

قافلہ مہاجرین دہلی کے بارے میں یہ خبر شائع ہوئی: "دہلی سے مہاجرین کا پہلا قافلہ حافظ محمد حسین مالک دہلی فلور مل کس بارہ دری نواب وزیر پھاٹک حبش خاں کے زیر نگرانی تیار ہو رہا ہے ..... جو اصحاب اس قافلہ کے ساتھ جانا چاہیں، وہ مولوی احمد سعید صاحب ناظم جمعیت

---

1. رئیس احمد جعفری۔ اوراقِ گم گشتہ۔ صد ۵۹
2. روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، یکم مئی ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل
3. " " " ۲ مئی ۱۹۲۰ء
4. روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۹۔ جون ۱۹۲۰ء صد ۵

العلمائے ہند، گل قاسم جان دہلی سے درخواست کریں۔"[1] دہلی کے مہاجرین کے قافلہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ اس کی روانگی کی تاریخ طے ہو گئی کہ ۲۰ ذوالحجہ کو روانہ ہوگا تو پھر مشتہر کیا گیا کہ قافلے میں شمولیت کے خواہشمند مولانا احمد سعید کے پاس کوائف جمع کرا دیں۔

(پیسہ اخبار ۸ اگست میں ان کا نام البتہ غلطی سے مولانا سعید احمد چھپا۔ پتا مولانا احمد سعید ہی کا تھا)[2]

مولانا عارف ہسوی

عزیز ہندی لکھتے ہیں: "ان دنوں مسلمانوں کا ایک ہی اخبار "حریت" دہلی سے نکلتا تھا۔ اس کے اڈیٹر خدا غریقِ رحمت کرے، مولانا عارف ہسوی تھے۔ انھوں نے ہجرت کی تحریک کی بے پناہ سربراہی اور حمایت کی تھی۔ اگر یہ اخبار جو روزانہ شائع ہوتا تھا، دہلی میں موجود نہ ہوتا اور مولانا عارف ہسوی اس کے اڈیٹر نہ ہوتے تو مجھے شک ہے کہ شاید ہجرت کی تحریک برصغیر میں کبھی پھل پھول نہ سکتی۔ اس اخبار نے ہجرت کی تحریک کا ڈھنڈورا سارے ہندوستان میں پیٹا اور ہر کہ و مہ کو اس سے متاثر کیا۔ کسی مسلمان اخبار میں اس کی مجال نہ تھی کہ اس تحریک کے خلاف کھلم کھلا لکھتا۔ سب دفعتہً دم بخود ہو چکے تھے اور ہجرت کی تحریک پروان چڑھ رہی تھی۔"[3] عزیز ہندی مزید بتاتے ہیں کہ مولانا عارف ہسوی شملہ جا کر افغانی قونصل سے ملے کہ افغانستان ہجرت کی جا سکے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد افغانی قونصل نے میرے نام ایک شاہی فرمان بھیج دیا کہ ہمارے دروازے کھلے ہیں اور "نظام نامہ" بھی بھیج دیا۔[4]

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تحریکِ ہجرت میں کردار کے بارے میں عزیز ہندی لکھتے ہیں: "دہلی کے ریزولیوشن کی جس شخص نے مخالفت کی تھی، وہ تنہا مولانا سید عطاء اللہ بخاری تھے..... لیکن بعد میں جب دیکھا کہ مسلمان ان کی بات نہیں سنتے، تو وہ بھی تحریک

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۳ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۴

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۸ اگست ۱۹۲۰ء ص ۳/ "پیسہ اخبار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء ص ۵

[3] رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ۔ (تحریکِ ہجرت کی تاریخ از عزیز ہندی) ص ۸۱

[4] " " " ص ۸۴

ہجرت کے پرجوش مزید مبلغ بن گئے۔ اور میرے چلے جانے کے بعد یہ انھی کی دھواں دھار اور آتشیں تقریروں کا اثر تھا کہ برصغیر کے کئی صوبوں سے ہجرت کی اسپیشل گاڑیاں چھوٹنی شروع ہو گئیں۔"[1]

شاہ جی کے بارے میں عزیز ہندی مزید لکھتے ہیں: "..... وہ میری اس شجاعانہ حرکت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس وقت تک ان کی طبیعت پر انگریزی حکومت کا جس قدر بھی رعب و خوف چھایا ہوا تھا، سب کافور ہو گیا اور..... انھوں نے امرتسر میں ہجرت کے موضوع پر جابجا وعظ کہنا شروع کر دیا۔ مجھے اس کی خبر بعد میں ہوئی جب میں امرتسر پہنچا۔ اس طرح ایک بڑا بھاری مبلغ مجھے ہجرت کا مل گیا، جس نے میرے بعد ہجرت کی تحریک کی بہت بڑی حد تک آبیاری کی۔"[2]

پھر لکھتے ہیں: "میں دہلی واپس چلا گیا (یہ ہجرت کے انتظامات کا جائزہ لینے دہلی سے راولپنڈی اور پشاور گئے تھے۔ محمود) واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے نہایت مستعدی اور گرم جوشی سے ہجرت کی تبلیغ شروع کر رکھی ہے..... میں نے ازراہِ تفنن مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا کہ اب تو آپ میرے ساتھ ہی ہجرت کریں گے۔ جس پر انھوں نے فرمایا کہ آپ آگے جائیں۔ میں آپ کے پیچھے مہاجرین کے لشکر روانہ کرتا رہوں گا۔ یہ بات یاد رہے کہ مولانا بخاری نے عملاً ہجرت نہیں کی تھی۔"[3]

جانباز مرزا تحریکِ ہجرت اور شاہ جی کے حوالے سے لکھتے ہیں: "شاہ جی اور دوسرے زعمائے ملت جنھیں تحریکِ ہجرت کا خضرِ راہ کہا جا سکتا تھا، تحریک کی ناکامی اور چالیس ہزار مہاجر مسلمانوں کی کابل سے نامراد واپسی پر سکونِ دل کھو بیٹھے۔ دوستوں کے گلے اور دشمنوں کے طعنے نے شاہ جی کو دل برداشتہ کر دیا۔"[4]

[1] رئیس احمد جعفری۔ اوراقِ گم گشتہ۔ ص ۷۶ (اسپیشل ٹرین صرف سندھ سے چلی تھی)

[2] رئیس احمد جعفری۔ اوراقِ گم گشتہ (تحریکِ ہجرت کی تاریخ از عزیز ہندی) ص ۸۲

[3] رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ۔ ص ۹۳

[4] جانباز مرزا، حیاتِ امیرِ شریعت۔ مکتبہ تبصرہ لاہور۔ بار اوّل۔ نومبر ۱۹۶۹ء ص ۵۴

مہاجرین سندھ ہو اسپیشل ٹرین میں لاہور پہنچے تو مسلمانان امرتسر کی طرف سے جو سپاسنامہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے پیش کیا ، اس پر مولانا محمد داؤد غزنوی ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولوی نور احمد کے بھی دستخط تھے ۔[1]

۵ ستمبر ۱۹۲۰ء کو آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس کانگرس کے پنڈال میں کلکتہ کے مقام پر ہوا ، جس میں مولانا عبدالغفور سیکرٹری خلافت کمیٹی پشاور نے ہجرت کے حق میں اور مہاجرین کی امداد کے لیے قرارداد پیش کی تو اس کی تائید مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسری اور مولانا شوکت علی نے کی اور قرارداد باتفاق رائے منظور ہوئی ۔[2]

ڈاکٹر معین الدین عقیل اپنے مقالہ "تحریک ہجرت" میں دو جگہ بخاری صاحب کو ہجرت کا حامی قرار دیتے ہیں[3] اور ایک جگہ غیر حامی ۔[4]

مولوی عبدالغفور

مولوی عبدالغفور موصوف نے اس قرارداد کی تحریک کرتے ہوئے کہا کہ "فرزندان اسلام ہجرت کے متعلق اپنے خلوص کا ثبوت دے رہے ہیں ، وہ کسی مجنونانہ تعلیم کے زیر اثر اپنے عزیز گھروں کو خیرباد نہیں کہہ رہے ، بلکہ وہ اپنے ضمیر اور اپنے ایمان کو ان حالات میں بچانے کے لیے ہجرت کو اختیار کر رہے ہیں" ..... مولوی صاحب موصوف نے سرحدی حکام کے سرکاری رویے کی بھی وضاحت (مذمت) کی جس سے وہ تحریک ہجرت کو دبانا چاہتے ہیں ۔[5]

اللہ بخش یوسفی کہتے ہیں کہ سیالکوٹ کے ایک مخلص قومی کارکن آغا محمد صفدر نے پشاور کے ایک بھرے عام اجلاس میں ایسی تجویز پیش کر دی کہ صرف ڈاکٹر ، انجینیئر ، معلم ، کاریگر وغیرہ قسم کے لوگ ہی افغانستان کو ہجرت کریں تاکہ وہ کسی کام بھی آسکیں ۔ اس پر مولوی صاحب بھڑک اٹھے اور خود ہجرت کمیٹی کے ایک رکن اور مشہور عالم مولوی عبدالغفور نے تو آغا محمد صفدر

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۱۴
[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور - ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ اول
[3] تحریکات ملی صہ ۲۰۵ ، ۲۱۶ ۔
[4] " " ۲۰۸ ، [5] روزنامہ "زمیندار" لاہور - ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء

کی وہ خبر لی کہ اگر عوام ان کی شہرت اور خدمات سے واقف نہ ہوتے تو شاید وہیں ختم کر دیتے ..... علما نے آغا صاحب کی اس تجویز کو "مداخلت فی الدین" قرار دے دیا ۔"[1]

مولانا محمد علی جوہر

باب "ہجرت کے اسباب" میں مولانا محمد علی جوہر کی اس تقریر صدارت کا اقتباس شامل ہے جس میں انھوں نے گھر میں داخل ہونے کی خواہش کی راہ میں سانپ کو حائل پانے کی صورت میں لکڑی سے ہٹانے کی بات کی تھی اور لکڑی نہ ہونے کی صورت میں دوسرے دروازے سے داخل ہونے کو ہجرت کا نام دیا تھا ۔[2]

جب ہجرت کی تحریک شروع ہوئی ، اس وقت مولانا محمد علی جوہر وفد خلافت کے ساتھ بیرون ملک گئے ہوئے تھے ، لیکن اس سے بہت پہلے وہ ہجرت کی بات کر چکے تھے "ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں اقرار کیا تھا کہ اگر وقت آ جائے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر ہجرت ضروری ہو جائے تو چاہے میرا بڑا بھائی ہندوستان کے اندر رہ جائے ، لیکن میں یہاں سے ہجرت کر جاؤں گا ۔ اسی طرح بڑے بھائی نے عہد کیا تھا کہ چاہے چھوٹا بھائی ہندوستان کے اندر رہ جائے مگر میں ہجرت سے باز نہیں آؤں گا ۔"[3]

مولانا محمد علی نے دہلی میں ۱۶ جنوری ۱۹۲۰ء کو تقریر کرتے ہوئے ۲۴ اپریل ۱۹۱۹ء کی اس یادداشت کا حوالہ دیا جو انھوں نے اور مولانا شوکت علی نے ہندوستان کے وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کو پیش کی تھی ۔ انھوں نے کہا تھا "جب کوئی ملک اسلام اور مسلمانوں کے لیے محفوظ نہ رہے تو مسلمانوں کے سامنے دو متبادل راستے رہ جاتے ہیں ، جہاد یا ہجرت یعنی اسے یا تو اپنی اس ساری قوت کو جو خدا نے اسے بخشی ہے ، ملک کی آزادی کے لیے صرف کر دینا چاہیے یا پھر اسے ایک آزاد ملک کو ہجرت کرنا چاہیے ..... ہماری موجودہ خستہ حالی کے پیش نظر

---

[1] اللہ بخش یوسفی - سرحد اور جدوجہد آزادی - مرکزی اردو بورڈ ، لاہور - صہ ۲۱۸
[2] محمد علی جوہر - خطبات صدارت - دار الاشاعت علوم اسلامیہ ملتان - صہ ۱۴ ، ۱۵
[3] رئیس احمد جعفری (مرتب) خطبات محمد علی - کراچی طبع اول - صہ ۴۴

صرف ہجرت ہی ہمارے لیے ایک واحد متبادل صورت رہ گئی ہے ..... یہ اقدام جسے ہیں اب تمام تر سنجیدگی کے ساتھ، جو اس کا تقاضا ہے، ترجیح دیتی ہے۔ ہماری قوم کی تاریخ میں ہمارے پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد شاید یہ سب سے زیادہ فیصلہ کن ہوگا"[1]

مولانا محمد علی نے اپنے جولائی ۱۹۲۰ء کے خط میں حکومت برطانیہ کو لکھا کہ "پہلے ہی سے بڑی تعداد میں مسلمان، جو اس طاقت کی اطاعت نہیں کرنا چاہتے جو خلافت کی دشمن ہو، ملک سے کوچ کر گئے ہیں اور بہت سے مسلمان ہجرت پر جانے والے ہیں"[2]

وفدِ خلافت ناکام واپس آیا تو مولانا محمد علی جوہر نے پھر ہجرت کی حمایت کی۔ بیانِ کراچی میں انھوں نے کہا: "اگر ہندوستانی مسلمانوں کے پاس حکومت سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے ایک طاقت ور فوج موجود ہوتی ..... تو ہمارا یہ جھگڑا خاتق دنیا ہی میں نہیں، بلکہ کسی اور مقام پر فیصل ہوتا۔ جب بدقسمتی سے ایسی طاقت اور ایسی فوج میسر نہ ہو تو احکام اسلامی کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جتنے ہجرت کی استطاعت رکھیں، وہ کسی محفوظ ملک میں چلے جائیں جہاں کوئی سرکاری استغاثے مذہب کی توہین و ہتک نہ کر سکیں"[3]

مولانا تاج محمود امروٹی

مولانا تاج محمود امروٹی نے سپیشل ٹرین میں ہجرت کی۔ مہاجرینِ سندھ کی یہ سپیشل ٹرین گوجرانوالہ پہنچی تو مولانا نے ہجرت پر ایک مدلل واعظ کیا[4]۔ ۱۸ جولائی کو یہ ٹرین خان پور ریاست بہاول پور پہنچی تو ریاست کا ایک باشندہ ساتھ جانے کے لیے ضد کرنے لگا۔ "آخرکا حسب الارشاد حضرت مولانا صاحب (تاج محمد رہ) صاحب امروٹ والے) اسپیشل ٹرین میں

[1] خطباتِ محمد علی۔ ص۴۴

[2] دربار علی شاہ سید (مؤلف) ہجرتِ افغانستان (حاجی فیض محمد خان صاحب مرحوم کی سرگزشت) تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی۔ س ن۔ صفحہ ۱۷

[3] محمد علی جوہر مرحوم مولانا بیان کراچی۔ قومی دارالاشاعت، محلہ کوٹلہ، شہر میرٹھ۔ س ن۔ ص ۱۷

[4] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء

سوار کیا گیا"[1] یہ گاڑی بہاولپور پہنچی تو "اہل قافلہ میں سے حضرت تاج محمود صاحب نے نہایت پُراثر مگر مختصر تقریر فرمائی، جس میں انھوں نے ہجرت فرض بتاتے ہوئے اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی"[2]

ڈاکٹر یمن عبدالمجید سندھی اپنے مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" میں لکھتے ہیں کہ "حضرت مولانا تاج محمود امروٹی مہاجروں کو رخصت کرنے کے بعد دعا دیتے ہوئے ایک نظم میں فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ جوانوں کو جوش اور جذبہ عطا فرما، مہاجر جو تیرے لیے وطن چھوڑ کر جا رہے ہیں، ان کو توفیق عطا فرما۔ ان کی تیاری اللہ کی راہ میں ہے اور توکل ان کا وسیلہ ہے ......"[3]

مولانا ثناء اللہ امرتسری

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا "فتویٰ ہجرت" اپریل کے آخری دنوں اور یکم مئی کے اخبارات میں چھپا تو اس پر مولانا ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر "اہلحدیث" امرتسر ایک خط میں اسے زیرِبحث لائے: "آپ کا مضمون دربارۂ ہجرت وکیل امرتسر مورخہ ۳۰ اپریل میں دیکھا، حیرانی ہوئی کہ آپ نے اتنا طول کیوں دیا۔ آپ نے جتنی قسمیں بیان کی ہیں، ان کی ضرورت کیا ہے ..... یہ نہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، قابل اور ذی استعداد لوگ ہجرت کریں تو فائدہ ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید اپنے لفظوں میں صرف یہی کہتا ہے کہ ظلم کی بستی سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور نہیں نکل سکتے تو خدا سے دعا مانگو کہ ہمیں اس ظلمت کدے سے نکال اور کسی بااختیار آدمی کو ہمارا والی اور حمایتی بنا۔ اس کے سوا کسی اور بات کہنے کی ہم کو اجازت نہیں"[4]

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے جون میں لکھا: "میرے دوست مجھ سے مسئلہ کی شکل میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ میری ناقص تحقیق ابھی تک یہ ہے کہ حالتِ موجودہ میں ہجرت مستحب اور اقامت جائز

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء

[2] " " " ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء ص۵

[3] مجلہ برگِ گل کراچی۔ جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ (مضمون "سندھ میں خلافت تحریک")

[4] روزنامہ "زمیندار" لاہور – ۲ مئی ۱۹۲۰ء ص۵

سے افضل ہے۔ جس کے ماں باپ ہوں ان کی اجازت ضروری ہے۔"[1]

مہاجرین کی سپیشل ٹرین لاہور آئی تو "اہل امرتسر کی طرف مولوی ثناء اللہ صاحب نے ایک سپاسنامہ پیش کیا اور ۵ سو روپے کی ایک تھیلی نذر کی۔"[2]

مسلمانان امرتسر کی جانب سے مولانا ثناء اللہ نے جو سپاسنامہ پڑھا، وہ یوں شروع ہوتا ہے: "آج جو حالت اسلام پر آئی ہے، اس کی مثال صدر اول ہی میں ملتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ مہاجر ہے اور ایک انصار۔ سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم بھی بذات خود مہاجرین کے قافلہ سالار تھے، اس لیے مہاجرین کو جاء فخر ہے۔

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست
کہ سلطان جہاں با ماست امروز

اور انصار ان مہاجرین کے خادم ہیں۔

اسلام کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک مکی، دوسرا مدنی۔ مکی زندگی میں اسلام تکلیف میں رہا۔ مدنی میں ترقی پذیر ہوا، مگر ہجرت کا پل عبور کرکے۔ آج جس تکلیف میں اسلام گزر رہا ہے، یہ مکی زندگی سے مشابہ ہے۔ الحمد للہ کہ اعلیٰحضرت جلالت مآب امیر امان اللہ خاں غازی خلد اللہ ملکہ کی توجہ سے ہجرت کا پل تیار ہوگیا۔ اور آپ حضرات نے اس پل سے گزرنے کر کمال ایثار دکھایا۔ ہندوستان کے سارے صوبوں میں صوبہ سندھ ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے اسی نے اسلام کی قدم بوسی کا فخر حاصل کیا تھا، اسی کا اثر ہے کہ آج ہم اس صوبہ میں اسلامی درد باقی صوبوں سے زیادہ پاتے ہیں .....؟"[3]

یہ سپاسنامہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے پیش کیا اور اس پر اُن کے علاوہ مولوی نور احمد، مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ صادق حسن، پیر امیر الدین، محمد اسمٰعیل مشتاق وغیرہ کے دستخط تھے۔

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر، ۱۸ رجون ۱۹۲۰ء صفحہ ۹

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۳ ر جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۶

[3] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر، ۱۹ ر جولائی ۱۹۲۰ء (۲۹ شوال ۱۳۳۸ھ) صفحہ ۱۲

۲۰ جولائی کے اہلحدیث میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے "ہجرت" کے عنوان سے لکھا "پنجاب اور سندھ میں آج کل ہجرت کا زور ہے۔ مسئلہ ہجرت اسلام میں ایک مشروع بلکہ مسنون، بلکہ بعض صورتوں میں فرض و واجب تک پہنچا ہے .....۔"[1]

مولانا عبدالرحمان نظام آبادی

مولانا ثناء اللہ نے مولانا عبدالباری کے بیان پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ظلم کی بستی سے نکل جانے کی قرآنی ہدایت کا ذکر کیا تو مولانا عبدالرحمان نظام آبادی نے مولانا ثناء اللہ کی اس تحریر پر بھی استعجاب ظاہر کرنے کے بعد کہا "..... اسلام خطرے میں ہے، حکومت و حریت مسلم کی شان کے خلاف ہے، اور اغیار ہمارے سینوں پر مونگ دلیں اور ہم صبر و ضبط سے کام لیں؟ صبر کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہم کسی محفوظ جگہ جاکر اپنے دین و ایمان کی حفاظت کریں؟"[2]

مولانا ظفر علی خاں

اشرف عطا لکھتے ہیں "مولانا ظفر علی خاں نے ۴ ر اگست ۱۹۲۰ء کو حضرو میں ایک تقریر کی جس میں یہ بھی کہا "مسلمانوں پر ہجرت فرض اور لازم ہے ..... ہندوستان دارالحرب ہے"..... مقدمہ چلنے پر عدالت میں ہجرت کے بارے میں مولانا نے اپنے خیالات کی تشریح کرتے ہوئے کہا "پنجاب خلافت کمیٹی ہر مسلمان پر ہجرت فرض نہیں کرتی، بلکہ اس نے اعلان کیا ہے کہ وہی لوگ ہجرت کریں جو صاحب تمول ہیں یا اس قدر سرمایہ رکھتے ہیں کہ اپنی روزی پیدا کرسکیں۔"[3]

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے ہجرت کے بارے میں مختلف بیانات اور اعلانات پہلے نقل کیے جاچکے ہیں، جب انھوں نے اپنے برقی پیغام میں یہ کہا "میں نے ہر مسلمان کو ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا، نہ کابل کے حالات ہی اجازت دیتے ہیں کہ بغیر کامل غور و خوض کے ہجرت کی جائے۔ مجھے ابھی ہجرت کی فرضیت کا تیقن نہیں" ــــ تو ان کا پیغام شائع کرتے ہوئے

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر، ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۱ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۳

[3] محمد اشرف خاں عطاء، مولانا ظفر علی خاں، مکتبہ کارواں، لاہور صفحہ ۷۹، ۸۰

مولانا ظفر علی خاں نے اپنی طرف سے ایک نوٹ لکھا: "ہمیں مولانا کے اس ارشاد سے ایک بڑی حد تک اختلاف ہے وجوہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور کسی قریب کی فرصت میں بصراحت ان کا اعادہ کریں گے۔ سردست اس قدر لکھنا کافی ہے کہ ہر وہ شخص جس کی دولت اور جس کا دل عدم تعاون یا ترک موالات کے اصول کے تابع ہو کر ہندوستان کے اندر خلافت کے کام نہیں کر سکتا، اس پر ہجرت فرض ہے۔ مسلمانانِ ہند کے لیے بحالت موجودہ صرف دو ہی چارہ کار ہیں۔ یا عدم تعاون پر کاربند ہوں یا ہجرت کر جائیں۔"[1]

مولانا ظفر علی خاں نے یہاں بھی ہجرت کو فرض قرار دیا، لیکن مقدمۂ بغاوت کے اپنے بیان میں کہا: "...... اس کثیر آبادی کے ایک نہایت قلیل حصے کو ممالک غیر کی طرف ہجرت کی ترغیب دی گئی تھی اور وہ بھی اس خیال سے کہ ترکی صلح نامہ کی غیر منصفانہ شرائط کے خلاف احتجاج کیا جائے۔"[2] حالانکہ وہ جس قلیل آبادی کو ہجرت پر آمادہ کر رہے تھے، اس کی تعداد دس لاکھ تھی۔ راولپنڈی میں خلافت کمیٹی کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا: "...... دس لاکھ مہاجر ہجرت کر سکتے ہیں، مگر وہ جو ہنرمند دماغ رکھتے ہوں جن کے پاس دولت ہو یا جو قوت بازو رکھتے ہوں۔ ان دس لاکھ میں سے ۵ لاکھ مرد اور پانچ لاکھ عورتیں ہوں۔ اس سے زیادہ کا افغانستان بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔"[3]

افغانستان نے ہجرت روکنے کا حکم دیا تو زمیندار نے "التوائے ہجرت، تصویر کے دو رخ" کے عنوان سے طویل اداریے میں اسے انگریزی حکومت کا پروپیگنڈہ قرار دیا، اور آخر میں کہا: "کیا یہ عظیم الشان الٰہی تحریک ان فریبوں سے رک سکے گی؟ کیا اللہ پاک کا بلند کیا ہوا شعلہ پھونکوں سے بجھ سکے گا؟ یہ رکاوٹیں جو راستہ میں حائل کی جا رہی ہیں، لاکھوں مسلمانوں کے شعلہ عشق کو آسمان سا اونچا کر دیں گی۔"[4]

---

1. روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۴ اگست ۱۹۲۰ء ص ۳
2. روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء صفحہ اول
3. روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء ص ۱
4. " " " ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء ص ۲

ان سفید ریش بزرگ نے ہجرت بند ہونے کی خبر سنائی، انھیں مولانا ظفر علی خاں نے "سی آئی ڈی کا ایک سفید ریش بزرگ" قرار دیا۔[1]

حاجی صاحب ترنگزئی

قاری عبدالستعان کے قلمی روزنامچے کے حوالے سے تحریک ہجرت میں حاجی صاحب ترنگزئی کی کارکردگی سامنے آئی ہے: "حاجی صاحب کی ہدایات کے تحت بنیر والوں نے تحریک ہجرت کے دوران مہاجرین کی مدد کرنے کے لیے اور ان کے لیے طعام و قیام کا معقول انتظام کرنے کے لیے مشترکہ چندوں کے ذریعے کافی رقم جمع کی جس سے مہاجرین کے لیے غلہ، کپڑے اور ادویات خریدی گئیں۔ دس ہزار مویشی خرید کر مہاجرین کے لیے گوشت اور دودھ کی کمی کو پورا کیا گیا۔"[2]

پیسہ اخبار میں "واپس آمدہ مہاجرین" کے عنوان سے چھپا: "پشاور ۳۰ اگست، مہاجرین افغانستان سے برابر واپس آ رہے ہیں۔ بعض خیبر نہیں، بلکہ دوسرے راستوں سے آئے ہیں۔ جو علاقہ مہمند سے ہو کر شبقدر پہنچے ہیں، ان کو مہمندوں نے لوٹ لیا ہے اور مقابلہ کرنے والے مہاجر کو قتل کر ڈالا۔ بعض لوٹ مار کو حاجی صاحب ترنگ زئی کے غصہ کا نتیجہ بتاتے ہیں، جو انگریزوں کا مخالف ہے اور تحریک ہجرت کی ناکامی سے ناخوش۔ امیر صاحب کے التوائے ہجرت سے پہلے حاجی صاحب نے باشندگانِ چارسدہ کو دھمکی دی تھی کہ جو لوگ ہجرت نہ کریں گے، ان کو مہمندوں کی جماعتیں لوٹ لیں گی۔ اب وہ لوگ لوٹے جا رہے ہیں جو ہجرت کر گئے تھے۔"[3]

مولانا احمد علی لاہوری

لاہور کے مہاجرین کا قافلہ مولانا احمد علی (لاہوری) کی سرکردگی میں ۲۵ جولائی کو دو بج کر ۴ منٹ پر کیمبلپور (اب اٹک) پہنچا تو "مولانا (احمد علی) نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے مختصراً اس بات پر زور دیا کہ ہم خدمت اسلام کے لیے جاتے ہیں۔ ان خادموں کو جو کوئی بھی

---

1. روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء ص ۳، ۴
2. عزیز جاوید، حاجی صاحب ترنگزئی، ادارۂ تحقیق و تصنیف پاکستان، پشاور، اشاعت سوم اکتوبر ۱۹۸۲ء ص ۲۸۵
3. روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ یکم ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۶

والے ورے قدمے یا تقریر و تحریر کے ذریعے اعانت کرے گا، وہ بھی مستحق ثواب اسی طرح ٹھہرے گا، گویا وہ مہاجر فی سبیل اللہ ہے۔" [۱]

مولانا محمد مظہر اللہ دہلوی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اپنے والد مولانا محمد مظہر اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں "آپ نے گاؤکشی کی موافقت میں اور ترکِ موالات و تحریکِ ہجرت کے خلاف فتوے دیئے جو فتاویٰ مظہری (مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۰ء صہ ۳۲۱، ۳۲۹) میں محفوظ ہیں۔" [۲]

"فتاویٰ مظہری" خود پروفیسر محمد مسعود احمد نے مرتب کی، اس میں ۳۲۱، ۳۲۹ پر جو فتوے ہیں، ان میں ترکِ موالات اور ذبیحہ گاؤ کے مسائل پر تو فتوے موجود ہیں — تحریکِ ہجرت کے خلاف کوئی بات نہیں ہے، بلکہ فتاویٰ مظہری میں سرے سے کوئی فتویٰ تحریکِ ہجرت کے خلاف نہیں ہے۔ بعنوانِ امر ہجرت کے عنوان سے ایک سوال (نمبر ۲۹۷) ضرور ہے "موجودہ خطرات کے پیشِ نظر دہلی سے باہر جانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟" مولانا محمد مظہر اللہ (مسجد جامع فتحپوری دہلی) نے جواب میں فتویٰ دیا "موجودہ خطرات پر نظر رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص دہلی سے باہر کسی محفوظ مقام پر چلا جائے تو شرعاً اصلاً حرج نہیں، بلکہ مستحب ہے...... البتہ جس کو اس پر ظن غالب نہیں اور محض متردد ہے۔ اس کے لیے دہلی کا قیام اور اس سے نکلنا دونوں مساوی ہیں۔ اور اس کے ساتھ نیت بھی بخیر ہے تو دونوں مستحب۔ آیت مذکورہ کے مضمون پر نظر رکھتے ہوئے بربنائے احتیاط نکلے گا، تب بھی مستحب ہے۔" [۳]

فتویٰ کے آخر میں مرتب نے نوٹ لکھا ہے "غالباً یہ فتویٰ ۱۹۲۰ء میں "تحریکِ ہجرت" کے زمانے میں تحریر کیا گیا ہے، اسی زمانے میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے فتوے کے بعد مسجد فتحپوری میں دفترِ ہجرت بھی کھولا گیا تھا۔ (مرتب)"

[۱] روزنامہ "زمیندار" لاہور - ۳۰ر جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶

[۲] محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم۔ رضا پبلیکیشنز لاہور، فروری ۱۹۷۹ء صہ ۱۰۱

[۳] محمد مظہر اللہ دہلوی مفتی، فتاویٰ مظہری، جلد دوم (مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد) مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔ ۱۹۷۰ء صہ ۲۷۴، ۲۷۵

ہجرت کا دفتر سب سے پہلے فتحپوری ہی کھولا گیا تھا۔ عزیز ہندی کہتے ہیں: "جونہی کہ میں نے فتحپوری میں ہجرت کا دفتر قائم کیا، میرے شہر کی ایک پارچہ فرم نے جس کا دفتر دہلی میں تھا، بغیر میرے کہنے کے مجھے کچھ امداد بھیج دی۔" [۱]

یوں، ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد کا یہ دعویٰ حقائق کی روشنی میں درست ثابت نہیں ہوتا کہ مولانا محمد مظہر اللہ دہلوی (شاہی امام مسجد جامع فتحپوری دہلی) نے تحریکِ ہجرت کے خلاف کوئی فتویٰ دیا تھا۔ البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے ہجرت کے حق میں فتویٰ بھی دیا تھا اور ہجرت کا دفتر بھی کھلوایا تھا۔

مولانا محمد داؤد غزنوی

عزیز ہندی کا بیان ہے کہ مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے ہجرت کے جلسوں کی دہلی میں صدارت کی تھی اور انھی کے زیرِ صدارت ہجرت کا ریزولیوشن پاس ہوا تھا۔ [۲] مولانا ابوالکلام آزاد نے جو تفصیلی فتوئے ہجرت جاری کیا، اس کے آخر میں کہا: "...... بالفعل طریقِ عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل دے، وہ فوراً مجھے اپنے عزم سے مطلع کریں یا حسبِ ذیل اصحاب سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کریں: مولوی عبدالقادر صاحب وکیل قصور، مولوی محی الدین احمد، قصور، مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی، امرتسر، مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی اڈیٹر "البیان" لکھنؤ۔" [۳]

مولانا مولا بخش

عزیز ہندی جب ہجرت کے انتظامات کا جائزہ لینے راولپنڈی اور پشاور گئے تو کہتے ہیں کہ دہلی سے میں اور مولانا مولا بخش چلے۔" یہ بعد میں راولپنڈی کی جامع مسجد میں امام مقرر ہوا ...... اس نے کچھ دیر تک تحریکِ ہجرت میں میرے ساتھ حصہ لیا اور شاید وہ خود بھی ہجرت کرکے افغانستان پہنچا، مگر وہاں وہ مجھ سے نہیں ملا، بلکہ ان لوگوں کے ساتھ جو واپس ہوگئے

[۱] رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ۔ صہ ۷۹

[۲] " " " " صہ ۷۵

[۳] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۴

ہندوستان لوٹ آیا۔“[۱]

جانباز مرزا لکھتے ہیں: ”پنجاب میں مولانا مولا بخش خطیب جامع مسجد راولپنڈی، مولانا احمد علی لاہوری، عزیز ہندی، خان عبدالغفار خان، علامہ حسین میر کاشمیری، اقبال شیدائی اور دوسرے رہنما عوام کو ہجرت کی دعوت دے رہے تھے۔“[۲]

حکیم ابو تراب محمد عبدالحق

مولانا عبدالباری کا ہجرت کے متعلق مفصل اعلان ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء کے ”وکیل“ امرتسر میں شائع ہوا کہ وہ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے ہیں اور ہجرت کو فرض نہیں جانتے۔ تو حکیم ابو تراب محمد عبدالحق اڈیٹر اخبار ”اہل سنت والجماعت“ امرتسر نے لکھا: ”...... بھلا جس ملک کا حاکم بادشاہ غیر مسلم ہو اور حدود شرعی جاری نہ ہوں، علاوہ بریں اور بھی کئی قسم کی خرابیاں اس ملک میں موجود ہوں، وہ بھی دارالاسلام ہو سکتا ہے، نہیں ہرگز نہیں...... لہٰذا اس وقت ہجرت ضروری ہے۔ اور یہ مذہبی مسئلہ ہے، امید ہے کہ گورنمنٹ فراخ دلی سے مسلمانوں، بلکہ ہندو صاحبان کو بھی ہجرت کی اجازت دے گی۔ جیسا کہ حج کے لیے پچھلے سال اجازت دی تھی۔“[۳]

فتویٰ بازی

اللہ بخش یوسفی ہجرت کے فتووں اور تبلیغ کے پیش نظر لکھتے ہیں: ”ہمارے دور کے اکثر علماء جذبات کی رو میں ڈوب کر واقعات، حالات یا نزاکت وقت کے پیش و پیش کو قطعاً وقعت نہ دیتے ہوئے فتویٰ صادر کرتے رہے، چنانچہ اس موقع پر بھی ہجرت کا نعرہ تو لگا دیا گیا، لیکن کسی نے یہ سوچنے کی تکلیف نہ کی، آخر ان مہاجرین کا انجام کیا ہوگا...... “[۴]

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ نے مولانا شوکت علی کے نام ۴ اگست کو ایک تار دیا، جس میں کہا ”مُلّاں فوری ہجرت کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ حالت بہت خطرناک ہے۔ اس

---

۱ رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ۔ صہ ۷۸۹

۲ جانباز مرزا، حیاتِ امیر شریعت۔ مکتبہ تبصرہ لاہور صہ ۴۸ ....

۳ روزنامہ ”زمیندار“ لاہور ۹ مئی ۱۹۲۰ء، صفحہ آخر، روزنامہ ”پیسہ اخبار“ ۱۱ مئی ۱۹۲۰ء، صفحہ اوّل

۴ اللہ بخش یوسفی سرحد اور جدوجہد آزادی۔ مرکزی اردو بورڈ، لاہور صہ ۲۱۳

سیلاب کو روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔“[۱]

ظفر حسن ایبک کی ”آپ بیتی“ کے مقدمے میں شریف الحسن لکھتے ہیں: ”حیرت در حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے زعماء اور علماء اُس عہد کے افغانستان سے دُور از کار حسن ظن اور لاطائل امیدیں رکھتے تھے۔“[۲]

پیسہ اخبار (۲ جون) کے صفحہ اوّل پر منشی تاج الدین احمد تاج سابق اڈیٹر ”ہنٹر“ کی ایک نظم شائع ہوئی جس کا ایک شعر یہ ہے:

”سینکڑوں مشکلیں حائل ہیں سرِ راہِ غریب
مولوی دیتے ہیں فتوے مجھے ہجرت کے لیے“[۳]

خان عبدالغفار خاں نے خود بھی ہجرت کی تھی۔ وہ اپریل میں دہلی میں ہونے والی خدام خلافت کانفرنس میں شریک تھے (اگرچہ انھوں نے اسے خلافت کمیٹی کی آل انڈیا کانفرنس کہا ہے) لکھتے ہیں: ”اس کانفرنس میں عزیز نامی ایک جوشیلا نوجوان تھا۔ اس نے ہجرت کی تحریک پیش کی اور کہا کہ اس ملک سے ہجرت کرنی چاہیے۔ یہ بات اس وقت تک ہمیں کھیل نظر آتی تھی لیکن کھیل سے یہ مذاق اور پھر مصیبت کی شکل اختیار کر گئی۔“[۴]

غلام محمد عزیز امرتسری (المعروف بہ عزیز ہندی) ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ خان عبدالغفار خاں بھی خدام خلافت کانفرنس کے مندوب تھے۔ یہ سیاست کے میدان میں ان کی ابتدا تھی غفار خاں نے مجھے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تحریک کامیاب ہو، لیکن آپ افغانستان میں کیسے ہجرت کر سکیں گے، جب تک کہ وہاں کی حکومت آپ کو اجازت نہ دے۔ عبدالغفار خاں میری اجازت سے کر خفیہ طور پر چارسدہ کے راستے افغانستان گئے۔“[۵]

---

۱ روزنامہ ”پیسہ اخبار“ لاہور۔ ۴ راگست ۱۹۲۰ء

۲ ظفر حسن ایبک ”آپ بیتی“ حصہ اوّل (مقدمہ از شریف الحسن) منصور بک اڈوس، لاہور، صہ م

۳ روزنامہ ”پیسہ اخبار“ لاہور۔ ۲ جون ۱۹۲۰ء

۴ عبدالغفار خاں، خان ”آپ بیتی“ ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ، دہلی صہ ۴۴ (حصہ اوّل)

۵ رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ۔ صہ ۷۸۱

خان عبدالغفار خان فتویٰ بازی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہمارے مُلاؤں اور مذہبی رہنماؤں نے فتوے صادر کرنے پر زور لگا رکھا تھا کہ جو ہجرت نہیں کرے گا، اس کا بیوی سے قطع تعلق ہو کر طلاق ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ ہرنی ویسے بھی تیز گام تھی، جب اسے گھنگھرو پہنا دیئے گئے تو پھر کوئی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکا کہ کدھر چلی گئی۔"[1]

ڈاکٹر معین الدین عقیل اس صورت حال کے متعلق لکھتے ہیں: "منبروں پر سے کہا جانے لگا تھا کہ جو مسلمان ہجرت نہیں کریں گے، وہ بے دین ہو جائیں گے۔"[2]

"خیبر واپس آکر ۶۰۰ مہاجرین نے بیان کیا کہ ان کے متعلق افغانستان میں کوئی انتظامات نہیں کیے گئے، ان کے ساتھ سختی اور ظلم کیا گیا ...... یہ مہاجرین کھلے طور پر مُلاؤں اور ہجرت کمیٹیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔"[3]

۱۱ ستمبر کے پرچے میں "۲۰ ہزار مہاجرین واپس آ گئے" کے زیر عنوان جو خبر چھپی، اس میں بھی لکھا گیا: "مہاجرین عموماً ان لوگوں سے ناراض ہیں جنھوں نے ان پر تکالیف نازل کیں اور ان کو ہندوستان چھوڑنے کا مشورہ دیا۔"[4]

مہاجر واپس ہوئے تو پھر فتووں نے ان کا استقبال کیا

جو بدقسمت مہاجر واپس ہندوستان آ گئے، وہ ایک دفعہ پھر فتووں کی زد میں آئے۔ اللہ بخش یوسفی خلافت کمیٹی کے ممتاز راہنما تھے، لکھتے ہیں: "جو افغانستان میں مقیم ہو گئے یا آگے نکل گئے، ان پر تو جو گزری سو گزری، اور جو تباہ حال واپس لوٹے، ان کے خلاف 'کفر' کے فتوے لگے۔ ہجرت سے واپس لوٹنے والوں کو مسلمان نہ سمجھا گیا، ان سے معاشرتی بائیکاٹ کا اعلان ہوا اور کافی دنوں تک یہ فتوے بازی اور ہنگامہ آرائی جاری رہی۔"[5]

---

[1] عبدالغفار خان، "آپ بیتی" ص ۴۵
[2] تحریکات ملی ص ۲۱۳
[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶
[4] " " " " ۱۱ ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۶
[5] اللہ بخش یوسفی "سرحد اور جدوجہد آزادی" مرکزی اردو بورڈ لاہور۔ ص ۲۲۰

نواب جان محمد جونیجو بیرسٹر ایٹ لا سندھ نے پیر تراب علی شاہ کے زیر صدارت لاڑکانہ کے عام جلسے میں واپس آتے ہوئے مہاجرین کی اندوہگیں داستان سنائی اور کہا: "...... یہ مولویوں سے دریافت کرو کہ جو مہاجرین واپس لوٹ آئے ہیں، ان کے بارے میں ان کا کیا فتویٰ ہے۔ بعض نے کہا، تمھاری عورتیں تمھیں واپس نہیں مل سکتیں ......"[1]

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۳

ہجرت کے دیگر عوامل

ہجرت کے اسباب پر گفتگو ہو چکی ہے اور علمائے کرام کے فتووں اور تبلیغ کا ذکر آچکا ہے۔ تحریک ہجرت میں خلافت کمیٹی کا کردار کیا رہا اور مسلمانوں کے لیڈروں نے اس سلسلے میں کیا موقف اختیار کیا۔۔۔ اس کی تفصیلات آئندہ ابواب میں پیش کی جا رہی ہے۔ زیر نظر باب میں اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ مسلمانوں کے مسلمہ مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کے علاوہ دفتر مہاجرین نے تحریک ہجرت کے فروغ کے سلسلے میں کیا کیا اور افواہوں اور خوش فہمیوں نے لوگوں کو ملک چھوڑنے پر کیسے آمادہ کیا۔

خدام المہاجرین

ہجرت کے سب سے فعال مبلغ غلام محمد عزیز امرتسری (عزیز ہندی) تھے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ پرچم انھوں نے اٹھایا تھا۔ کہتے ہیں:

"جب ہم نے قید سے آزاد ہو کر اپریل ۱۹۲۰ء میں دہلی کے مقام پر ہجرت کا علم بلند کیا ہے تو میں اس وقت افغانوں کا دوسرا وفد امیر امان اللہ کے خسر سردار محمود طرزی کی قیادت میں منصوری میں بیٹھا انگریزوں سے بات چیت کرنے میں مشغول تھا"۔[1]

[1] رئیس احمد جعفری ندوی، سید، اوراق گم گشتہ (تحریک ہجرت کی تاریخ از عزیز ہندی) صفحہ ۶۵۔

تحریک ہجرت کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس کی افادیت پر بھی گفتگو کرتے ہیں:۔۔۔۔

اور یہ اوپر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ پاکستان کے موجودہ مسلمان اس زمانے کے مسلمانوں کی ذہنی افتاد سے اپنے آپ کو نسبت دے سکیں۔ آج کا مسلمان اپنی اسلامی لبادہ اور اخلاق کردار سے گر رہا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اپنے وقت کا ایک گمنام شخص جو بعد میں "عزیز ہندی" کے نام سے مشہور ہوا، تحریک ہجرت کی کبھی سربراہی نہ کر سکتا۔ وہ تحریک جس نے خواہ کچھ بھی ہو مسلمانوں کو ہندوستان سے الگ اپنی ہستی کے قیام اور آزادی کا الہام بخشا"۔[1]

عزیز ہندی اپنی اسی تحریر میں بتاتے ہیں کہ جب انھوں نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے فتویٰ منگوا لیا تو ایک تار کے ذریعے مطلع کیا "ہم" مسلمان ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت تک "ہم" کا مفہوم خود ان کے نزدیک واضح نہ تھا، لیکن جس طرح اس نعرے کی پذیرائی ہوئی، اس کے پیش نظر عزیز ہندی نے راولپنڈی اور پشاور کا دورہ کیا تاکہ وہاں مہاجرین کے لیے ضروری انتظامات کیے جائیں۔ عزیز ہندی نے دہلی میں دفتر مہاجرین قائم کر دیا اور ہجرت کا سب سے پہلا دفتر فتح پوری میں بنایا۔ ہجرت کے انتظامات کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً اخبارات میں دفتر مہاجرین دہلی کی طرف سے اعلانات چھپتے رہے۔ پہلے عزیز ہندی نے اپنے نام کے ساتھ "خادم المہاجرین" لکھنا شروع کیا مگر جب یہ ہجرت کر گئے تو دفتر مہاجرین کے دوسرے سیکرٹری نے اسے اپنے نام کا سابقہ بنا لیا۔

نمونے کے طور پر دفتر مہاجرین کی طرف سے جاری ہونے والے دو تین اعلانات نذر قارئین کیے جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ اگر دفتر مہاجرین دہلی والے مسلمانوں سے ہجرت کے موضوع پر اخبارات کے ذریعے مسلسل رابطہ نہ رکھتے تو شاید اتنے لوگ ہجرت کر کے پریشان نہ ہوتے، جتنے واقعتہً ہوئے۔

۲۶ مئی کے "زمیندار" میں چھپا:

"انجمن مہاجرین دہلی کا اعلان"

۹ رمضان المبارک سے قافلے روانہ ہوں گے

[1] رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشتہ۔ صـ ۷۷۔

دہلی ۲۴ مئی۔ دفتر مہاجرین (دہلی) نے ایک اعلان شائع کیا ہے کہ ہندوستان سے جانے والے مہاجرین کے استقبال اور ان کی عارضی سکونت اور خوراک وغیرہ کے انتظام کے لیے دو استقبالیہ کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں، جن میں سے ایک راولپنڈی میں اور دوسری پشاور میں ہے۔ اعلان میں لکھا ہے کہ جن اصحاب کا ارادہ ہجرت کا ہو، وہ راولپنڈی میں جمع ہو جائیں ......"[1]

یہی اعلان "پیسہ اخبار" میں بھی چھپا۔ آخر میں یہ بھی تھا: "۲۸ مئی ۱۹۲۰ء سے چھوٹے چھوٹے وفدوں کی روانگی شروع ہو گی۔ ہر مہاجر کو چاہیے کہ جتنا سرمایہ ہو سکے، اپنے ساتھ لے جائے۔ جو لوگ مفلس ہیں اور زادِ سفر نہیں رکھتے، وہ اپنے شہروں کے دولت مند مسلمانوں سے مدد طلب کریں۔"[2]

اس اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کو مانگ تانگ کر بھی ہجرت کرنے کی تحریک کی جاتی رہی۔

۳۰ جولائی کے "زمیندار" میں راستے کے سلسلے میں ضروری معلومات بھی فراہم کی گئیں اور یہ صلاح دی گئی کہ لوگ بالکل بے انتظامی کی حالت میں روانہ نہ ہوں:

"اعلان منجانب صدر دفتر مہاجرین دہلی

بارہا اس موضوع پر اعلانات شائع کیے گئے ہیں کہ مہاجرین روانگی سے پہلے رختِ سفر و زادِ راہ کا پورا انتظام کر کے روانہ ہوں، لیکن اکثر اصحاب بالکل بے انتظامی کی حالت میں روانہ ہو جاتے ہیں...... ہم مہاجرین کی اطلاع کے لیے ایک مرتبہ پھر راستے کے نشیب و فراز درج کرتے ہیں...... اس کے بعد ہم بہ ادب گزارش کرتے ہیں کہ صرف وہی حضرات ہجرت کا قصد کریں جو اس آخری وقت میں اسلام و خدائے اسلام کی خدمت و خوشنودی کے لیے اپنے اوپر تمام قسم کی سختیاں اور تکلیفیں برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۶ مئی ۱۹۲۰ء صـ ۳
[2] " "پیسہ اخبار" " ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء صـ ۳

خادم المہاجرین تجمل حسین خاں

آنریری سیکرٹری صدر دفتر مہاجرین دہلی۔"[3]

خوش فہمیاں

افغانستان کے امیر امان اللہ خاں نے ایک نظام نامہ جاری کیا اور مختلف وقتوں میں مہاجرین کو اپنے ملک کی طرف ہجرت کی دعوت دی۔ اس کی تفصیلات متعلقہ باب میں آئیں گی۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہندوستان کے اخبارات میں یہ خبریں جس انداز میں چھپیں، ان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ افغانستان میں دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور ان سے استفادے کا افتتاح مہاجرین ہی کو کرنا ہے۔ ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر میں چھپا: "جو لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان میں جائیں گے، انھیں افغانستان کی حکومت کی طرف سے بصورت تجرد ۶ جریب زمین ملے گی، اور بصورت عیال دار ۸ جریب۔ کاشت کے لیے غلہ، آلات کشاورزی کی خرید کے لیے پانچ روپے فی جریب بطور تقاوی دیئے جائیں گے۔ جب تک فصل تیار ہو، گزارہ کے لیے ہر، ۳۰ سیر آٹا فی کس جوان، ۲۲½ سیر ۶ سال کی عمر سے تا بلوغت ملے گا۔ مال گزاری تین سال تک معاف ہو گی۔ زرِ تقاوی تین سال کے بعد باقساط ادا کرنا ہو گا۔ اگر کوئی شخص زمینداری نہ کرنا چاہے اور اپنے طور پر کوئی کام کرنا چاہے، تو جو کام وہ کرنا چاہے، کرنے کی اجازت ہو گی۔"[4]

یاد رہے کہ اصل میں یہ اعلان حکومت افغانستان نے کیا تھا لیکن ہمارے اخبار اس انداز میں بھی اسے چھاپتے رہے، جیسے اس حقیقت کے اظہار و اعلان کے لیے کسی حوالے کی ضرورت نہ ہو اور اس کی صحت کے ذمہ دار اخبار خود ہوں۔ ہفت روزہ "اہلحدیث"[5] کا محولہ بالا اعلان بھی ایسا ہی ہے۔ ایک ماہ بعد اسی مجلے نے لکھا: "آج کل پنجاب خصوصاً شہر پشاور، لاہور اور امرتسر میں گھر گھر ہجرت کا چرچہ (چرچا) ہو رہا ہے۔ چلو چلو کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ...... غائر نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک میں قدرت کا ہاتھ ہے۔ جس کی حکمت معلوم نہیں ہے

[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۶
[4] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر۔ ۱۱ جون ۱۹۲۰ء صـ ۱۲
[5] " " " ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۱۰

اس سے اگلے ماہ جب التوائے ہجرت کی خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں، اہلحدیث نے "مہاجرین کا خیر مقدم: ازجانب جلالت مآب حضرت امیر امان اللہ خاں، امیر افغانستان زاد اقبالہ" کے عنوان سے امیر کا وہ فرمان چھاپ دیا جو انھوں نے افسر انتظام مہاجرین کو بھیجا تھا۔ فرمان کے بعد مندرجہ ذیل ادارتی سطور بھی لکھی گئی تھیں: "مختصر مطلب اس کا یہ ہے کہ ہندیوں نے بحکم فتہاجروا ہجرت اختیار کی ہے تو ہم افغانوں کو لازم ہے کہ ان کی خاطر کریں۔ چنانچہ بحکم جاھدوا باموالکم وانفسکم میں بذاتِ خود اپنی اراضی میں سے پندرہ ہزار جریب مہاجرین کی خدمت کے لیے دیتا ہوں۔"[1]

یہ وہ زمانہ ہے جب امیر افغانستان کا التوائے ہجرت کا اعلان آ چکا تھا۔ خود اہلحدیث کی متذکرہ بالا اشاعت میں ہجرت روک دینے کی خبر چھپی، لیکن اہلحدیث نے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا: "امرتسری ایک صاحب نے ایک مضمون کے ذریعے گورنمنٹ کی خیرخواہی کرتے ہوئے توجہ دلائی ہے کہ ہجرت مرضِ متعدی کی طرح پھیلتی جاتی ہے، گورنمنٹ کو فوراً اس کا انسداد کرنا چاہیئے —— ہمارے خیال میں گورنمنٹ کی خیرخواہی اس طرح نہیں ہو سکتی بلکہ اصل خیرخواہی یہ ہے کہ رعایا کے جذبات کا حکومت کو علم کرایا جائے، تاکہ اس کی تلافی کرے۔"[2]

معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے مبلغین نے قسم کھا رکھی تھی کہ سچی بات کہنے والے کو حکومت برطانیہ کا خیرخواہ قرار دے کر پوری طرح عامۃ المسلمین کو ہجرت پر اکسایا جائے۔ (یہ الگ سوال ہے کہ مفتیوں اور مبلغوں میں سے خود کس کس نے ہجرت کی تھی)

یہ دیکھنے کے لیے کہ کیسی کیسی خوش فہمیاں ہجرت کے ساتھ وابستہ کر دی گئی تھیں، ملاحظہ فرمایئے، ایک صاحب جو ہجرت کر کے افغانستان جا رہے تھے، پشاور سے اپنے بھائی کے نام خط میں لکھتے ہیں: "..... آج اسلام کا وہ چشمہ جس کا قطرہ عیسائی دنیا کو مدت سے لگا ہوا تھا، پھوٹ نکلا ہے اور عیسائی خرمن کو بہائے جائے گا۔"[3]

---

[1] ہفت روزہ "اہل حدیث"، امرتسر۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۱۱

[2] ایضاً

[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء

شعراء نے خاص طور پر روزنامہ "زمیندار" میں کس کس طرح لوگوں کو ہجرت کے لیے تیار کیا، اس کا تجزیہ الگ باب میں کیا جائے گا۔ فی الحال یہ بتانا مقصود ہے کہ لوگوں کو کس طرح کی خوش فہمیوں کے جال میں پھنسا کر ملک سے فرار پر ابھارا جا رہا تھا۔

محمد اسمٰعیل عیسیٰ امرتسری اہلِ ہند کو بگڑی بنانے کا نسخہ بتا رہے ہیں:

"اٹھو تم اے ملکِ ہند والو! اب اپنی بگڑی بنی بنا لو!
سنبھالو، ہوش اب ذرا سنبھالو! اٹھو کہ تم کو جگا رہے ہیں
تمام رشتوں کو توڑ عیسیٰ، تعلق اب حق سے جوڑ عیسیٰ
وطن کے جھگڑوں کو چھوڑ عیسیٰ، امیر صاحب بلا رہے ہیں"[1]

مولانا زین العابدین فرجاد (میرٹھ) کہتے ہیں:

"در امانِ حضرتِ غازی، امان اللہ خاں
عزمِ ہجرت سوئے دارالملک کابل کردہ ایم
فی امان اللہ رہید اے مومنانِ دین پناہ
کردہ ایم از ضعفِ ایمانی تأمل کردہ ایم"[2]

علماء، مبلغین، شعراء اور اخبارات نے عامۃ الناس کو ہجرت کی ترغیب دی۔ جو لوگ افغانستان کے سلوک اور حالات سے پریشان ہو کر وطن واپس لوٹے قدرتی طور پر ان کے خیالات ان کے دلوں میں خوش فہمیوں کی فصل اگانے والے مبلغینِ ہجرت کے بارے میں تلخ ہوئے —— "جو لوگ واپس آ گئے ہیں، ان کے خیالات افغانستان اور خلافت کمیٹی کے متعلق تلخ ہیں۔"[3]

پیسہ اخبار نے اپنے ایک اداریے میں لکھا: "نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس پر بھی بعض لوگ جو خود آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ خلافت اور

---

[1] روزنامہ "زمیندار"۔ لاہور۔ ۳ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ اول

[2] " " " ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ اول

[3] روزنامہ "پیسہ اخبار"۔ لاہور۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۰ء صہ ۲

مہاجرت کمیٹیوں کے رکن بنے ہوئے ہیں یا اپنے آپ کو مسلمانوں کے نہایت سرگرم راہنما مشہور کرنا چاہتے ہیں، ان بدنصیب مسلمانوں کو جو خلوصِ نیت سے ہجرت کر جانا کارِ ثواب سمجھتے ہیں، برابر ترغیب دے رہے ہیں...... افسوس ہے کہ جن لوگوں نے مہاجرین کو اکسایا اور ان کی پیٹھ ٹھونکی، انھوں نے اس بیچ میں اپنا فرض کما حقہ ادا نہیں کیا۔"[1]

بیس دن بعد پیسہ اخبار نے اپنے صفحۂ اول پر افغانستان سے واپس آئے ہوئے ایک "ثقہ اور معتبر مسلمان" مہاجر کی رُوداد شائع کی، ایڈیٹر نے اپنے نوٹ میں لکھا: "......

اسے ان اخبارات سے سخت شکایت ہے جنھوں نے مہاجرین سے اہلِ افغانستان کے سلوک کے غلط حالات شائع کر کے ہزار ہا سادہ دل مسلمانوں کو ہجرت کی ترغیب دلائی اور سینکڑوں جانوں کے اتلاف اور ان کے طعمۂ مصائب و غارت گری بنانے میں مدد دی۔"[2]

ایسے اخبارات میں "زمیندار" سرِ فہرست تھا۔ مولانا سروڑ نے ۳ اگست کو زمیندار کے نام برقی پیغام بھیجا کہ بہت سے لوگ امام لکی بنوں سے ہجرت کر جانا چاہتے ہیں۔ اسسٹنٹ کمشنر پروانۂ راہداری نہیں دیتے، کیا کیا جائے۔ زمیندار نے انھیں برقی جواب دیا "مہاجرین کے لیے پروانۂ راہداری کی ضرورت نہیں۔ جب گورنمنٹ ہند نہیں روکتی، تو اسسٹنٹ کمشنر صاحب کیوں روکتے ہیں۔ آپ شوق سے بسم اللہ کر کے جائیے۔"[3]

افسوس کہ بعض لوگ مہاجر کی حالت دیکھ کر یا جان کر بھی تحریکِ ہجرت کی افادیت کے قائل رہے۔ عزیز ہندی کہتے ہیں:

"کچھ عجب نہ تھا کہ ہم افغانستان سے مل کر ہندوستان پر ایک دفعہ اسلامی پرچم لہرا سکتے۔"[4]

---

۱ روزنامہ "پیسہ اخبار"۔ لاہور ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صـ ۲

۲ " " " ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صـ ۱

۳ روزنامہ "زمیندار" لاہور ۴ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۳

۴ رئیس احمد جعفری۔ اوراقِ گم گشتہ۔ صـ ۴۷۲

مولانا احمد علی لاہوری کی سوانح حیات "مردِ مومن" کے مؤلف بھی لکھتے ہیں: "اگر تحریکِ ہجرت کامیاب ہو جاتی تو اس کے نتائج انگریزوں کے حق میں مہلک ثابت ہوتے"[1] یعنی بعض لوگوں کی خوش فہمی تو افغانستان کی طرف ہجرت کے عمل سے ختم ہو گئی لیکن بعض لوگ خود بوجوہ اس سحر سے نہ نکل سکے یا بعض "مہاجرین" کے ماننے والے اپنے ممدوحین کے اس عمل کو غلطی قرار دینے کی جسارت گناہ سمجھتے ہوئے اس کی افادیت کے پرچارک رہے۔

افواہیں

ہندوستان کی حالت اور حکومتِ برطانیہ کے مظالم کے سلسلے میں طرح طرح کی افواہیں بھی پھیلائی گئیں اور ان افواہوں کی بنا پر لوگوں کو ترکِ وطن پر اکسایا گیا۔ "تحریکِ ہجرت کو ترقی اس مطلب کی جھوٹی اشتعال انگیز خبروں کی اشاعت سے دی گئی... کہ مقاماتِ مقدسہ پر برٹش سپاہ نے حملہ کیا اور انھیں ناپاک کیا۔"[2]

پروفیسر رشبرک ولیمس نے بھی لکھا " اس (واقعہ کچا گڑھی) کے ساتھ یہ بے بنیاد اور پریشان کرنے والی خبر پھیلی کہ برطانیہ عظمیٰ نے مکہ اور مدینہ — پر قبضہ کر لیا ہے......"[3] دیہاتیوں کو یہ تک کہا گیا کہ حکومتِ برطانیہ مسلمانوں کو فرائضِ منصبی ادا نہیں کرنے دے گی۔ "غیر مقامی لوگ اب تک غریب مسلمانوں کو یہ کہہ کر ہجرت پر اکسا رہے ہیں کہ ان کو سندھ میں نمازیں پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔"

افغانستان نے التوائے ہجرت کا اعلان کر دیا بعض مبلغینِ ہجرت اسے بھی افواہ قرار دینے کی افواہیں پھیلاتے رہے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان نے "التوائے ہجرت" کے اس اعلان کو انگریزی حکومت کا پراپیگنڈا قرار دیا اور کہا: "کیا یہ عظیم الشان الٰہی تحریک

---

۱ عبدالحمید خان۔ مردِ مومن۔ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ س ن (شاید ۹۳-۱۹۹۲ء) صـ ۵۸، ۵۷

۲ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۶

۳ رشبرک ولیمس، پروفیسر۔ مرقعِ ہند بابت ۱۹۲۰ء (ترجمہ مولانا عبدالمجید؟) دریابادی لکھنؤ ۱۹۲۲ء صـ ۹۰

۴ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۱

ان فریبوں سے رک سکے گی۔ کیا اللہ پاک کا بلند کیا ہوا شعلہ پھونکوں سے بجھ سکے گا.....؟[1]

التوائے ہجرت کا افغانی اعلان ہوا تو جو رسائل افغانی حکومت نے اس مطلب کے شائع کیے تھے، انھیں یار لوگوں نے حکومت برطانیہ کی طرف سے فرضی رسائل قرار دیا۔

روزنامہ "پیسہ اخبار" نے افواہیں پھیلانے والے ایسے ایجی ٹیٹروں کے بارے میں لکھا کہ جو قافلہ افغانستان جا رہا ہے اُسے تمام حالات معلوم ہو جائیں گے اور پتہ چل جائے گا کہ ہجرت کا التوا فی الواقع افغان حکومت نے کیا ہے، نہ کہ یہ حکومت برطانیہ کی سازش ہے۔ اُمید ہے جبکہ یہ قافلہ جلال آباد پہنچے گا، تو ان کو کافی حالات معلوم ہوں گے اور وہ ان لوگوں کو مطلع کریں گے، جن کو یقین ہے کہ مہاجرین کے ورغلانے کے لیے برٹش گورنمنٹ نے امیر کے نام سے فرضی رسائل شائع کرائے ہیں۔"[2]

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۸ راگست ۱۹۲۰ء صد ۲

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۹ راگست ۱۹۲۰ء صد ۲

ہجرت اور "لیڈران"

مولانا محمد علی جوہر

"تحریک ہجرت کے سلسلے میں علما میں سے بیشتر کا کردار فتوائے ہجرت کے باب میں عرض کیا جا چکا ہے۔ وہاں مولانا محمد علی جوہر کا بھی ذکر آیا تھا لیکن یاد رہے کہ جب ہندوستان میں تحریک ہجرت شروع ہوئی، مولانا محمد علی وفدِ خلافت کے قائد کی حیثیت سے یورپ میں مقیم تھے۔ وہ جس وقت ہندوستان واپس آئے اس وقت تک بیشتر مہاجر واپس آ چکے تھے۔ افغانستان کے "التوائے ہجرت" کے اعلان اور مہاجرینِ ہند کی واپسی سے ہجرت کا ہنگامہ ختم ہو چکا تھا، پھر بھی مولانا محمد علی نے ہجرت کے حق کہا۔" پاتھ وے ٹو پاکستان" میں چودھری خلیق الزمان نے لکھا: "الٰہ آباد کے ایک اجلاس منعقدہ نومبر ۱۹۲۰ء میں یہ سوال زیرِ بحث آیا تھا۔ مولانا محمد علی اس (ہجرت) کے حق میں ہوئے لیکن میں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا، میں تو اس کو شکست خوردہ ذہنیت خیال کرتا ہوں..... بعد میں میں نے سنا کہ بڑی کثرت سے تجویز منظور ہو گئی تھی۔" اللہ بخش یوسفی نے چودھری خلیق الزمان کی تحریر کو افسانے سے زیادہ حیثیت نہ دینے کی بات کی اور کہا: "اگر چودھری صاحب قدرے معلومات حاصل کر لیتے تو انھیں علم ہو سکتا تھا کہ تحریک ہجرت اس وقت شروع ہوئی جب مولانا محمد علی قائدِ وفدِ خلافت کی حیثیت سے یورپ میں مقیم تھے۔ اور تحریک ستمبر ۱۹۲۰ء میں ختم ہو چکی تھی..... حقیقت یہ ہے کہ تحریک ہجرت مولانا محمد علی جوہر کی عدم موجودگی میں شروع ہو کر جون، جولائی اور اگست ۱۹۲۰ء میں جوش دکھانے

کے بعد محمد علی کی واپسی سے قبل ہی ختم ہو گئی تھی۔"[1]

اللہ بخش یوسفی کا بیان درست ہے، لیکن اس سے جو نتیجہ انھوں نے اخذ کیا ہے، وہ درست نہیں۔ مولانا محمد علی جوہر تو ہجرت کے دنوں میں تو ہندوستان میں نہیں تھے لیکن جب آئے تو انھوں نے ہجرت کی تبلیغ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ ۲۳، نومبر کو دہلی میں بیرسٹر کی دوسری پولیٹیکل کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے دہلی میں انھوں نے ایک مثال کے ذریعے سے (جس کا حوالہ فتوی "ہجرت کے باب میں آ چکا ہے) ہجرت کی حمایت کی اور کہا "...... لہٰذا اگر قوت ہو تو جہاد کریں، ورنہ ہجرت کر جائیں۔" اپنی اسی صدارتی تقریر میں انھوں نے امرتسر میں اپنی تقریر کا بھی حوالہ دیا۔" امرتسر میں میں نے کہا تھا کہ بھائیو اب شکر ہے کہ ہم اپنی اپنی مسجدیں ہندو بھائیوں کے سپرد کر کے ہجرت کریں گے۔ اس پر میرے ایک ہندو دوست نے فرمایا، سنیے صاحب، مسجد کا قبضہ تو ہم نہیں لے سکتے ...... اگر ہندوستان کے مسلمان ہجرت کریں گے تو ہندو ان سے پہلے ہجرت کے لیے تیار ہیں۔"[2]

اپنے مشہور بیان کراچی میں مولانا محمد علی[3] نے کہا: "اگر ہندوستانی مسلمانوں کے پاس حکومت سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے ایک طاقت ور فوج موجود ہوتی اور اگر وہ سچے اور مخلص مسلمان ہوتے تو آج اسلام کے قانون سے مجبور ہو کر حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کرتے

---

[1] اللہ بخش یوسفی۔ سرحد اور جدوجہد آزادی۔ مرکزی اردو بورڈ۔ لاہور صہ ۲۳۵، ۲۳۶

[2] مولانا محمد علی جوہر۔ خطبہ ائے صدارت دار الاشاعت علوم اسلامیہ ملتان۔ صہ ۱۴، ۱۵

[3] مولانا محمد علی جوہر کی وفات کے بعد علامہ اقبال نے ڈاکٹر محمد عباس علی خان لمعہ جاگیردار ٹنڈہ پور ضلع مشرقی خاندیش صوبہ متوسط کے نام یکم فروری ۱۹۳۱ء کو ایک خط میں لکھا۔ "مسٹر محمد علی مرحوم کا خاتمہ بخیر ہوا۔ اگرچہ میں ان کی سیاست کا کبھی بھی مداح نہ تھا لیکن ان کی سادگی اور آخری سالوں میں اپنی بعض آراء کے بدل لینے میں جس امانت و دیانت کا انھوں نے ثبوت دیا، بہت احترام کا مستحق ہے"۔ (اقبال نامہ حصہ اول۔ مرتبہ شیخ عطاء اللہ صہ ۲۶۸)

اور ہمارا یہ جھگڑا خالق دنیا اول میں نہیں بلکہ کسی اور مقام پر فیصل ہوتا، جب بد قسمتی سے ایسی طاقت اور ایسی فوج میسر نہ ہو تو احکام اسلامی کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جتنے ہجرت کی استطاعت رکھیں، وہ کسی محفوظ ملک میں چلے جائیں ...... اس کے بعد جب ان کا ملک اس قابل ہو جائے یا وہ اپنے ملک کو اس قابل بنا لیں کہ وہاں خدا کی عبادت بے خلل کی جا سکے تو انھیں اختیار ہے کہ اپنے ملک کو مراجعت کر آئیں۔"[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی نے یورپ سے واپسی کے بعد مہاجرین ہند کو افغانستان میں پیش آنے والے مصائب یا تحریک کے "اثرات مابعد" کا لحاظ کیے بغیر ہجرت کی بات اپنائی، اس لیے چودھری خلیق الزمان کی بات غلط معلوم نہیں ہوتی۔

مولانا ظفر علی خاں

ہجرت کی تبلیغ کے ضمن میں مولانا کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ ان کی لیڈر شپ کے پیش نظر یہاں بھی ان کا کچھ ذکر کیا جائے گا۔ ۱۹، جون کو انھوں نے "ارمغان عیدی" کے زیر عنوان جو نظم شائع کی، اس کا ایک شعر ہے۔ ؎

مجھے بچوں کو عیدی جا کے دینی ہوگی کابل میں
جگر سے مانگ کر کچھ لعل و گوہر دیدۂ تر لا[2]

مہاجرین سندھ کے قافلے کی آمد کی خبر آئی تو مولانا ظفر علی خان نے "عظیم الشان تیاریاں" کے عنوان سے تیاریوں کی تفصیل بتائی اور قافلے کی پذیرائی کی دعوت دی۔[3]

۲۶، جولائی کے اخبار میں انھوں نے لکھا: "یہ تو معلوم ہوا کہ اب تک ۸۰۰ مہاجرین تو صرف ہجرت کمیٹی کی وساطت سے افغانستان جا چکے ہیں، لیکن دیگر ذرائع سے ہزار ہا با ایمان مسلمان اسلام کی عزت کے لیے وطن چھوڑ چکے ہیں۔"[4]

---

[1] محمد علی جوہر، مولانا۔ بیان کراچی۔ قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ۔ صہ ۱۰

[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۹، جون ۱۹۲۰ء صہ ۳

[3] " " " ۸، جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۳

[4] " " " ۲۶، جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲

۴ اگست کے شمارے میں انھوں نے ٹانک سے ہجرت کرنے کے خواہشمندوں کو لکھا کہ اسسٹنٹ کمشنر آپ لوگوں کو کیوں روک سکتے ہیں؟ آپ شوق سے بسم اللہ کر کے جائیے۔[1] چکوال میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے عدم تعاون اور ہجرت کے ذریعے زبردست اخلاقی دباؤ ڈالنے کو کہا۔[2]

۱۸ اگست کے زمیندار کے صفحۂ اول پر انھوں نے اپنی جو نظم شائع کی، اس کے تین شعر یہ تھے:

پشاور کو ہجرت نے خالی کیا ہے
وہاں جا کے دیکھا تو عالم تھا ہُو کا
کہا بڑھ کے لبیک آفریدیوں نے
وہاں جب گیا، قافلہ جرنیچو کا
بنا دے گی مُسلم کو مسلم یہ ہجرت
چھپا جس میں ہے رازِ حق سترہ کا[3]

التوائے ہجرت کی خبر پر انھوں نے "یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی" کا نعرہ لگایا۔[4] راولپنڈی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ صرف ۵ لاکھ مرد اور ۵ لاکھ عورتیں ہجرت کریں، اس سے زیادہ کا بوجھ افغانستان نہیں اٹھا سکتا۔[5] یہ وہ اس وقت کہہ رہے تھے، جب کہ افغانستان نے ہجرت روک دینے کا "فرمان" جاری کر دیا تھا۔

مہاجرین سندھ کا دوسرا قافلہ[6] لاہور پہنچا تو کسی صاحب نے پنجاب خلافت کمیٹی کے

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۴ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۳
[2] " " " ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۴
[3] " " " ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء
[4] " " " ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۴
[5] " " " ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء
[6] اگلے روز "زمیندار" نے اس کی وضاحت کی کہ حقیقتاً "قافلہ مہاجرین جو ۱۹ اگست کو یہاں پہنچا، وہ دوسرا نہ تھا، بلکہ چوتھا تھا۔" (زمیندار ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۴)

ارکان اور سندھ کے مہاجرین کو بتایا کہ ہجرت قطعی بند ہو چکی ہے، اس لیے مہاجر ہجرت نہ کریں۔ مولانا ظفر علی خان نے مزے لے لے کر ان "سی آئی ڈی کے سفید ریش بزرگ" کا خاکہ اڑایا اور لکھا: "سی آئی ڈی کے بزرگ بہت کچھ سمجھاتے بجھاتے رہے مگر ان کی بات کسی نے نہ مانی۔"[1]

مولانا شوکت علی

مولانا شوکت علی کا ذکر بھی فتویٰ ہجرت کے باب میں آ چکا ہے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا مشہور فتویٰ اپریل کے آخر میں سامنے آیا، لیکن مولانا شوکت علی نے اپریل کے وسط میں ہونے والی خلافت کانفرنس (مدراس) کے صدارتی خطبے میں سلطنت برطانیہ کی حدود سے ہجرت کر جانے کو واحد چارۂ کار قرار دیا۔[2]

اپریل کے چوتھے ہفتے میں پٹنہ کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے افغانستان اور ایشیائے کوچک کو ہجرت کر جانے کی دھمکی دی اور یہی پیغام وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری کو بھیجا۔[3]

مولانا شوکت علی نے مہاجرین سندھ کے نام الوداعی پیغام میں کہا "خدا نے چاہا تو ہم کسی دن آپ کو ملیں گے۔"[4] سندھ خلافت کانفرنس کے چھٹے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے انھوں نے کہا: "جو لوگ جور و ستم اور ایذا رسانی برداشت نہیں کر سکتے، ان کے لیے ہجرت چارۂ کار ہے تاکہ اپنے ایمان کی حفاظت تلاش کریں۔"[5] التوائے ہجرت کا اعلان ہوا تو انھوں نے ہجرت کے سلسلے کو قاعدگی دینے کے لیے افغان سفیر مقیم دہلی سے بذریعہ

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء
[2] " " " ۲۲ اپریل ۱۹۲۰ء
[3] " " " ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء
"پیسہ اخبار" لاہور ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء
[4] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۳ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶
[5] " " " ۳۱ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۴

خط و کتابت بعض بنیادی معاملات طے کیے۔[1] گاندھی جی نے بھی کہا ہجرت کا سبب بعض "شوکت علی جیسے لوگوں کی متعصبانہ تقاریر ہیں۔ اس میں مذہبی عقیدہ کا زور شامل ہے"[2] مہاجرین کو افغانستان میں مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کچھ وہاں مر گئے، کچھ ترکستان اور دوسری جگہوں پر چلے گئے، کچھ واپس ہندوستان آگئے۔ افغانستان سے جان محمد جونیجو کی سرکردگی میں ایک "وفد مہاجرین ہند" ہندوستان آیا تو مولانا شوکت علی نے مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے اکتوبر ۱۹۲۰ء کے ایک جلسے میں ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے جذبے کی تعریف کی[3]

مسلمانوں کے دیگر مذہبی راہنما

مولانا عارف ہسوی ایڈیٹر دہلی نے تبلیغ ہجرت میں عزیز ہندی کی سب سے زیادہ معاونت کی، تحریک میں ہجرت کی خبروں اور اعلانات کی خوب خوب اشاعت کی۔ عزیز ہندی کہتے ہیں، عارف ہسوی نہ ہوتے تو تحریک ہجرت پھل پھول نہ سکتی[4]

مولانا عبدالغفور سیکرٹری خلافت کمیٹی پشاور نے ۵ ستمبر ۱۹۲۰ء کو آل انڈیا خلافت کانفرنس (کلکتہ) میں ہجرت کی قرارداد پیش کی، اور سرحدی حکام کے رویہ کی بھی وضاحت (مذمت) کی، جس سے وہ تحریک ہجرت کو دبانا چاہتے ہیں[5]

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے ۲ جولائی ۱۹۲۰ء کو باغ بیرون موچی دروازہ لاہور میں بعد از نماز مغرب ہونے والے ایک جلسہ عام میں مسئلہ ہجرت پر تقریر کی"[6]

---

[1] آغا اشرف۔ پاکستان کا اسلامی پس منظر، مقبول اکیڈمی، لاہور طبع اول ۱۹۸۳ء ص ۱۹۰

[2] منصور علی ہندی الٰہ۔ بیداری ہند یعنی کارنامہ مہاتما گاندھی۔ دارالاشاعت بیداری ہند، میرٹھ بار اول۔ ۱۹۲۰ء ص ۱۹۵

[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۲ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۱

[4] رئیس احمد جعفری۔ اوراق گم گشتہ (تحریک ہجرت کی تاریخ از عزیز ہندی) ص ۸۱

[5] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۱

[6] " " ۳ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۳

مولانا محمد داؤد غزنوی کی صدارت میں ۱۹ اپریل کو دہلی میں وہ جلسہ عام ہوا تھا جس میں عزیز ہندی نے ہجرت کے موضوع پر تقریر کی تھی اور ہجرت کا ریزولیوشن پاس ہوا تھا[1] مولانا ابوالکلام نے جب فتویٰ ہجرت دیا تو ہجرت پر آمادہ ہونے والوں کو جن اصحاب سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کرنے کی ہدایت کی، ان میں مولانا محمد داؤد غزنوی بھی تھے[2] مہاجرین سندھ کو جو سپاسنامہ مسلمانان امرتسر کی طرف سے پیش کیا گیا، اسے پیش کرنے والوں میں یہ بھی تھے[3]

مولانا ثناء اللہ امرتسری شروع سے تحریک خلافت کے ساتھ تھے، چنانچہ ۱۹ جنوری کو وائسرائے ہند اور گورنر جنرل ہند سے ملاقات پر ایک وفد نے خلافت کے بارے میں جو یادداشت پیش کی، اس پر دیگر بڑے راہنماؤں کے ساتھ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے دستخط بھی تھے[4] انھوں نے مئی ۱۹۲۰ء میں مولانا عبدالباری کے فتوے پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ظلم کی بستی سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ[5] جون میں انھوں نے کہا کہ ہجرت مستحب ہے[6] مہاجرین سندھ کو مسلمانان امرتسر کی طرف سے سپاسنامہ اور ۵ سو روپے کی تھیلی مولانا ثناء اللہ نے پیش کی[7] جولائی کے آخر میں انھوں نے ہجرت کو مستحب اور بعض صورتوں میں فرض واجب قرار دیا[8]

---

[1] رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشتہ۔ ص ۶۹۵

[2] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء

[3] اہلحدیث امرتسر۔ ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء

[4] عزیز، کے کے۔ انڈین خلافت موومنٹ (۱۹۱۵-۱۹۳۳) پاکستان پبلشرز کراچی ۱۹۷۲ء ص ۱

[5] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲ مئی ۱۹۲۰ء

[6] اہل حدیث۔ امرتسر۔ ۱۸ جون ۱۹۲۰ء

[7] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۳ جولائی ۱۹۲۰ء / اہلحدیث امرتسر ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء

[8] ہفت روزہ "اہل حدیث" امرتسر۔ ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء

مولوی غلام محی الدین وکیل نے ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کے جلسۂ عام منعقدہ لاہور میں ملک سے ہجرت کر جانے کا شوشہ چھوڑا۔[1]

مولانا ابوالکلام آزاد نے ہجرت کا باقاعدہ فتویٰ جاری کیا تو جن اصحاب سے تفصیلی ہدایات لینے کی ہدایت کی، ان میں ان کا نام بھی شامل تھا۔[2]

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے ہجرت کے حق میں دھواں دھار تقریریں کیں اور ہجرت کی تحریک کی بڑی حد تک آبیاری کی۔[3] ۵ ستمبر ۱۹۲۰ء کو آل انڈیا خلافت کانفرنس میں ہجرت کے حق میں اور مہاجرین کی امداد کے لیے قرارداد پیش ہوئی تو شاہ جی نے اور مولانا شوکت علی نے اس قرارداد کی تائید کی۔[4] مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین لاہور پہنچی، تو مسلمانانِ امرتسر کی طرف سے جو سپاسنامہ پیش کیا گیا، اسے پیش کرنے والوں میں شاہ جی بھی شامل تھے۔[5] جانباز مرزا نے انھیں تحریکِ ہجرت کا خضرِ راہ کہا ہے۔[6]

مولانا احمد سعید دہلوی نے ۱۹ اپریل ۱۹۲۰ء کو خدامِ خلافت کانفرنس دہلی میں ہندوستان سے ہجرت کی بات چلائی۔[7] مولانا احمد سعید، ہجرت کے مبلغِ اعظم عزیز ہندی کے "زمرۂ اصحاب الشوریٰ" میں شامل تھے، دفترِ مہاجرین دہلی انہی کی نگرانی میں تھا، قافلوں میں شرکت کے لیے دفترِ مہاجرین کی طرف سے مشتہر کیا جاتا تھا کہ لوگ ان سے رابطہ قائم کریں۔[8]

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء

[2] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۴

[3] رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ۔ صـ ۷۶، ۸۲

[4] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء

[5] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء

[6] جانباز مرزا، حیاتِ امیرِ شریعت، مکتبۂ تبصرہ لاہور، بار اوّل، نومبر ۱۹۶۹ء صـ ۵۴

[7] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء

[8] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء/ روزنامہ "پیسہ اخبار" ۸ اگست ۱۹۲۰ء/ روزنامہ "پیسہ اخبار"۔ لاہور۔ ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء

مولانا حافظ احمد علی لاہوری نے دہلی دروازہ لاہور میں پنڈت رام بھجدت چودھری کی صدارت میں ہجرت کے موضوع پر نہایت اہم تقریر کی۔[9] لاہور کے مہاجرین کا قافلہ ان کی سرکردگی میں کیمبل پور پہنچا، تو انھوں نے ہجرت کے موضوع پر تقریر کی۔[10]

عبدالرزاق ملیح آبادی اور مولوی عبدالقادر وکیل قصور کے نام بھی مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے فتویٰ ہجرت کے آخر میں اس مقصد کے لیے شامل کیے تھے کہ جو لوگ ہجرت کا عزم رکھتے ہوں وہ مولانا ابوالکلام سے یا ان حضرات سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کر لیں۔[11]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ہجرت کو ہندوؤں کی خوشی قرار دیا کہ مسلمان اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچ جائیں ۔۔۔ یا ویسے ہی چھوڑ جائیں اور ہم تابعِ ہنود ہوں، ان کی مساجد و مزاراتِ اولیاء ہم پامال کریں اور ہمیں روکنے والے ملک میں نہ ہوں۔[12]

ملک لال خاں

محمد صادق قصوری لکھتے ہیں: "ملک صاحب (ملک لال خاں) نے ہجرت کمیٹی کے صدر، پنجاب کانگرس کے صدر، نیلی پوش تحریک اور اتحادِ ملت کے سیکرٹری کی حیثیت سے جدوجہدِ آزادی میں جو کردار ادا کیا، وہ نئی پود کے لیے مشعلِ راہ ہے۔"[13] عزیز ہندی لکھتے ہیں: "...... صرف مولانا داؤد غزنوی ہی نہیں، بلکہ گوجرانوالہ کے مشہور و معروف لیڈر ملک لال خاں بھی ہجرت کے ریزولیوشن کے مؤید تھے۔"[14] ایک دوسرے مقام پر ملک لال خاں کی اوّلیت کا اعتراف کرتے ہیں: "...... پہلی تقریر کے بعد گوجرانوالہ کے ملک

---

[9] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء

[10] روزنامہ "زمیندار"۔ لاہور ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء

[11] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۳۰ جولائی ۱۹۲۰

[12] احمد رضا خاں بریلوی، مولانا، رسائلِ رضویہ، حصہ دوم، مکتبہ حامدیہ، لاہور۔ ۱۹۷۶ء صـ ۲۰۳

[13] محمد صادق قصوری، اکابرِ تحریکِ پاکستان، حصہ دوم، گوندی بک ڈپو لاہور بار اوّل ۱۹۷۶ء صـ ۲۷

[14] رئیس احمد جعفری۔ اوراقِ گم گشتہ۔ صـ ۷۶

لال خاں نے سب سے پہلے میری حمایت کی"۔[1]

سیٹھ عبداللہ ہارون

خلافت کمیٹی کے معروف لیڈر سیٹھ عبداللہ ہارون نے کراچی سے مہاجرین سندھ کے سردار کو پشاور ایک تار بھیجا جس میں کہا "کیونکہ آپ نے سندھ کی دفتری حکومت سے تنگ آکر ہجرت اختیار کی ہے، اس لیے ہم آپ کے ضبط و احساسات کو نہایت استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس قافلے سے افغانستان میں ایک چھوٹی سی آبادی تو قائم ہو جائے گی۔ براہ مہربانی ہمارے ساتھ تعلقات قائم رکھیں۔ ہم کہیں بھی ہوں، ہمارے دل، آپس میں پیوست رہنے چاہییں، اس سفر میں خدا تمھارا حامی و ناصر ہو"۔[2]

حکیم عبدالقوی

مولانا شوکت علی نے تار کے ذریعے اخبارات کو یہ خبر بھیجی کہ سوم یوم خلافت پر یکم اگست ۱۹۲۰ء کو لکھنؤ میں عظیم الشان جلسۂ خلافت کی صدارت کرتے ہوئے حکیم عبدالقوی نے "اس خیال کی مذمت کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کے مذہبی جوش کو دیوانگی کہا جاتا ہے، یقین دلایا کہ مسلمانوں کی مخالفانہ روش جو مجبوراً اختیار کی گئی ہے، اس نے ہجرت اور مرکزی خلافت کمیٹی کے فیصلۂ عدم تعاون کو بمنزلہ فرض کہا ہے اور کہا کہ میں خود ہندوستان سے ہجرت کرنے والا ہوں"۔[3]

اللہ بخش یوسفی

"سرحد اور جدوجہد آزادی" کے مصنف اللہ بخش یوسفی نے ہجرت کمیٹی کے فعال کارکن کی حیثیت سے کام کیا اور اپنی اس تصنیف میں تحریک ہجرت کے مختلف پہلوؤں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔ محمد صادق قصوری ان کے متعلق لکھتے ہیں: "ملازمت چھوڑنے کے بعد آپ تحریک ہجرت میں شامل ہو گئے اور ہجرت کمیٹی کے صدر بن گئے۔

---

[1] رئیس احمد جعفری۔ اوراق گم گشتہ۔ ص ۷۸۰

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۶

[3] " " " " ۴ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶

انگریز حکومت نے قلعہ شب قدر کی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا، لیکن انھوں نے یہ حکم اس بنا پر ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ اب سرکاری ملازم نہیں ہیں، ایک شہری کی حیثیت سے جہاں چاہیں قیام کر سکتے ہیں"۔[1]

حاجی جان محمد چھوٹانی

مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے صدر مسٹر چھوٹانی نے مسلمانان ہند کے نام خلافت کمیٹی کے پیغام میں کہا "...... ہمیں مرکزی خلافت کمیٹی کی سرکردگی میں گورنمنٹ کے ساتھ ترک موالات کی سکیم پر عمل کرنا اور سودیشی کا استعمال کرنا چاہیے، اگر خدانخواستہ ترک موالات سے (کی) کارروائی سے کام نہ چلے یا یہ کارروائی ناقابل عمل ثابت ہو تو اس صورت میں ہمیں کسی ایسے ملک میں ہجرت کر جانا چاہیے، جہاں ہم اپنے فرائض آزادی کے ساتھ انجام دے سکیں"۔[2]

یہ وہی سیٹھ چھوٹانی ہیں جو خلافت کمیٹی کے مرکزی صدر ہونے کے ساتھ ساتھ خزانچی بھی تھے۔ اور انھوں نے خلافت کمیٹی کے لیے گاندھی جی کا دیا ہوا ایک پیسہ نیلامی میں ۵۰۱ روپے میں خریدا[3] اور پھر خلافت کمیٹی کا سترہ لاکھ روپیہ چپکے سے اپنے کاروبار میں لگا لیا تھا جس میں انھیں گھاٹا ہوا اور وہ خلافت کمیٹی کو نقدی کی صورت میں روپیہ نہ دے سکے، چند کارخانے دے دیئے، لیکن ان کی قیمت اتنی نہ تھی، جتنا روپیہ کھایا گیا تھا۔[4]

خان عبدالغفار خاں

عزیز ہندی "تحریک پاکستان کی تاریخ" میں لکھتے ہیں: "صوبہ سرحد کے خان عبدالغفار خاں بھی مندوب بن کر اس کانفرنس (خدام خلافت کانفرنس) میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ یہ سیاست کے میدان میں ان کی ابتدا تھی...... عبدالغفار خاں نے مجھ سے

---

[1] محمد صادق قصوری۔ اکابر تحریک پاکستان حصہ دوم۔ مرزی بکڈپو، لاہور۔ بار اول ۱۹۸۹(۱۹۷۹) ص ۸۶

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ اول

[3] قاضی محمد عدیل عباسی۔ تحریک خلافت، ترقی اردو بورڈ، دہلی ۱۹۷۸ء ص ۱۵۵

[4] عبداللہ ہارون سیٹھ حاجی، خطبۂ صدارت آل انڈیا خلافت کانفرنس بمقام لکھنؤ بتاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸ فروری ۱۹۲۷ء۔ قاضی محمد مجتبیٰ کرتانوی نے نیپیر روڈ کراچی سے شائع کیا۔ ص ۸۱

کو میں سرحد کا رہنے والا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کی تحریک کامیاب ہو لیکن آپ افغانستان میں کیسے ہجرت کر سکیں گے جب تک کہ وہاں کی حکومت آپ کو اجازت نہ دے۔ اس لیے آپ مجھے ایک وفد کی صورت میں اجازت دیں کہ میں خفیہ سرحد پار کر کے افغانستان جاؤں اور ان سے ہجرت کے متعلق بات چیت کروں۔ میں نے کہا بے شک جائیے اور افغانستان کو ہجرت کا خیر مقدم کرنے کے لیے آمادہ کیجئے۔ اور یہ کہ ہم علی الاعلان ہجرت کریں گے۔ خان عبدالغفار خاں یہ کہہ کر مجھ سے رخصت ہو گئے۔ وہ واقعی خفیہ طور پر چارسدہ کے راستے مجھ سے پہلے افغانستان جا چکے تھے"[1]

خان عبدالغفار خاں لکھتے ہیں: "۱۹۲۰ء میں میری دوسری شادی ہو گئی۔ اسی سال دہلی میں خلافت کمیٹی (؟) کی آل انڈیا کانفرنس منعقد ہوئی۔ میں بھی اس کانفرنس میں شامل ہوا۔ اس کانفرنس میں عزیز نامی ایک جوشیلا نوجوان تھا۔ اس نے ہجرت کی تحریک پیش کی اور کہا کہ ہمیں اس ملک سے ہجرت کرنی چاہیئے...... میں نے خود ہجرت کی"[2] خان عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی کہلاتے رہے[3]

موہن چند کرم داس گاندھی

ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں: "تحریک خلافت کی ناکامی نے مسلمانوں کی قوت عمل کو

[1] رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ، (تحریک ہجرت کی تاریخ از عزیز ہندی) صہ ۴۸۰، ۴۸۱

[2] عبدالغفار خاں، خان، آپ بیتی، ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ دہلی ۳۲، صہ ۴۴، ۴۵

[3] "آپ سرحدی گاندھی کہے جاتے ہیں، موصوف اتمان زئی ضلع پشاور کے رہنے والے ہیں اور ہندوستان کے مشہور و معروف قومی لیڈر ہیں، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی سے انکا بڑا قریبی تعلق تھا اور شاید شیخ الہند سے بیعت بھی تھے۔ خان عبدالغفار خاں نے خود ایک بار ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں بارہا شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ملاقات کا وقت اور جگہ کی اطلاع کسی شخص کے ذریعے کرا دیا تھا اور دیوبند سے پہلے کے یا بعد کے اسٹیشن پر اترتا تھا اور وہاں ہم دونوں مل کر باتیں کر لیتے تھے...... اس انکشاف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بہت ہی اہم امور انجام دیئے جاتے تھے جس کا علم شیخ الہند اور خان عبدالغفار خاں کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں ہوتا تھا" (ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار از مولانا اسیر احمد ادروی مرکز دعوت اسلام جمعیۃ علماء ہند، دیوبند۔ پہلا ایڈیشن جولائی ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۹)

منتشر کر دیا تھا۔ مہاتما گاندھی نے تحریک کا ساتھ دے کر اور ترک موالات اور ہجرت کی حوصلہ افزائی کر کے مسلمانوں کو اس حد تک مایوس و بے بس کر دیا کہ کانگرس کے مقابلے میں کوئی مؤثر آواز باقی نہ رہی" ہونا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں کہ "مسٹر ایم۔ کے۔ گاندھی جو تحریک خلافت کے آغاز ہی میں اس میں شامل ہو گئے تھے، تحریک ہجرت کے حامی تھے اور انھوں نے کبھی منظر عام پر اس کی مخالفت نہیں کی[2]

ڈاکٹر وحید قریشی نے گاندھی جی پر یہ الزام لگایا ہے کہ انھوں نے ہجرت کی حوصلہ افزائی کی، ڈاکٹر معین الدین عقیل نے انھیں تحریک کا حامی قرار دے دیا ہے، لیکن حالات اس کی تائید نہیں کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ گاندھی جی نے خلافت کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوششیں کیں اور مسلمان زعماء اس کام میں ان کے دست بازو بنے، گاندھی جی نے چاہا کہ مسلمان ملازمتیں چھوڑ دیں، بہول نافرمانی کے حوالے سے حکومت کے عتاب کی زد میں رہیں، کالجوں، سکولوں میں جو اکا دکا مسلمان پڑھتا ہے، وہ بھی تعلیم چھوڑ دے اور اس طرح ہندوؤں کے مقابلے میں کمتر اور ذلیل رہے۔ انھوں نے ہمیشہ حکومت سے یہ کہا کہ مسلمان تو حکومت کے خلاف جہاد کرنے والے تھے، میں نے انھیں روک رکھا ہے۔ خلافت کے موضوع پر گاندھی جی نے مسلمانوں کے جذبات اتنے برانگیختہ کر دیئے تھے اور یہ کہہ کر انھیں مجبور کر دیا تھا کہ اگر خلافت کے معاملے میں حکومت نے مسلمانوں کے مطالبات نہ مانے تو ہندو مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ایسے میں جب خلافت کے سلسلے میں ناکامی مسلمانوں کا مقدر بنی تو ان کے جذبات مولویوں کے فتووں کی سان پر چڑھ گئے اور ہجرت شروع ہو گئی۔ اس طرح کسی حد تک ہجرت کی راہ ہموار کرنے کا جرم ہندوؤں سے سرزد ہوا۔ پھر جب مسلمان ہجرت کرنے لگے تو ہندوؤں نے انھیں ہشیر باد دی، تعریف کی، ان کے گلے میں ہار ڈالے، نعرے لگائے، ان کے جذبۂ قومی کی توصیف کی ــــ اور اس طرح ان کی زمینیں، جائیدادیں اور مال برائے نام قیمت پر خرید لیئے۔ اسی لیے مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے لکھا کہ دشمن

[1] وحید قریشی ڈاکٹر، قائد اعظم اور تحریک پاکستان۔ مکتبہ عالیہ۔ لاہور ۱۹۸۰ء صہ ۳۵

[2] تحریکات ملی۔ صہ ۲۱۷، ۲۱۸

اپنے دشمن کی موت چاہتا ہے یا اس کی جلاوطنی پر خوش ہوتا ہے یا اسے عاجز و درماندہ دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو جہاد کے اشارے کیے۔ جب اس میں کامیاب نہ ہوئے تو "ہجرت کا بھڑا دیا کہ کسی طرح یہ دفعہ ہوں، ملک ہمارے کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یونہی چھوڑ جائیں، بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں۔ ان کی مساجد و مزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔ ناشاد جب یہ بھی نہ بنی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملت پر ابھارا ہے"۔[1]

یہ کہنا تو درست ہے کہ ہندو مسلمانوں کی ہجرت میں خوش تھے، اور ان کے عازم ہجرت ہونے سے تمام تر فوائد ہندوؤں نے حاصل کیے۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ رائے درست نظر آتی ہے۔ "جب لیڈروں نے ہندوؤں کے فریب میں آکر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ جوق در جوق ترک وطن کرنے لگے ...."[2]

ضیاء الدین احمد برنی کی یہ محتاط رائے بھی کچھ غلط نہیں کہ "..... اس کے بعد ہجرت کا دور شروع ہوا۔ بربادیٔ مسلم کی ہر قدم دارشے کو گاندھی کی "مہاتمایانہ" اشیرباد حاصل تھی"۔[3]

لیکن ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر معین الدین عقیل کی یہ بات درست نہیں ہے کہ گاندھی جی نے ہجرت کی حوصلہ افزائی کی، یا وہ تحریک کے حامی تھے۔ خلافت کانفرنس الٰہ آباد کے فیصلے کے مطابق مسٹر گاندھی نے وائسرائے ہند کے نام ایک خط بھیجا جس میں اطلاع دی کہ "ترکی صلح نامہ میں وزراء کے حتمی وعدوں کے مطابق ترمیم نہ ہوئی تو میں نے اپنے مسلمان دوستوں کو صلاح دی ہے کہ وہ گورنمنٹ سے تعاون ترک کر دیں اور ہندوان کی تقلید کریں"۔ مسٹر گاندھی نے اپنے خط میں اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ شدت کرنے والی جماعت کو میں نے

---

[1] احمد رضا خاں بریلوی، مولانا۔ رسائل رضویہ، جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور۔ ۱۹۷۶ء صہ ۲۴۳

[2] عبدالحکیم شرف قادری، مولانا۔ تذکرہ اکابر اہل سنت، مکتبہ قادریہ۔ لاہور، بار اول ستمبر ۱۹۷۶ء۔ صہ ۴۴۷، ۴۴۸۔

[3] ضیاء الدین احمد برنی، ہمارا قائد (ترجمہ از جہاں گرد)، کتاب منزل لاہور، بار دوم ۱۹۴۶ء صہ ۵۳

اس کے طریقوں سے بچا لیا ہے اور ہجرت کو بھی روک دیا ہے"۔[1]

سول اینڈ ملٹری گزٹ میں مسٹر گاندھی کے پنڈی جانے سے وہاں جوش پیدا ہونے کی خبر شائع ہوئی کہ "بازاروں میں سے جلوس نکالے جا رہے ہیں جو لوگوں کو تاکید کرتے ہیں کہ ترک وطن کریں"۔ اس پر "پیسہ اخبار" نے اداراتی شذرے میں لکھا کہ "اگر اس ترک وطن سے ہجرت مقصود ہے تو غالباً یہ بات درست نہیں، کیونکہ جہاں ایک طرف مسٹر گاندھی عدم تعاون کے حامی ہیں، انھوں نے کبھی ہجرت کی تائید نہیں کی۔ اس لیے مسٹر گاندھی کا پنڈی جانا مہاجرین کی ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا"۔[2]

چند دن بعد "پیسہ اخبار" نے پھر "مہاتما گاندھی ہجرت کے مؤید نہیں" کے عنوان سے لکھا "آج ایک صاحب نے بتلایا کہ غالباً مہاتما گاندھی سندھ کانفرنس میں شرکت کرنے اس واسطے گئے تھے کہ مسلمانان سندھ کو سمجھائیں کہ وہ اتنی بھاری تعداد میں ہجرت نہ کریں ..... اس لیے یہ خیال ہی غلط ہے کہ مہاتما گاندھی کے پنڈی جانے سے وہاں کی تحریک ہجرت کو مدد پہنچی ہے"۔[3]

ایم کے گاندھی نے ۲۲ جون کو وائسرائے سے اپیل کی جو ۳۰ جون کے "ینگ انڈیا" میں چھپی "..... اس ناانصافی پر اظہار ناپسندیدگی کرنے کے لیے مسلمانوں کے لیے صرف تین راستے کھلے ہیں، (۱) تشدد پر اتر آئیں (۲) عام ہجرت کا مشورہ دیں (۳) گورنمنٹ کے ساتھ عدم تعاون کر کے اس فریق میں شامل نہ ہوں جو ناانصافی کا مرتکب ہوا ہے۔ جناب والا کو علم ہوگا کہ ایک ایسا وقت تھا جب کہ مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ بہادر، لیکن نہایت کم سمجھ لوگ تشدد کی تائید کر رہے تھے اور محض "ہجرت" ہنوز نعرۂ جنگ کے بجائے استعمال کیا جا رہا ہے۔ میں یہ دعویٰ کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ بہت ٹھنڈے استدلال سے میں نے اشتداد پسند پارٹی کو اس کی راہ سے علیحدہ کیا ہے ..... اس کا نتیجہ یہ ہے

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲

[2] " " " " ۲۵ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲

[3] " " " " ۲۹ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲

کر تشدد کا سدِ باب ہو جائے، اور مسئلۂ ہجرت، اگرچہ اس کی سرگرمیاں بالکل بند ہو چکی ہیں، لیکن اس کو لائحۂ عمل سے دیکھ کر ضرور پہنچا ہے۔[۱] "ہندو مسلم اتحاد" کے باب میں گاندھی کے بارے میں تحریکِ خلافت کے رہنماؤں کے جس برخوردارانہ کردار کا ذکر کیا جا چکا ہے، وہ ان کی خلافت کی تائید کے حوالے سے تھے، تحریکِ ہجرت کی حمایت کے نقطۂ نظر سے بھی، ان علماء کے باقیات اب تک گاندھی جی کے بارے میں یہی خیالات رکھتے ہیں۔[۲]

قوم کی قیادت

ظفر حسن ایبک کی "آپ بیتی" کے مقدمے میں شریف الحسن لکھتے ہیں: "تحریکِ ہجرت کا سانحۂ ناندانگ سخت عبرت انگیز والم ناک ہے اور ہندی مسلمانوں کی سادہ لوحی و زود فریبی

۱۔ منصدی لعل ہندی، لالہ۔ بیداری ہند یعنی کارنامۂ مہاتما گاندھی، جلد اول۔ دار الاشاعت بیداری ہند میرٹھ، بار اول۔ ۱۹۲۰ء، ص ۱۶۴

۲۔ جمعیۃ علماء ہند دیوبند کے مولانا اسیر احمد ادروی لکھتے ہیں: "...... یہی وہ دور تھا جب افقِ سیاست پر وہ ستارہ طلوع ہوا جو اب تک گوشۂ گمنامی میں چھپا ہوا تھا جس کی ہلکی ہلکی کرنیں ہندوستان سے دور افریقہ کے ریگزاروں اور بیابانوں پر پڑ رہی تھیں۔ ہندوستان ابھی اس کے وجود کی اہمیت سے ناواقف تھا، یہ علماءِ کرام تھے جنھوں نے اس ستارہ پر چھائی ہوئی گمنامی کی بدلیوں کو ہٹایا...... جب اس ستارے نے ہندوستان کے افقِ سیاست سے طلوع کیا تو احترام میں لاکھوں اور کروڑوں ہندوستانیوں کی پیشانیاں اس کے سامنے جھک گئیں اور اسے "مہاتما گاندھی" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ علماءِ کرام نے اپنے جلسوں کی صدارت پیش کی، خلافت فنڈ سے ان کے دورے کا ملک گیر پروگرام بنایا...... مسلم سیاسی راہنماؤں کے کارناموں میں یقیناً یہ قابلِ فخر یادگار تذکرہ رہ جائیگا کہ انھوں نے ملک کو اتنا عظیم لیڈر دیا...... علماء کی مردم شناسی تھی جنھوں نے ایک ایسے جوہرِ قابل کو ڈھونڈ نکالا کہ اس نے کبھی ان کے تصورات و خیالات کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا۔ اور بالآخر ہندو مسلم اتحاد کے عظیم مشن کے سلسلے میں اس نے اپنی جان دے کر یہ ثابت کر دیا کہ علماءِ کرام کا انتخاب صحیح اور درست تھا۔ (ہندوستان کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کا کردار از مولانا اسیر احمد ادروی۔ پہلا ایڈیشن۔ جولائی ۱۹۸۱ء۔ صفحہ ۲۴، ۲۵)

کی آپ مثال ہے۔ محلِ استعجاب ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے لوگ اور نام نہاد قائدینِ ملت اور زعماءِ امت بین الملل سیاست سے کس درجہ ناآشنا اور ممالکِ اسلامیہ کے حق میں کس قدر خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔"[۱]

پروفیسر ولیمس رشبرک ہجرت کے معاملے کو "بازو رہے چپ کے انتہا پسند جماعت کے لیڈران" کا اٹھایا ہوا قرار دیتے ہیں۔[۲]

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان لیڈر جذبات، خوش فہمیوں اور غلط فہمیوں کی اساس پر اپنی سیاست کو چلاتے رہے۔ اسی لیے گاندھی جی ان کے سب سے بڑے راہنما بن گئے اور انھوں نے ان سے وہ کام کروا لیے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ اور ہندوؤں کے لیے سود مند تھے۔ عامۃ المسلمین نے ہر قربانی دی، مولویوں نے غلط سلط جو راہ قوم کو دکھائی، قوم اس پر چل کھڑی ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں اگر مسلمانوں کو صحیح معنوں میں کوئی راہنما مل جاتا تو برِصغیر کا نقشہ مختلف ہوتا۔ مولوی حکیم محمد حسین عرشی امرتسری[۳] کی یہ نظم جو اسی زمانے میں زمیندار کے صفحۂ اول پر چھپی تھی، "ضرورت ہے" کا بہت بڑا اشتہار تھی اور حالات و واقعات کا درست تجزیہ۔

قائدِ اعظم کی ضرورت

جب کہا آپ نے ارشاد کہ ہڑتال کرو ۔۔۔ ماننے کو ہوئے تیار صغار و کبار
جب کہا آپ نے آ جاؤ تہِ تیغِ ستم ۔۔۔ گردنیں جھک گئیں کہنے کہ ہم ہیں تیار
آپ نے قوم کو جب حکم دیا ہجرت کا ۔۔۔ نہ کیا عذر کسی نے، نہ کسی نے اصرار
جب اعانت کے لیے آپ نے چندہ مانگا ۔۔۔ نہ کیا قوم نے ہرگز کوئی اس میں انکار
الغرض آپ کو محسوس ہوئی جو خدمت ۔۔۔ اسکی تعمیل میں ہوتا تھا ہر اک کو اقرار
پھر سبب کیا کہ ابھی تک روشِ کارِ ہراس ۔۔۔ دورِ عمل میں ہے محدود ہماری رفتار؟

۱۔ ظفر حسن ایبک، "آپ بیتی" حصہ اول، منصور بک ہاؤس، لاہور، س ن۔ ص "ن"

۲۔ رشبرک، ولیمس۔ مرقعِ ہندیات ۱۹۲۰ء (ترجمہ مولوی عبد المجید ؟ دریاآبادی) مطبوعہ نقتقدار پرنٹنگ پریس لکھنؤ۔ بار اول۔ ۱۹۲۲ء ص ۵۹

۳۔ تاریخِ وفات ۵ جولائی ۱۹۸۵ء

کیوں سنورتی نہیں بگڑی ہوئی حالت اپنی — کیوں نکلتی نہیں تا حال کوئی صورتِ کار
میں یہ کہتا ہوں کہ بے خضر ہیں سب دشت نورد — ہو کوئی قائدِ اعظم تو نہیں کچھ دشوار
قوم میں جسکی طلب تھی تو وہ موجود ہے اب — اور کیا چاہیئے جُز رہبرِ فرخندہ شعار
مقتدی ملک میں موجود ہیں ہر اُمت کے — ہے مگر خالی ابھی جائے امام الاحرار

سیّد القوم کہ آں خادمِ ہم باشد
بایدا ایں کہ بہر شیوہ مکرم باشد[1]

پیر محمد حسن جان فاروقی مجددی:

"جب لیڈروں نے ہندوؤں کے فریب میں آکر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کرکے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ جوق در جوق ترکِ وطن کرنے لگے تو اس موقع پر بھی آپ (حضرت محمد حسن جان فاروقی مجددی) نے قوم کی رہنمائی کی اور ترکِ وطن سے ممانعت کی اور فرمایا: "وہاں اتنی گنجائش کہاں ہے کہ سب لوگ سما سکیں؟ خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوں گے اور مسلمانوں کے بادشاہ کو بھی تکلیف دیں گے۔ اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کو خوشی ہوگی"[2] محمد صادق قصوری نے بھی لکھا: "تحریکِ ہجرت کے مسئلہ پر آپ نے عوام کو اس کے نقصانات سے آگاہ کیا۔"[3]

پیر مہر علی شاہ چشتی گولڑوی

مولانا ظفر علی خاں نے ۵ر اگست کے "زمیندار" میں لکھا: "... ہمارے مشائخ میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب مدظلہم سجادہ نشین دربار گولڑہ شریف ایک نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی حیثیت صرف ایک پیر یا سجادہ نشین ہی کی نہیں، بلکہ وہ بہت بڑے عالمِ دین بھی ہیں... ایک طرف تو وہ ان اسرار و غوامض اور حقائق معارف کے حامل ہیں جن کا معدن و منبع شریعت ہے اور دوسری طرف ان نکات و دقائق کے ذربار جو تصوفِ اسلامی سے

[1] روزنامہ "زمیندار" ۱۴ر اگست ۱۹۲۰ء
[2] عبدالحکیم شرف قادری، مولانا، تذکرہ اکابر اہلِ سنت، مکتبہ قادریہ لاہور، بار اول ستمبر ۱۹۷۶ء صہ ۴۴۷، ۴۴۸
[3] محمد صادق قصوری، اکابر تحریکِ پاکستان حصہ دوم، نوری بکڈپو لاہور، بار اول ۱۹۸۹ء (۱۹۰۹ء) صہ ۲۲۷

تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں جناب ممدوح کی ذاتِ گرامی سے ہمیشہ عقیدت رہی ہے۔ پچھلے دنوں ہجرت کے متعلق ایک مراسلہ "زمیندار" میں شائع ہوا تھا، جس کا ماحصل یہ تھا کہ آپ نے اپنے کسی مرید کو ہجرت کی ترغیب دی اور فرمایا کہ میرے مریدوں میں سے جو شخص ہجرت کرے گا، اس پر میں بہت خوش ہوں گا۔ مراسلے کے چھپنے کے بعد جناب ممدوح کی طرف سے اس بیان کی تردید[1] کی گئی، اور ایسوسی ایٹڈ پریس کے ذریعے سے اس مطلب کا ایک تار ہندوستان بھر کے اخبارات میں شائع ہوا کہ پیر صاحب نے ہجرت کے متعلق کبھی ایسے خیالات کا اظہار نہیں کیا اور بیان مندرجہ بالا کی تغلیط کی گئی۔

اس کے بعد سندھ کے غیور و مخلص قافلہ سالارِ مہاجرین شیخ جان محمد صاحب جونیجو نے پشاور تک کے جو واقعات "زمیندار" میں شائع کرائے، ان میں انھوں نے گولڑہ کے متعلق لکھا کہ کوئی شخص سٹیشن پر ہمارے خیر مقدم کے لیے نہ آیا، نہ پیر صاحب کے نزدیک ہم مہاجرین ہیں اور نہ وہ ہمارے انصار..."[2]

مولانا ظفر علی خاں، پیرزادہ غلام دستگیر سیکرٹری خلافت کمیٹی گجرات اور میرزا قطب الدین سیکرٹری خلافت کمیٹی راولپنڈی کی معیت میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے تاکہ ہجرت اور اس کے متعلقات پر پیر صاحب کے اصلی خیالات معلوم کریں۔ مولانا ظفر علی خاں نے "زمیندار" میں لکھا: "ہجرت کے متعلق پیر صاحب نے فرمایا کہ ہجرت بجائے خود شرعاً فرض نہیں، لیکن اگر اس سے یہ مدعا ہو کہ اسلام کے بہترین اغراض و مقاصد کو ترقی دی جائے، تو ایک نہایت مقدس فرض ہے..... بہر حال میں ہجرت کو ایک عالمگیر حربے کے طور پر اختیار کرنے کا قائل نہیں۔"[3]

مولوی ظفر علی خاں نے چکوال میں بیس ہزار کے عظیم الشان مجمع میں "زبردست" تقریر کی، تو اس کی جو خبر "زمیندار" میں چھپی، اس میں انھوں نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے

[1] یہ تردید روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور کے ۱۱ر جولائی ۱۹۲۰ء شمارے میں صفحہ ۶ پر چھپی
[2] روزنامہ "زمیندار" - لاہور ۵ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۲
[3] روزنامہ "زمیندار" ۱۲ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۲

ساتھ اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا، لیکن اس میں ہجرت کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔[1]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی

تاریخ ادبیات پاکستان و ہند، جلد نہم (ص ۶۲) میں ہے: "سیاسی تحریکوں کے آغاز پر جب مسلمانوں کو ہندوستان چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر آمادہ کیا گیا، جس سے ہزاروں مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر افغانستان کی طرف کوچ کرنے لگے، تو مولانا احمد رضا خاں نے اس ہجرت کے خلاف فتویٰ دے کر مسلمانوں کو اس سیاسی غلطی سے بچانے کی کوشش کی۔"[2] مولانا احمد رضا نے "المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ" میں لکھا: "ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا جو بچارے میں آگئے، ان مصیبت زدوں پر جو گزری، گزری۔ یہ سب اپنے چوروں بچوں میں رہے، پتّا تک نہ پھڑکا۔"[3]

ڈاکٹر سیف الدین کچلو

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے فتوائے ہجرت سے بھی پہلے ۲۸، مارچ کو بیرون موچی دروازہ، لاہور میں ہندو مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ، سوال خلافت کے متعلق ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی صدارت میں ہوا، ڈاکٹر کچلو نے کہا: "کہا جاتا ہے کہ مذہب کے احکام کے مطابق ایسے میں بلکہ (جبکہ) اسلام خطرے میں ہو، دو طریقے ہوتے ہیں ـــــ ایک جہاد اور دوسرا ہجرت۔ جہاد کی کئی قسمیں ہیں، جس میں سے ایک جہاد بالصیف (بالسیف) یعنی تلوار کا جہاد ہے۔ اس کی ہندوستان کے مسلمانوں میں طاقت نہیں۔ اس سے سوائے بھاری نقصان کے اور کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ہم ہجرت کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ آٹھ کروڑ مسلمان اپنے عیال و اطفال کو لے کر اگر جائیں، تو کہاں جائیں۔ اس لیے ہمارے مہاتما گاندھی کی صلاح کے مطابق صرف ایک ہی طریقہ اختیار کر سکتے ہیں، جو ایسا زبردست ہے کہ اگر مسلمان لوگ دو ماہ کے لیے بھی اس کو عمل میں لائیں تو وہ یقیناً کامیاب ہو سکتے ہیں، وہ عدم معاونت کا ہے۔"[4]

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۲/ اگست ۱۹۲۰ء ص ۴

[2] محمد مرید احمد چشتی، خیابانِ رضا، عظیم پبلی کیشنز لاہور، بار اوّل، جولائی ۱۹۸۲ء ص ۱۲۸

[3] رئیس احمد جعفری۔ اوراقِ گم گشتہ۔ ص ۲۹۷

[4] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۳۰، مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ آخر

پیسہ اخبار لاہور نے اپنے ایک اداریے میں لکھا: "...... پولیٹیکل لیڈران مثل مسٹر گاندھی مسٹر کچلو وغیرہ نے برملا ہجرت کی مخالفت کی۔"[5]

جانباز مرزا نے ڈاکٹر کچلو اور گاندھی (جو ان کے اب بھی مہاتما ہیں) کے ساتھ ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی ہجرت کا مخالف لکھ دیا ہے: "مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور خود مہاتما گاندھی تحریک ہجرت کو آزادیٔ وطن کے لیے مضر خیال کر رہے تھے۔"[6] خیال فرمایئے، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام بھی ہجرت کے مخالف قرار دیئے جا رہے ہیں ـــــ !! شاید جانباز مرزا کے اس کردار کو "تاریخ ساز" قرار دیا جا سکے ـــــ۔

---

[5] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۷، اگست ۱۹۲۰ء ص ۲

[6] جانباز مرزا، حیاتِ امیر شریعت، مکتبہ تبصرہ، لاہور، ص ۴۹

خلافت کمیٹی اور ہجرت

ہجرت کی ذمہ داری خلافت کمیٹی پر عائد نہیں ہوتی؟

تحریکِ ہجرت کے نتیجے میں، جس طرح مسلمانانِ ہند کو پریشانیوں کا سامنا کرنا، اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ تحریک جذباتی اُبال کی طرح اُٹھی، اسلام کے نام پر مولویوں نے لوگوں کو بے گھر کردیا، مسلمانوں کی جائیدادیں کوڑیوں کے مول ہندوؤں نے خریدیں، کچھ مہاجر مسلمان سفری صعوبتوں کا شکار ہوگئے، کچھ افغانوں کی ستم ظریفیوں کے بھینٹ چڑھ گئے۔

اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ ہجرت کے بڑے بڑے مبلغوں نے خود ہجرت نہیں کی، حامیوں کو اپنے فتووں کی بھینٹ چڑھا دیا اور خود گوشۂ عافیت میں بیٹھے رہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب اس تحریک کا وہ نتیجہ نکلا جو آنکھوں والوں کو شروع ہی میں نظر آرہا تھا تو تاریخ جدوجہدِ آزادی لکھنے والوں نے اس سیاہ باب سے آنکھیں میچے ہوئے گزرنا پسند کیا۔ کتابوں میں تحریکِ ہجرت کے نام پر چند سطروں پر مشتمل ایک آدھ پیرے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اس میں بھی جو معلومات فراہم کی جاتی ہیں، وہ بیشتر غلط ہوتی ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ اگر قوم کی زندگی میں کوئی ایسا مرحلہ بھی آجائے، جہاں کوئی ایک یا ایک سے زیادہ راہنما غلط فیصلہ کر بیٹھیں، جذباتیت کا شکار ہو کر رہ جائیں، کسی نادرست تحریک کو روکنے کی ہمت نہ پائیں یا کوشش نہ کریں ——— تو اس باب کو فراموش کرنے کی کوشش اچھی نہیں ہوتی بلکہ اس کا تجزیہ کرکے قوم کو اور اس کے زعماء کو اس نتیجے پر پہنچنا چاہیے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہونے

پائے یا کوئی راہنما ایسی غلطی کا مرتکب ہونے لگے تو دوسرے اسے ماضی کا یہ سیاہ باب یاد دلائیں۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر میں نے تاریخ کے اس فراموش کردہ سبق کی جزئیات جمع کرکے نیک نیتی سے قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ گزشتہ باب میں تحریکِ ہجرت کے متعلق مسلمانوں کے سرکردہ راہنماؤں کے کردار کا تجزیہ کیا گیا۔ اس میں خلافت کمیٹی کے صفِ اوّل کے لیڈروں کا ذکر آگیا ہے۔ پھر بھی یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارم سے تحریکِ ہجرت کے حق میں یا خلاف کیا کیا گیا؟ خلافت کمیٹی نے کسی سطح پر اس تحریک کو روکنے کی کوشش کی یا نہیں۔ خلافت کمیٹی کے راہنما اور کارکن تحریکِ ہجرت کے اعضاء و جوارح تو نہیں بنے رہے۔

اس سلسلے میں آج کل جس طرح تاریخ بنائی جارہی ہے، اس کا ایک منظر یہ ہے کہ فائق کامران خلافت کمیٹی کے سب زعماء کو اس الزام سے بچا لیتے ہیں۔ اور محض "بعض غیر ذمہ دار افراد" کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں: "تحریکِ ہجرت خلافت کمیٹی کے عدمِ تعاون کے لائحہ عمل کا جزو نہیں تھا، بلکہ بھولے بھالے مسلمانوں نے بعض غیر ذمہ دار افراد کے کہنے پر مذہبی جوش میں یہ اقدام کیا تھا۔ اس لیے اس کی ذمہ داری خلافت کمیٹی کے اراکین اور دیگر ذمہ دار مسلمانوں پر عائد نہیں ہوتی۔ تاہم ان کا یہ قصور ضرور تھا کہ جب انھیں اس تحریک کا علم ہوا تھا تو وہ مسلمانوں کو اس ناعاقبت اندیشی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تاکہ ہزاروں مسلمان تباہی و خستہ حالی سے دوچار نہ ہوتے۔ مزید برآں جو لوگ تباہ و برباد ہو کر وطن واپس آئے تھے، ان کی منظم آبادکاری کا بھی انتظام کیا جاتا۔" [۱]

ڈاکٹر معین الدین عقیل نعیم قریشی کی تصنیف کے حوالے سے لکھتے ہیں: "تحریکِ خلافت بھی بڑی حد تک تحریکِ ہجرت کے اثرات سے محفوظ رہی۔ اس میں حصہ لینے والے راہنماؤں کی اکثریت نے ہجرت کو ایک ضمنی مسئلے سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اور مرکزی مجلسِ خلافت ——— نے جمعیۃ کی طرح ہجرت کی ضرورت اور عدمِ ضرورت کی بحث میں بے نیازی کے ساتھ حصہ لیا۔" [۲]

---

۱ فائق کامران۔ تحریکِ پاکستان، ہماری جدوجہدِ آزادی، فیروز سنز لاہور، راولپنڈی، س ن، ص ۱۱۴، ۱۱۵

۲ تحریکاتِ ملی۔ ص ۲۲۷

خلافت کمیٹی کا ہجرت سے تعلق

اس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ خلافت کمیٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کا کوئی تعلق اس تحریک سے نہ تھا۔ قصور اُن کا صرف اتنا ہے کہ جب انھیں اس تحریک کا علم ہُوا، تو انھوں نے لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش نہ کی۔ حالانکہ ہجرت کے دونوں بڑے مبلغ خلافت کمیٹی کے بہت بڑے لیڈر تھے ــــ مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ ہجرت کے دوسرے مبلغین کا ذکر بھی پہلے آچکا ہے، ان میں کوئی بھی تو ایسا نہیں جو خلافت سے متعلق نہ ہو، البتہ ضرور ہے کہ چلتے راہنماؤں اور علماء نے تحریکِ ہجرت کی مخالفت کی، وہ بیشتر خلافت کمیٹی سے متعلق نہ تھے۔

تحریکِ ہجرت کس نے شروع کی

یہ بات کہ خلافت کے لیڈروں یا کارکنوں کو اس تحریک کا علم بعد میں ہُوا تھا، کسی طرح دُرست نہیں۔ ۱۸؍ اگست ۱۹۲۰ء کے زمیندار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی: "پشاور۔ ۱۵؍ اگست۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کا ایک نامہ نگار پشاور سے بذریعہ تار اطلاع دیتا ہے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کی موجودہ صورتِ حالات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ تحریکِ ہجرت کی بنیاد مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے جیساکہ اس امر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی نے یہ تحریک مجوزہ ترکی کی شرائطِ صلح کے خلاف شروع کی ہے۔"[۱]

اس کا مطلب یہ ہُوا کہ یہ تحریک خلافت کمیٹی نے شروع کی حقائق کی کتاب کھولیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ خلافت کے اکا دُکا لیڈروں نے مارچ ۱۹۲۰ء ہی میں ہجرت کی راگنی جلسوں میں گانا شروع کر دی تھی، لیکن ۱۹؍ اپریل کو ہجرت کی باقاعدہ قرارداد غلام محمد عزیز (عزیز ہندی) نے خدام خلافت کانفرنس کے بعد شام کے خصوصی اجلاس میں پیش کی۔[۲] خان عبدالغفار خاں نے بھی یہی لکھا ہے، البتہ انھوں نے اس کانفرنس کو دہلی میں خلافت کمیٹی کی آل انڈیا کانفرنس لکھا ہے۔[۳]

---

[۱] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۸؍ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۳

[۲] رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ۔ محمد علی اکیڈمی لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۶۸ء صہ ۷۷۶۔۷۸۰

[۳] عبدالغفار خاں، آپ بیتی۔ ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ دہلی صہ ۴۴

اس سے بھی پہلے مولوی غلام محی الدین وکیل لاہور کے جلسے میں ہجرت کی بات کر چکے تھے۔

خلافت ورکرز کانفرنس

"پیسہ اخبار" نے ۲۰؍ اپریل کے اداریے میں لکھا: "کلکتہ کے جلسۂ خلافت یا دہلی کی خلافت ورکرز کانفرنس کے بعض مقررین کی نسبت معلوم ہُوا ہے بلکہ ریزولیوشن بھی ایسے پاس کرتے ہیں، جن میں صاف صاف کہتے ہیں کہ اگر مسلمانانِ ہند کے مطالبات خلافت کے متعلق منظور نہ ہُوئے، تو وہ سلطنت کے وفادار نہیں رہ سکیں گے۔ یا یہ کہ وہ سب ہندوستان سے ہجرت کر جائیں گے، یا جہاد کریں گے۔"[۱]

خدام خلافت کانفرنس بھی صرف کارکنوں کا اجتماع نہیں تھا، بڑے بڑے راہنما اس میں موجود تھے۔ مولانا حسرت موہانی اس کے صدر تھے۔ مولانا داؤد غزنوی کی صدارت میں ہجرت کا ریزولیوشن پاس ہُوا تھا۔ لوگوں نے اسی شام کے اجلاس میں ہجرت کے لیے اپنے نام بھی لکھوا دیے تھے۔[۲]

عزیز ہندی ہجرت کے داعی اور مبلغِ اعظم تھے۔ انھوں نے مولانا عبدالباری سے فتویٰ منگوا کر ہجرت کا اعلان کر دیا اور انتظامات کرنے کے لیے راولپنڈی اور پشاور گئے، تو وہاں جو لوگ ہجرت کے انتظامات میں ان کے دستِ بازو بنے، وہ مرزا قطب الدین وکیل جنرل سیکرٹری خلافت کمیٹی راولپنڈی اور سید آغا / فضل خاں (پشاور خلافت والنٹیر کور کا نڈر) تھے۔[۳]

پنجاب خلافت کمیٹی

مولانا عبدالباری کا فتویٰ بعض اخبارات کے یکم مئی ۱۹۲۰ء کے شمارے میں چھپا تھا لیکن اس سے بھی پہلے پنجاب خلافت کمیٹی کا اس معاملے میں کردار ملاحظہ ہو: "پنجاب خلافت کمیٹی لاہور نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پنجاب کے جو مسلمان ہجرت پر آمادہ ہوں، ان کے اسمائے گرامی ایک خاص رجسٹر میں قلم بند کیے جائیں، پس جو اصحاب ہجرت پر تیار ہوں، وہ اپنے نام مع مفصل پتہ

---

[۱] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۰؍ اپریل ۱۹۲۰ء صہ ۲

[۲] 〃 〃 〃 یکم مئی ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

[۳] رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ۔ صہ ۶۸۸، ۶۹۲

سیکرٹری صاحب پنجاب خلافت کمیٹی لاہور کے پاس بھیج دیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہر محلہ اور ہر شہر سے کوئی ایک صاحب مہاجرین کی فہرست مع مفصل پتہ تیار کر کے سیکرٹری صاحب کے پاس بھیج دیں۔

عبدالرشید

لاہور۔ ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء (منجانب) سیکرٹری پنجاب خلافت کمیٹی الاہور" [1]

خلافت کمیٹی سندھ

ابھی دنوں خلافت کمیٹی سندھ کے زعماء نے بھی ہجرت کے موضوع پر تقریریں کیں: "سندھ میں خلافت کا پہلا اجلاس ۴ جنوری ۱۹۲۰ء کو حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ دوسرا اجلاس اسی سال اپریل میں سیوہن میں منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا عبدالکریم درس نے کی۔ اس میں رئیس جان محمد جونیجو اور دوسرے رہنماؤں نے انگریزوں کے خلاف زوردار تقریریں کیں۔ اس ملک کو دارالحرب قرار دیا اور فیصلہ کیا گیا کہ ہجرت کی تحریک چلائی جائے۔" [2]

خلافت کمیٹی اودھ لکھنؤ

یکم ۲ مئی ۱۹۲۰ء کو خلافت کمیٹی اودھ لکھنؤ کے زیر اہتمام پراونشل کانفرنس اودھ کا جلسہ فیض آباد میں منعقد ہوا۔ جلسے کے صدر جناب مشیر حسین قدوائی تھے۔ اس میں تجویز دوم "یہ منظور ہوئی کہ یہ کانفرنس ہز مجسٹی سراج الملت والدین امیر امان اللہ خاں امیر افغانستان کی بارگاہ میں مسلمانان ہند کی طرف سے دلی طمانیت و شکرگزاری کا اظہار کرتی ہے کہ انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت امیر حبیب اللہ خاں مرحوم و مغفور کے دن، برسی کے موقعہ پر جو تقریر فرمائی، اس میں مسئلہ خلافت اور اماکن مقدسہ کے بارے میں مسلمانان عالم کی پوری ہم آہنگی فرمائی اور مسلمانان ہند کو بصورت ہجرت پوری مہمانی محبت و اخوت کے ساتھ افغانستان میں پناہ دینے کا وعدہ فرمایا۔" [3]

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء ص۳

[2] مجلہ برگ گل، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی۔ جوہر نمبر۔ ۱۴۰۱ ہجری (مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی)

[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۴ مئی ۱۹۲۰ء ص۲

خلافت کمیٹی سکھر

خلافت کمیٹی کا تحریک ہجرت کے ساتھ کتنا گہرا تعلق تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل خبر سے کیا جا سکتا ہے: "مارچ ۱۹۲۲ء میں ضلعی خلافت کانفرنس کا آٹھواں اجلاس سکھر میں منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا شوکت علی مرحوم نے کی۔ اس میں خلافت کمیٹی ضلع سکھر کے سیکرٹری عبدالستار آدم نے جو رپورٹ پیش کی، اس میں انھوں نے رئیس جان محمد جونیجو مرحوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا: "ہجرت کا معاملہ جس نے حکومت کو ایک دم سخت پریشان کیا، اس کی کامیابی کا سہرا رئیس المہاجرین نواب جان محمد جونیجو کے سر ہے جو اپنی سرکردگی میں پہلی اسپیشل ٹرین لے کر افغانستان گئے۔" [1]

خلافت کانفرنس مدراس

اپریل ۱۹۲۰ء کے تیسرے ہفتے میں مدراس کی خلافت کانفرنس کے صدر نشین مولانا شوکت علی نے اپنی تقریر میں کہا: "اگر ان (مسلمانوں) کے مذہبی مطالبات کے ساتھ حقارت آمیز برتاؤ کیا گیا تو خدا سے ڈرنے والے مومن مسلمانوں کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ سلطنت برطانیہ کی حدود سے نکل جائیں۔" [2]

خلافت کمیٹی کے ایک اور لیڈر ملک لال الدین احمد قیصر لاہوری کی نظم "زندگی کا راز" ۳۰ اپریل کے زمیندار میں چھپی، جس کے دو شعر ہیں:

خلافت کی محفل جو ہو بے چراغ
تو ہجرت کی مشعل جلاتا ہوں میں!!
وطن چھوڑ دے اور ہو بے وطن
تجھے تیری وسعت دکھاتا ہوں میں [3]

---

[1] مجلہ برگ گل کراچی۔ جوہر نمبر۔ ۱۴۰۱ ہجری (مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی)

[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء ص۴

[3] " " " ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء ص۳

سیکرٹری سندھ خلافت کمیٹی

۲۴ مئی کو سندھ خلافت کمیٹی کے سیکرٹری جان محمد جونیجو نے لاڑکانہ سے برقی پیغام کے ذریعے اخبارات کو اطلاع دی کہ "ہز ایکسیلنسی گورنر بمبئی کے پولیٹکل سیکرٹری کے نام اس مطلب کا تار بھیجا گیا کہ مذہب میں دست اندازی کی وجہ سے ۲۵ ہزار مسلمان افغانستان کی طرف ہجرت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں"[۱]

سرحد خلافت کمیٹی

جلال آباد (افغانستان) کے ہفت روزہ "اتحاد مشرقی" نے خبر دی کہ مہاجرین کا پہلا قافلہ ۲۶ مئی کو سید سکندر شاہ صاحب معتمد خلافت کمیٹی صوبہ سرحد کی سرکردگی میں جلال آباد پہنچ گیا۔[۲]

انجمن تائید الخلافت

ہجرت کے مسئلے پر باغ بیرون موچی دروازہ لاہور میں مسئلہ ہجرت پر ہونے والے جلسے کی خبر چھپی، جس میں مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے خطاب کا اعلان تھا، اور خبر فیروز الدین سیکرٹری انجمن تائید الخلافت لاہور کی طرف سے تھی۔[۳]

خلافت کمیٹی اور ہجرت کی تبلیغ

۲ مئی ۱۹۲۰ء کو جیکب آباد (سندھ) میں ایک خلافت کانفرنس ہوئی ..... ان لوگوں نے جنھوں نے ہجرت کر جانے کا اعلان کر دیا تھا، بار بار مداخلت کی۔"[۴]

۱۲ مئی (۱۹۲۰ء) کو مرکزی خلافت کمیٹی کا ایک اور اجلاس ہوا جس میں جہاد، ہجرت اور ترک موالات کے مسائل زیر بحث آئے ...... بعض انتہا پسند جہاد یا ہجرت کے فیصلے سے کم پر راضی نہ تھے۔[۵]

۲۳ تا ۲۵ جولائی کو ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا، انٹلی جنس کی رپورٹ سے بھی کانفرنس کے

---

۱ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۶ مئی ۱۹۲۰ء صہ ۴

۲ 〃 〃 〃 ۲ جون ۱۹۲۰ء صہ ۴

۳ 〃 〃 〃 ۲ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۴

۴ تحریکات ملی۔ صہ ۳۴۱

۵ ایضاً

مقام اور صدر کے نام کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کانفرنس اور اس میں ہجرت کے تذکرے کے تعلق سے ایک سرکاری افسر نے رپورٹ دی کہ تحریک ہجرت کا مقصد مہاجرین کو افغانستان میں بالشوزم کی تعلیم و تربیت دینا ہے۔[۱]

لکھنؤ میں یکم اگست ۱۹۲۰ء کو سوم یوم خلافت پر جو "عظیم الشان جلسۂ خلافت" ہوا، اس کی خبر مولانا شوکت علی نے تار کے ذریعے اخبارات کو بھیجی۔ صدر جلسہ حکیم عبدالقوی نے ہجرت کو فرض قرار دیا اور کہا کہ "میں خود ہندوستان سے ہجرت کرنے والا ہوں"[۲]

تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ کے مہاجرین کا قافلہ ہری پور ریلوے سٹیشن سے گزرا، تو "خلافت کمیٹی کے اراکین اور دیگر مسلمانوں نے ان کا استقبال کیا۔"[۳]

۱۵ اگست کے زمیندار کی خبر ہے "مقامی (پشاور) خلافت اور ہجرت کمیٹیاں اپنے رضا کاروں کی امداد سے کثیر التعداد مہاجرین کے استقبال اور روانگی کا انتظام کرتی ہیں۔"[۴]

۲۸ اگست کی ایک خبر ملاحظہ ہو۔ "مسلمانان جموں کا ایک عظیم الشان جلسہ فصیل شہر کے متصل میدان میں نہایت جوش و خروش سے ہوا، خلافت کا مفہوم اور خلافت کمیٹیوں کے مقاصد کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد ہجرت کا اصل مطلب اور موجودہ صورت حال سے حاضرین کو آگاہ کیا گیا۔"[۵]

افغانستان نے ہجرت روک دینے کا حکم جاری کر دیا تو بھی پنجاب خلافت کمیٹی نے لوگوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ خبر غلط ہے، ہجرت مت روکو۔ "پیسہ اخبار" نے ایک ادارتی شذرے میں لکھا۔ "آج کے اخبار میں افغانستان میں التوائے ہجرت کے متعلق پنجاب خلافت کمیٹی کے اعلان کا جو حصہ درج کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ التوائے ہجرت

---

۱ تحریکات ملی۔ صہ ۳۴۷، ۳۴۹

۲ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۴ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

۳ 〃 〃 〃 ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۳

۴ 〃 زمیندار 〃 ۱۵ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۴

۵ 〃 پیسہ اخبار 〃 ۱۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

کی تحریک امیر افغانستان کی ذات سے صادر نہیں ہوئی، بلکہ اس کا صدور خود مہاجرین ہند کی ایک جماعت سے ہوا..... ایسی صورت میں یہ کہنا کہ تحریک ہجرت کو امیر افغانستان نے روک دیا یا اسے کسی اور طاقت نے رکوا دیا، بالکل ہی غلط ہے۔"[1]

مولانا احمد علی لاہوری خود خلافت کمیٹی کے رہنما تھے، جب وہ ہجرت کے لیے چلے، تو خلافت کمیٹی لاہور نے ۵ ہزار، خلافت کمیٹی سیالکوٹ نے ۵ سو، خلافت کمیٹی گوجرانوالہ نے ۵ سو اور خلافت کمیٹی جہلم نے ۲ سو روپے اُن کے ہاتھ مہاجرین کی مدد کے لیے بھجوائے۔[2]

اس تحریک ہجرت کے آغاز میں دفتر مہاجرین دہلی سے "ہجرت کی تیاری" کے عنوان سے جو اعلان شائع ہوا، اس میں بتایا گیا کہ "..... ضروری خط و کتابت جناب مرزا قطب الدین صاحب سیکرٹری خلافت کمیٹی راولپنڈی کی وساطت سے ہونی چاہیے۔"[3]

خلافت کمیٹی / جمعیت علماء ہند

جمعیت علماء ہند، خلافت کانفرنس کی کوکھ سے پیدا ہوئی تھی اور اس میں وہی تمام حضرات تھے: "۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا..... خلافت کانفرنس کے اسی اجلاس میں برصغیر کے تمام صوبوں سے علماء کی ایک معتدبہ جماعت دہلی میں جمع ہوئی جب علماء خلافت کانفرنس سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ایک علیحدہ جلسہ منعقد کیا، جس میں ۲۵ علماء نے شرکت کی..... تمام حاضرین جلسہ نے باتفاق منظور کیا کہ ایک جمعیت قائم کی جائے جس کا نام "جمعیت علماء ہند" رکھا جائے۔"[4]

جمعیت علماء ہند کے اس اساسی اجلاس میں شامل علماء میں سب سے پہلا نام مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا تھا، مولانا عبدالباری نے ہجرت کا فتویٰ دیا مگر کبھی اسے فرض عین نہیں کہا، جون میں ان کا اعلان چھپا کہ "جو فیصلے الٰہ آباد کے جلسہ میں علماء کے ساتھ مشورے کے

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۲، ستمبر ۱۹۲۰ء، ص ۲
[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۰ ر نومبر ۱۹۲۰ء ص ۲
[3] " " " ۲۰ رمئی ۱۹۲۰ء ص ۵
[4] پروین روزینہ، جمعیت علماء ہند، جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد طبع اول، ۱۹۸۰ء ص ۱۳، ۱۴

بعد کیے گئے ہیں، میرا آئندہ طریق عمل انھی پر مبنی ہوگا۔" اس میں انھوں نے کہا: "اگرچہ ہجرت فرض عین نہیں ہے، لیکن آخری تدبیر کے طور پر اسے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔"[1]

ہجرت ہند ہونے کی خبریں چھپنا شروع ہوئیں تو ہجرت کمیٹی دہلی کے آنریری سیکرٹری نے اس موضوع پر ایک طویل بیان دیا جس کے آخر میں ہجرت کے لیے جمعیت علماء ہند کے اعلان کا انتظار کرنے کو کہا گیا، (کیونکہ حقیقت یہی تھی کہ خلافت کمیٹی اور جمعیت علماء ہند ایک ہی بات تھی) "البتہ ہر مہاجر سے اتنا ضرور عرض کیا جاتا ہے کہ جب تک جمعیت کا صاف اور صریح اعلان روانگی شائع نہ ہو، اس وقت تک کوئی مہاجر اپنا سامان یا جائیداد وغیرہ فروخت نہ کرے۔"[2]

عزیز ہندی کے دفتر مہاجرین دہلی سے جتنے اعلان جاری کیے جاتے تھے، ان میں ہجرت کے لیے جمعیت علماء ہند (گلی قاسم جان دہلی) کے ناظم مولانا احمد سعید دہلوی سے رابطہ قائم کرنے کی تلقین ہوتی تھی۔[3] مولانا احمد سعید ہجرت کے پہلے مبلغین میں سے ہیں، خدام خلافت کانفرنس میں بھی انھوں نے ہجرت کی بات زور سے کی تھی۔ "۱۹ راپریل کو دہلی میں خلافت ورکرز کانفرنس منعقد ہوئی، مولوی فضل الحسن (حسرت موہانی) صدر نشین تھے، مولوی احمد سعید صاحب واعظ دہلوی نے جو تقریر کی ہے، وہ بعض اخبارات میں چھپی ہے، اسی طرح بعض دیگر صاحبان نے بھی تقریریں کی ہوں گی، ان تقریروں سے بے انتہا غصہ اور مایوسی ظاہر ہوتی ہے، مولوی احمد سعید صاحب نے بار بار کہا کہ ہم جہاد یا ہجرت کرنے کو تیار ہیں۔"[4]

خلافت کمیٹی کے "بڑے" اور ہجرت

سیٹھ جان محمد چھوٹانی صدر مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی نے "مسلمانان ہند کے نام خلافت کمیٹی کا پیغام" کے عنوان سے درج ذیل بیان دیا جنھیں مرکزی خلافت کمیٹی کی سرکردگی میں گورنمنٹ

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۳ رجون ۱۹۲۰ء ص ۶
[2] " زمیندار " ۲۰ راگست ۱۹۲۰ء ص ۲
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۹ رجون ۱۹۲۰ء ــ و ــ ۲۳ جولائی ۱۹۲۰ء / روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۸ راگست ۱۹۲۰ء ــ و ــ ۱۱ راگست ۱۹۲۰ء
[4] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲ راپریل ۱۹۲۰ء ص ۱۲ (اداریہ بعنوان "آئینی یا غیر آئینی ایجی ٹیشن")

کے ساتھ ترکِ موالات کی سکیم پر عمل کرنا اور سودیشی کا استعمال کرنا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ ترکِ موالات سے (کی) کارروائی سے کام نہ چلے یا یہ کارروائی ناقابلِ عمل ثابت ہو تو اس صورت میں ہمیں کسی ایسے ملک میں ہجرت کر جانا چاہیے، جہاں ہم اپنے فرائض آزادی کے ساتھ انجام دے سکیں۔"[۱]

مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا: "واضح رہے کہ جو صورت اس وقت ہندوستان میں درپیش ہے، شرعاً اس کی یہ صورت نہیں ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص بطورِ خود ارادہ کرے اور نکل کھڑا ہو، بلکہ ہجرت کے تمام اعمال تنظیم و جماعت کے ساتھ انجام پانے چاہئیں۔"[۲]

مولانا ظفر علی خاں، سیکرٹری پنجاب خلافت کمیٹی نے راولپنڈی میں خلافت کمیٹی کے "عظیم الشان جلسے" میں کہا: "ہجرت کرنے والوں کو ایک عظیم دینی سلطنت ملے گی ...... دس لاکھ مہاجر ہجرت کر سکتے ہیں، مگر وہ جو ہنرمند دماغ رکھتے ہوں، جن کے پاس دولت ہو یا جو قوتِ بازو رکھتے ہوں۔ ان دس لاکھ میں سے ۵ لاکھ مرد اور ۵ لاکھ عورتیں ہوں۔"[۳]

مولانا ظفر علی خاں نے مقدمۂ بغاوت میں بیان دیتے ہوئے کہا: "میرے خیالات کا اندازہ اس اعلان سے ہو سکتا ہے جو میں نے بہ حیثیت آنریری سیکرٹری پنجاب خلافت کمیٹی ۲۰ راگست ۱۹۲۰ء کو شائع کیا تھا۔ اور جس میں لکھا تھا کہ پنجاب خلافت کمیٹی صرف اُنہی مسلمانوں پر ہجرت فرض سمجھتی ہے جو صاحبِ تموّل ہیں یا اس قدر سرمایہ رکھتے ہیں کہ اپنی روزی پیدا کر سکیں یا ان میں افغانستان کے سفر کی تکالیف برداشت کرنے کی ہمت و طاقت ہے۔"[۴]

"زمیندار" کے صفحۂ اول پر اس قسم کی نظمیں چھپتی تھیں:

وہ پاؤں نہیں جو رہِ ہجرت میں نہ دوڑیں
وہ سر نہیں جس میں نہیں سودائے خلافت[۵]

۱۔ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۷ راگست ۱۹۲۰ء صفحۂ اول
۲۔ ہفت روزہ "اہلحدیث" امرت سر، ۳۰ رجولائی ۱۹۲۰ء صہ۳
۳۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۹ راگست ۱۹۲۰ء صہ۲
۴۔ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۵ راکتوبر ۱۹۲۰ء صفحۂ اول
۵۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۹ رمئی ۱۹۲۰ء صفحۂ اول

خلافت کانفرنس — ہجرت کی باقاعدہ داعی

خود ڈاکٹر سیف الدین کچلو (آنریری سیکرٹری مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی) نے اعتراف کیا: "...... ایک کھلی حقیقت ہے کہ خلافت کمیٹی نے ہجرت کی تحریک کو کسی طرح بھی نہیں روکا۔ اور اظہارِ موافقت و دلی ہمدردی اور مقامی اعانتوں کے علاوہ اس کو ہمیشہ ایک شرعی آلہ سمجھتی رہی ہے جس کا استعمال یہاں کی ناکامی کے بعد ہم سب پر لازم ہے۔ جو مردانِ خدا پہلے درجے اس مبارک تحریک میں حصہ لیتے رہے ہیں اور آئندہ لیں گے، ان کا ایثار محتاجِ تعریف نہیں ہے، وہ قوم و ملک کے بہترین شکریے کے مستحق ہیں۔"[۱]

خلافت کمیٹی نے پہلے تو ہجرت کو "شرعی آلہ" سمجھا، اس کو کسی طرح بھی نہیں روکا، لیکن بعد میں بطورِ خاص اس تحریک کو اپنا لیا۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا خط زمیندار میں چھپا جس میں انھوں نے لکھا کہ "میری تجویز ہجرت اور اعلانِ آزادی کی ہے۔ ہجرت کے متعلق علماء کی رہنمائی از بس ضروری ہے ...... ضروری ہے کہ اس تجویز کا پورا بار علماء کی جمعیت اٹھائے۔"[۲]

سندھ خلافت کانفرنس کے چھٹے اجلاس منعقدہ ۲۴ رجولائی بمقام حیدرآباد سندھ میں مولانا شوکت علی نے ان لوگوں کے لیے ہجرت کو آخری چارۂ کار قرار دیا جو جور و ستم اور ایذا رسانی برداشت نہیں کر سکتے۔ "اس کانفرنس نے مرکزی خلافت کمیٹی سے درخواست کی ہے کہ وہ ہجرت کی تحریک کو اپنے انتظام میں لیں۔"[۳]

۱۳ راگست کے "زمیندار" میں "تحریکِ ہجرت خلافت کمیٹی کے ہاتھ میں" کے عنوان سے چھپا کہ مرکزی خلافت کمیٹی کا ایک جلسہ ۱۰ راگست کو چھوٹانی ہاؤس بمبئی میں منعقد ہوا، جس میں ایک قرارداد یہ منظور ہوئی: "تحریکِ ہجرت کو بھی مرکزی خلافت کمیٹی اپنی زیرِ نگرانی لے اور جناب صدر اور سیکرٹری صاحبان کو اختیار دیا جائے کہ وہ فی الفور ایک ہجرت کمیٹی قائم کر دیں۔"[۴]

۱۔ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۳ راگست ۱۹۲۰ء صہ۵
۲۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۷ رجولائی ۱۹۲۰ء صہ۵
۳۔ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۳۱ رجولائی ۱۹۲۰ء صہ۳
۴۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۳ راگست ۱۹۲۰ء صہ۲

پیسہ اخبار میں یہ بھی تھا؟ علماء کی ایک کمیٹی زیر نگرانی مولوی عبد الباری فرنگی محلی صاحب بنائی جائے، جو ہندوستان کے لیے ہجرت کے مبلغین یعنی واعظ مقرر کرے۔"[1]

اللہ بخش یوسفی کہتے ہیں"..... جب تحریک ہجرت نے زور پکڑا تو جمعیت خلافت مرکزیہ اس طرف متوجہ ہوئی تاکہ اسے کسی نظام کے تحت چلایا جائے۔ اور ضروری خیال کیا گیا کہ اس سلسلے میں اول حکومت افغانستان سے معاملات طے کر لیے جائیں۔ چنانچہ مولانا شوکت علی صدر مجلس خلافت (؟) نے حکومت افغانستان کے نمائندے مقیم ہند کے نام اپنا پہلا خط ۱۰ ر اگست ۱۹۲۰ء کو ارسال کیا۔"[2]

مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے دفتر سے ڈاکٹر سیف الدین کچلو (آنریری سیکرٹری) نے "ہجرت کمیٹیاں فوری توجہ کریں" کے عنوان سے ایک طویل بیان دیا۔ جس میں لکھا"..... موجودہ اراکین اور مرسلہ آراء سے یہی فیصلہ ہوا کہ اس مبارک اور اہم تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اور ہندوستان و افغانستان کی بہبودی، نیک نامی اور خوشگوار تعلقات کو پیش نظر رکھ کر اس تحریک کو اپنی نگرانی میں لے لیا جائے، اور اس غرض کے لیے جمعیت مرکزی کے تحت ایک ہجرت کمیٹی مقرر کی جائے جو بعد از صلاح و مشورہ و ہدایات اپنا کام شروع کر دے.....۔"[3]

مولانا شوکت علی نے سفیر افغانستان کی خدمت میں مرکزی خلافت کمیٹی کی طرف سے ایک چٹھی بھیجی۔ جس میں ضروری معلومات چاہیں "کیونکہ خلافت کمیٹی نے ہجرت کی تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔"[4]

اس دوران میں بہت سے مہاجرین ذلت و نکبت اٹھا کر واپس آگئے اکثر راستوں کی صعوبتوں کی نذر ہو گئے۔ "بجز چند اصحاب کے جنھوں نے ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں، مگر

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۴ ر اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶

[2] اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، صفحہ ۲۲۶

[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۴ ر اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۵

[4] " " " ۲۱ ر اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶/ روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ ر اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۳

برداشت گوارا نہ کی کہ وطن سے ہجرت کر کے آئے اور پھر وہاں پہنچیں۔ اس حالت کو دیکھ کر اور سن کر مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کی طرف سے سفیر کابل شملہ کو خط لکھا گیا کہ ہندوستان کے مہاجرین کے لیے ہم آپ سے کچھ مشورہ چاہتے ہیں۔ سفیر موصوف نے جواب دیا ہے کہ افغانستان سے امیر صاحب کا حکم پہنچا ہے کہ ہجرت کے متعلق ممانعت کا حکم نہیں تھا، صرف التواء بغرض انتظام تھا سو ہو گیا۔ اس لیے مہاجرین کو افغانستان جانے کی اجازت ہے۔"[1]

۲۳ ر نومبر کو خلافت کمیٹی کا علی گڑھ میں اجلاس ہوا جس کی ہدایت کے مطابق مولانا شوکت علی نے مہاجرین کی حالت دیکھنے کے لیے افغانستان ایک وفد بھیجنے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے لکھا کہ "اس وفد کے سردار مولوی ابو الکلام آزاد ہوں گے۔"[2]

۱۰ ر اگست کو خلافت کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں ہجرت کو خلافت کمیٹی کی نگرانی میں لینے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ ۵ ر ستمبر کو آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں ہوا۔ جس میں مولوی عبد الغفور سیکرٹری خلافت کمیٹی پشاور نے مہاجرین کی امداد کی قرارداد پیش کی۔ مولانا شوکت علی اور مولوی عطاء اللہ صاحب امرتسری نے تائید کی اور قرارداد اتفاق رائے سے منظور ہوئی۔"[3]

۱۴ ر ستمبر کو "پیسہ اخبار" نے اداریے میں لکھا" خلافت کمیٹی اور خلافت کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ ہجرت ضرور اختیار کی جائے۔"[4]

ہفت روزہ "اہلحدیث" نے لکھا" مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی نے سفیر کابل سے سلسلہ جنبانی کی، مولوی ابو الکلام صاحب آزاد نے اخباروں میں تار دیا کہ ہجرت کابل کی اجازت پھر سے ہو گئی ہے۔"[5]

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۵ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء (یکم صفر ۱۳۳۹ھ) صفحہ ۱۱

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۲ ر دسمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۳/ روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۰ ر دسمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۳

[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۹ ر ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱/ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۹ ر ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۳

[4] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۴ ر ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

[5] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء (۸ صفر ۱۳۳۹ھ) صفحہ ۱۲

مرکزی خلافت کمیٹی کی طرف سے لوگوں کو ایک بار پھر ہجرت کی دعوت دی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی نے یہ بات نہیں مانی۔ کابل سے مہاجرین ہندی کا دفتر ہندوستان آیا تو اس کے ایک رکن میر رحمت اللہ نے اپنے تحریری بیان میں کہا: "..... ہجرت کا دروازہ وا ہو چکا ہے۔ امید واثق ہے کہ سنٹرل خلافت کمیٹی کی سرپرستی میں جیسا کہ اعلان ہو چکا ہے، اب ایسے مہاجرین سرزمین افغانستان میں داخل ہوں گے جو حقیقی معنوں میں ایسے پاک نام سے پکارے جانے کے مستحق ہوں۔"[1]

خلافت کمیٹی کے اس کردار کے باوجود ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں: "جب اگست کے اوائل میں اس (تحریک خلافت) نے بالآخر ہجرت کے مسئلہ کو اہمیت دینی چاہی، تو اس کی شدید مخالفت ہوئی۔"[2]

ہجرت کی بات خلافت کے مسلمہ لیڈروں نے چلائی۔ خلافت ورکرز کانفرنس میں اس کی باقاعدہ "شروعات" کی گئی۔ ملک بھر کی خلافت کمیٹیوں نے ہجرت کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیے رکھا۔ خلافت کمیٹی کے "بڑوں" نے ہجرت کی تبلیغ کی۔ ۱۰ اگست سے جب مہاجرین بے حال پریشان حال واپس آ رہے تھے، ہجرت کو خلافت کمیٹی نے باقاعدہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اعلان کی کہ لوگ دوبارہ افغانستان کی طرف ہجرت شروع کر دیں ——— ان حقائق کی موجودگی میں جب ہمارے "تاریخ ساز" یہ کہتے ہیں کہ خلافت کمیٹی کے راہنماؤں اور کارکنوں کا تحریک ہجرت سے کوئی تعلق نہ تھا ——— تو افسوس ہوتا ہے۔

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۵

[2] تحریکات ملی صفحہ ۲۲۶

ہجرت کمیٹیاں

ہجرت کے فتوے کی تشہیر کے بعد مختلف شہروں میں ہجرت کمیٹیاں بنا دی گئیں جنھوں نے مسلمانوں کو ہجرت پر آمادہ کیا اور ہجرت کے انتظامات کے سلسلے میں لوگوں کی راہنمائی کی۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے فتوے سے پہلے اپریل ۱۹۲۰ء میں خلافت ورکرز کانفرنس دہلی میں ہوئی، جس میں عزیز ہندی شریک تھے، خان عبدالغفار خان بھی تھے۔ وہ لکھتے ہیں: "کانفرنس کے بعد پشاور میں ہجرت کمیٹی بن گئی اور جو بھی اصحاب ہجرت کر کے افغانستان جاتے تھے، وہ اسی کمیٹی کے ذریعے جاتے تھے۔ اور یہ ان کے لیے ہر قسم کی سہولت اور آرام کا انتظام کرتی تھی۔"[3]

دفتر مہاجرین دہلی

اصل میں ہجرت کمیٹی پشاور سے بھی پہلے، خلافت ورکرز کانفرنس کے بعد مولانا فرنگی محلی کے فتوے کی اشاعت کے ساتھ ہی عزیز ہندی نے دہلی میں دفتر مہاجرین قائم کر دیا تھا، پھر وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مہاجروں کے قافلے کا انتظام کرنے کے لیے راولپنڈی اور پشاور گئے۔ اور وہاں ہجرت کمیٹی کے دفاتر قائم کیے۔"[4]

[3] عبدالغفار خان، آپ بیتی۔ ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ، دہلی صفحہ ۴۴

[4] رئیس احمد جعفری۔ اوراق گم گشتہ۔ محمد علی اکیڈمی لاہور۔ صفحہ ۶۸۹

عزیز ہندی کے قائم کردہ دفتر مہاجرین (دہلی) نے ۲۴ مئی ۱۹۲۰ء کو ایک اعلان شائع کیا کہ " ہندوستان سے جانے والے مہاجرین کے استقبال اور ان کی سکونت اور خوراک وغیرہ کا انتظام کرنے کے لیے دو استقبالیہ کمیٹیاں قائم کی گئیں ہیں، جن میں سے ایک راولپنڈی میں اور دوسری پشاور میں ہے۔" [1]

اللہ بخش یوسفی کہتے ہیں: " حالات سے مجبور ہو کر پشاور میں ایک ہجرت کمیٹی بھی قائم ہو گئی ـــــ اور قافلوں کی روانگی بھی جاری رہی۔" [2]

مولانا فرنگی محلی کے فتوے کے بعد مسجد جامع فتحپوری دہلی میں ہجرت کا دفتر کھولا گیا تھا۔ اس مسجد کے امام مولانا مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی تھے۔ [3]

انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحد

۱۴ شعبان ۱۳۳۸ھ کو انہی دنوں انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحدی (مردان) نے ایک اعلان جاری کر دیا تھا کہ ۱۳۳۸ جانباز ہجرت کے لیے تیار ہیں۔ اعلان میں کہا گیا " ہجرت کی بابت اعلیحضرت ہمایوں والا غیاث الدنیا والدین امیر المعظم غازی امان اللہ خان خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کا پیغام مبارک اخبارات کے ذریعے سے پڑھتے ہی صوبہ سرحد کے جوشیلے باشندوں نے آپس کے مشورے کے بعد ایک انجمن بنام مہاجرین اسلام صوبہ سرحد کی بنیاد قائم کر کے مقام مردان کو صدر مقام تجویز کیا ..... ہم نے صوبہ سرحد کے طول و عرض میں اپنے خاص آدمی خاموشی سے روانہ کر دیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب کام بالکل تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور تقریباً سب مقامات سے فہرست مہاجرین ہماری انجمن کو وصول ہو گئی ہے۔ فی الحال ۱۳۳۸ مہاجرین اپنے تیار ہو گئے

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۴

[2] محمد صادق قصوری لکھتے ہیں: " ملازمت چھوڑنے کے بعد آپ (اللہ بخش یوسفی) تحریک ہجرت میں شامل ہو گئے۔ (اکابر تحریک پاکستان، حصہ دوم۔ از محمد صادق قصوری، فوری کتاب ڈپو لاہور۔ طباعت بار اوّل ۱۹۷۹ء ـــــ صفحہ ۸۶)

[3] اللہ بخش یوسفی سرحد اور جدوجہد آزادی، مرکز کا اردو بورڈ، لاہور صفحہ ۲۱۵

[4] محمد مسعود احمد پروفیسر (مرتب) افکار مظہری جلد دوم، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۰ء صفحہ ۷۵

ہیں جو محض اپنے پیارے دین کی خاطر افغانستان کی طرف برائے ہجرت روانگی کی گھڑیاں گن رہے ہیں۔ [5] اس انجمن کے جن ارکان کے نام اعلان کے آخر میں شائع ہوئے، یہ تھے میاں قمر الدین کاکا خیل (سیکرٹری)، شیر بہادر خان یوسف زئی، غلام علی خان شیعہ بنگش، ریزا خان مروت، اللہ یار خان بلوچ، سید ذواب شاہ قریشی، گر بند سنگھ گیانی (منتظمان انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحد۔ صدر مقام مردان ضلع پشاور)

۱۲ مئی کو پشاور سے خان صاحب وزیر عطاء اللہ، خان بہادر غلام سرور خان، خان بہادر حاجی ارباب محمد اعظم خان وغیرہ ۲۳ آدمیوں نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا "..... ہم نے جو صوبہ سرحدی کے مسلمانوں میں سربرآوردہ حیثیت رکھتے ہیں، بڑی احتیاط سے تحقیقات کی ہے کہ اس انجمن کا وجود بھی ہے یا نہیں اور ہماری اس تمام کد و کاوش کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ آپ کو اور آپ کے اخبار کو کسی نے بڑا ہی چکمہ دیا ہے۔" بیان کے آخر میں حکومت کی تعریف بھی کی گئی "مسلمان انگریزی گورنمنٹ کی وفاداری میں پہلے بھی ثابت قدم تھے اور اب بھی ان کے پائے وفا کو لغزش نہیں ہوئی۔" [6]

بعد میں محمد یوسف خان خلیل ایجنٹ چیف آف ہوتی کی طرف سے بھی تردید شائع ہوئی: "میں نے تحقیقات کی کہ وہ (قمر الدین کاکا خیل سیکرٹری انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحدی بمقام مردان) کون صاحب ہیں جنھوں نے یہ مضمون تحریر کیا ہے کیونکہ میرے علم میں اس نام کا کوئی خواندہ آدمی نہ صرف مردان میں، بلکہ تمام سب ڈویژن میں بھی نہ تھا۔ مزید جستجو کرنے پر صاف ظاہر ہو گیا کہ نہ تو کوئی انجمن اس نام کی مردان میں قائم ہے اور نہ کوئی شخص بنام قمر الدین کاکا خیل یہاں رہتا ہے۔" [7]

انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحدی کا وجود تھا یا نہیں، قمر الدین کاکا خیل اور دوسرے لوگ تھے یا نہیں، اس کا کچھ پتہ نہیں، البتہ بعد کے اخبارات سے اس انجمن کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی۔

[5] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۷ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۳،۲

[6] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۵

[7] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۱ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۳

۱۲ اگست ۱۹۲۰ء کے اداریے بعنوان "مہاجرینِ ہند اور خان بہادرانِ صوبہ سرحدی" میں "زمیندار" نے انجمن مہاجرینِ اسلام صوبہ سرحدی کے مئی ۱۹۲۰ء والے اعلان کا ذکر کیا اور اس کی جو تردید خان بہادر صاحبان نے کی تھی، اس کے حوالے سے کہا "...... بچاری بجر کر خان بہادر اور موٹے موٹے رئیس جمع ہوئے اور نہایت زور و شور سے اس خبر کی تردید زمیندار میں بھیجی اور تحریر فرمایا کہ سرحد میں ہجرت کا جوش و خروش بالکل نہیں، نہ کوئی انجمن مہاجرین ہے، نہ کوئی ہجرت کمیٹی ہے......"[1] اس کے بعد مدیر زمیندار نے کہا "...... آج کہاں ہیں وہ لوگ جو صوبۂ سرحد کی کرانہ وفاداری اور اندھا دھند جاں نثاری کے گیت گاتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہاں تو خلافت کی تحریک کا نام و نشان بھی نہیں اور ہجرت کے ذکر کی معنی بھی نہیں جانتا۔ اب وہ اپنے گوشوں سے نکلیں۔ خدائے بزرگ و برتر کی اس عظمت و جبروت کی تردید کریں اور "الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً" کو جھٹلائیں۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر"[2] لیکن واقعہ یہی ہے کہ انجمن مہاجرینِ اسلام کا وجود بعد میں نہ زمیندار، نہ کوئی اور، ثابت کر سکا۔

ہجرت کمیٹی جیکب آباد

اپریل ۱۹۲۰ء سیوہن (سندھ) میں خلافت کانفرنس کا اجلاس مولانا عبدالکریم درسی کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ ہجرت کی تحریک چلائی جائے۔ اس کانفرنس کے فوراً بعد رئیس جان محمد جونیجو کی تحریک اور کوشش سے خلافت کمیٹی کا اہم اجلاس جیکب آباد میں منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا تاج محمود امروٹی نے کی...... اس کے علاوہ جیکب آباد کانفرنس نے ہجرت تحریک کو عملی صورت دی اور اس کی تیاری کے لیے باقاعدہ ہجرت کمیٹی قائم کی گئی...... بہت سے لوگوں نے کابل کی طرف ہجرت کرنے کے لیے ہجرت کمیٹی کے دفتر میں نام درج

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

[2] ایضاً۔

کروائے۔ ہجرت کمیٹی کا دفتر رئیس مرحوم کے لاڑکانہ والے بنگلہ میں قائم کیا گیا۔"[1]

۲۴ مئی کو اس ہجرت کمیٹی کی خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی: "جونیجو جان محمد صاحب پیرسٹر سیکرٹری سندھ خلافت کمیٹی لاڑکانہ سے بذریعہ پیغام برقی اطلاع دیتے ہیں کہ سندھ ہجرت کمیٹی جیکب آباد میں قائم کی گئی تھی۔ اب اس کا اجلاس حیدرآباد میں منعقد ہوا اور ہز ایکسیلنسی گورنر بمبئی کے پولیٹیکل سیکرٹری کے نام اس مطلب کا تار بھیجا گیا کہ مذہب میں دست اندازی کی وجہ سے پچیس ہزار مسلمان افغانستان کی طرف ہجرت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔"[2]

سیکرٹری ہجرت کمیٹی

مہاجرین کا دسواں قافلہ مولوی غلام محمد صاحب، عزیز امرتسری (عزیز ہندی) خادم المہاجرین و سیکرٹری ہجرت کمیٹی کی سرکردگی میں یکم شوال کو وارد جلال آباد ہوا۔[3]

ہجرت کمیٹی پشاور

۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء کے زمیندار کے اداریے میں کہا گیا کہ "ہجرت کمیٹی پشاور کے سیکرٹری سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ اب تک آٹھ سو مہاجرین تو صرف ہجرت کمیٹی کی وساطت سے افغانستان جا چکے ہیں، لیکن دیگر ذرائع سے ہزاروں باایمان مسلمان اسلام کی عزت کے لیے وطن چھوڑ چکے ہیں۔"[4]

جولائی ہی میں "موضع مانیری تحصیل صوابی ضلع پشاور میں علماء اور عوام کا ایک جلسہ ہوا، جس میں مسئلہ ہجرت و جہاد پر بحث ہوئی، کئی اصحاب نے فہرست مہاجرین میں نام درج کرائے۔ کئی ایسے بے قرار ہو گئے کہ سب کچھ چھوڑ کر روانہ دار ہجرت کمیٹی

---

[1] مجلہ برگ گل کراچی۔ جوہر نمبر ۱۴۰۱ ہجری (مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی)

[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۶ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۳

[3] " " " ۸ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

[4] " " " ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔" [1]

جولائی کے آخر میں "جلال آباد میں ایک اعلان شائع کیا گیا۔ اس میں ہجرت کمیٹی کو ہدایت کی گئی ہے کہ غیر ضروری اور غیر مطبوع مہاجرین کو افغانستان آنے سے روکا جائے۔" [2]

ہجرت کمیٹی پشاور، ہندوستان بھر سے آنے والے مہاجرین کو دو وقت کا کھانا دیتی تھی جس سے اس کا یومیہ خرچ ۳ ہزار روپے تھا۔ [3]

ایک اور خبر تھی "تین چار روز میں شبقدر (پشاور) سے ایک ہزار مہاجرین گزرے جن میں سے ۲۱۰ ہجرت کمیٹی سے پروانۂ راہداری لے کر گئے ہیں۔" [4]

جلال آباد سے جاری ہونے والے التوائے ہجرت کے اعلان میں ہجرت کمیٹی ہی کو ہدایت کی گئی کہ غیر ضروری مہاجرین کو افغانستان آنے سے روکا جائے۔ [5]

"التوائے ہجرت کے متعلق مرکزی خلافت کمیٹی کا اعلان" کے عنوان سے یہ خبر چھپی، "حاجی جان محمد صاحب سیکرٹری ہجرت کمیٹی نے اطلاع دی ہے کہ ہندی مہاجرین تا حکم ثانی اپنی روانگی ملتوی کر دیں۔" [6]

یہی خبر "پیسہ اخبار" نے اسی شمارے کے پہلے صفحہ پر بھی شائع کی۔ پیسہ اخبار میں یہ خبر بھی چھپی "بیان کیا جاتا ہے کہ ہجرت کمیٹی کا ایک سربرآوردہ رکن جو گزشتہ اتوار کو جلال آباد تک مہاجرین کے واپس بلانے کے لیے گیا تھا، ناکام واپس آنے پر سرحدی افسروں نے اس کو سرزنش کی، اس وجہ سے کہ وہ مہاجرین کو واپسی کی رغبت دلانے میں ناکام رہا ہے۔" [7]

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۷ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۶

[2] ″ ″ ″ یکم اگست ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

[3] ″ ″ ″ ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء ص ۳

[4] ″ ″ ″ ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶

[5] ″ ″ ″ یکم اگست ۱۹۲۰ء

[6] ″ ″ ″ ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء

[7] ″ ″ ″ ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء

التوائے ہجرت کے بارے میں ہجرت کمیٹی پشاور سے کچھ اصحاب بغرض تحقیقات کابل گئے۔ [1] آنریری سیکرٹری ہجرت کمیٹی دہلی نے اخبارات میں اس بارے میں یہ اطلاع اشاعت کے لیے بھجوائی۔ "قافلۂ دہلی کے متعلق شہر میں مختلف افواہیں مشہور ہو رہی ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ ہجرت بالکل بند کر دی گئی ہے اور آئندہ کوئی ہندوستانی ہجرت نہ کر سکے گا..... بہر حال دہلی کے مہاجرین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ ہرگز مایوس نہ ہوں۔ ہم اجازت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ہم کو خدا کے فضل سے قوی اُمید ہے کہ ہمارا قافلہ ۲۰ ذی الحجہ کو روانہ ہو گا۔" [2]

لیکن اس سے اگلے روز "پیسہ اخبار" میں ہجرت کمیٹی پشاور کے حوالے سے یہ خبر نظر آتی ہے "مقامی ہجرت کمیٹی مہاجرین کی واپسی کے لیے توجہ دلا رہی ہے اور نواحی اضلاع سے زیادہ تعداد میں آنے والے لوگوں کو ہجرت میں شرکت سے باز رکھ رہی ہے۔ اس وجہ سے یہ شبہ ہے کہ مہاجرین کو افغانستان میں داخلہ کی اجازت نہیں ملے گی۔" [3]

بعد کے اخبار میں بھی ایسی ہی خبر شائع ہوئی "پشاور میں افواہ ہے کہ امیر صاحب کی سابقہ مہاجرین کی مہمان نوازی اور الطاف خسروانہ اب یکایک سختی اور غصہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔ ورکل ہجرت کمیٹیاں کوشش کر رہی ہیں کہ مہاجرین کی رَو کو پلٹ دیا جائے۔" [4]

التوائے ہجرت کے سلسلہ میں جو دستاویز افغانستان سے جاری ہوئی، اُس کا ایک حصہ ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء کے پیسہ اخبار لاہور (صفحہ ۳ کالم ۴) میں بعنوان "امیر افغانستان کا فرمان دوبارہ ہجرت" چھپا، لیکن پوری دستاویز "اعلان واجب الاذعان: مہاجرین ہندی پر مراحم خسروانہ کی بارش، اعلیٰ حضرت امیر غازی کا فرمان" کے عنوان سے ۲۴ اگست کے پیسہ اخبار میں چھپا، جو یوں ہے کہ انجمن مہاجرین نے (جو مہاجرین ہندی کے انتظام و انصرام

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء

[2] ″ ″ ″ ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء ص ۲

[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶

[4] ″ ″ ″ ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶

کے لیے مقرر ہوئی ہے) ایک عریضہ امیر امان اللہ خاں کی خدمت میں پیش کیا، پھر اس پر چند فقرات بڑھائے اور ان پر منظوری کے احکام صادر کیے گئے۔ اس میں فقرہ دوم یہ ہے:

"ہجرت کمیٹی پشاور جناب فقیر محمد صاحب (ملازم دولتِ افغانیہ) کے توسط سے افسر جلال آباد کو اطلاع دے کہ اس قدر اشخاص افغانستان میں آنے کی خواہش رکھتے ہیں، چنانچہ افسر جلال آباد ان کے لیے انتظام و اہتمام کرکے اطلاع دیں گے کہ اس قدر آدمی فلاں راستے سے اتنے قافلوں میں روانہ کر دو۔" [1]

کابل ہجرت کمیٹی

پیسہ اخبار میں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے حوالے سے کابل سے واپس آئے ہوئے مہاجرین کی داستان شائع کی گئی۔ ان کا بیان ہے "..... روپیہ ختم ہونے پر اپنے کپڑے بیچنے پڑے اور چند دن کے لیے ہم خوراک حاصل کر سکے۔ اس ذریعۂ معاش کے ختم ہونے پر ہمیں کابل ہجرت کمیٹی سے درخواست کرنی پڑی یہ بتا کر کہ ہم بے خانماں ہیں اور مجبور کے اور نادار ہونے کے باعث ہمارے گزارہ (؟) کا کوئی انتظام کرنا چاہیے۔ ہجرت کمیٹی نے مدد کرنے میں ناقابلیت کا اظہار کرکے کہا کہ امیر صاحب سے درخواست کی جائے۔" [2]

مہاجرین کی واپسی پر یہ افواہ بھی مشہور ہوئی کہ مولانا احمد علی لاہوری کو جو روپیہ خلافت کمیٹی پنجاب وغیرہ کی طرف سے قافلے کی روانگی کے وقت دیا گیا تھا، وہ روپیہ انھوں نے خود ہضم کر لیا ہے اور افغانستان کے سرمایۂ مہاجرین میں داخل نہیں کیا۔ مولانا احمد علی لاہوری نے زمیندار میں اس افواہ کی تردید کی تو اپنے خط کے آخر میں بقول "زمیندار" ہجرت کمیٹی کابل کے چند "معزز و مقتدر اراکین" کے دستخط بھی کرائے جن میں ڈاکٹر عبد الغنی، ڈاکٹر نور محمد سندھی، شیخ جان محمد جونیجو، خواجہ غلام محمد عزیز، میر رحمت اللہ اور مولانا عبید اللہ کے دستخط تھے۔" [3]

مولانا احمد علی لاہوری کے ایک سوانح نگار عبد الحمید خاں ڈائریکٹر فیروز سنز نے لکھا کہ مولانا کو

1. روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء
2. " " " ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء صفحۂ اول
3. روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۲

دس ہزار روپیہ ملا تھا جس کا سونا انھوں نے لاہور ہی سے خرید لیا تھا۔" [4]

ان کے دوسرے سوانح نگار ڈاکٹر فال دین انگر نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں جو مولانا کی سوانح حیات پر مشتمل ہے لکھا "پنجاب کے چند بڑے شہروں سے پانچ ہزار روپیہ فراہم کیا گیا ...... آپ نے پشاور جا کر اس رقم کا سونا خریدا اور عام اجلاس میں امیر امان اللہ خاں صاحب کے حضور میں پیش کر دیا۔" [5]

مولانا احمد علی نے بابر منظور سعید کو بنفسِ نفیس جو بیاض لکھوائی، اس میں بھی رقم کی تعداد پانچ ہزار اور سونے کی خرید پشاور سے ثابت ہے۔ [6]

جس وقت یہ پیسے جمع ہوئے تھے، اس وقت کی خبر یہ ہے کہ خلافت کمیٹی لاہور نے ۵ ہزار، خلافت کمیٹی سیالکوٹ نے ۵ سو، خلافت کمیٹی گوجرانوالہ نے ۵ سو اور خلافت کمیٹی جہلم نے ۲ سو روپے مہاجرین کی مدد کے لیے ان کے ہاتھ بھجوائے تھے۔ [7]

اس کے علاوہ راستے میں جہاں جہاں موقع ملا، وہ چندے کی اپیل کرتے گئے۔ بتاریخ ۲۵ جولائی ۱۹۲۰ء کو دو بج کر ۴ منٹ پر جب لاہور کے مہاجرین کا قافلہ کیمبلپور پہنچا تو مولانا احمد علی لاہوری نے مہاجرین کو مخاطب کرتے ہوئے مختصراً اس بات پر زور دیا کہ "ہم خدمتِ اسلام کے لیے جاتے ہیں، ان خادموں کو جو کوئی بھی دامے درمے قدمے یا تقریر و تحریر کے ذریعے اعانت کرے گا، وہ بھی مستحقِ ثواب اسی طرح ٹھہرے گا گویا وہ مہاجر فی سبیل اللہ ہے۔" [8]

تحریک ہجرت خلافت کمیٹی کی نگرانی میں

جب مرکزی خلافت کمیٹی نے بمبئی میں اپنے جلسے میں تحریکِ ہجرت کو اپنی نگرانی میں لے لیا تو ایک قرارداد میں ہجرت کمیٹی مقرر کرنے کو کہا۔ "مرکزی خلافت کمیٹی تحریکِ ہجرت کی نگرانی کرے اور صدر و سیکرٹریوں کو ایک ہجرت کمیٹی مقرر کرنے کا اختیار دیا جائے۔" [9]

4. مردِ مومن از عبد الحمید خاں ص ۴۵
5. حضرت مولانا احمد علی لاہوری از ڈاکٹر فال دین انگر، مکتبہ خدام الدین لاہور، اگست ۱۹۸۵ء ص ۸۴، ۸۵
6. کتابِ محمود باد ص ۱۴، ۸۳
7. روزنامہ زمیندار لاہور ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء
8. روزنامہ زمیندار لاہور ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۶
9. روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶

خلافت اور ہجرت کمیٹیاں

التوائے ہجرت کی خبر چھاپتے ہوئے پیسہ اخبار نے لکھا: "آج جو خبریں درج کی گئی ہیں، ان میں سے ایک خبر سردار ذکہ کی چٹھی بنام پولیٹیکل ایجنٹ پر مبنی ہے کہ مزید مہاجرین کی آمد کو فی الفور روک دیا جائے۔ خلافت کمیٹی پشاور اور دیگر ہجرت کمیٹیوں کو اس سے مطلع کیا جا رہا ہے ......"[1] اسی خبر میں ڈپٹی کمشنر لاہور کے نوٹس کی اطلاع ہے کہ "ہز میجسٹی امیر (کابل) نے ہندوستان سے افغانستان جانے والے تمام اشخاص کے داخلہ کی ۱۲ر اگست سے ممانعت کر دی ہے۔" اخبار نے لکھا ہے کہ خلافت اور ہجرت کمیٹیاں جو ضلعوں میں بنائی گئی ہیں، ان کو مطلع کیا جاتا ہے کہ عازم مہاجرین کو اس نوٹس کی اطلاع کرنے اور ان کو افغانستان جانے سے روکنے کی تمام ذمہ داری قطعی طور پر مذکورہ کمیٹیوں کے سر پر ہے۔"[2]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہجرت کمیٹیاں پہلے سے قائم تھیں اور ہر جگہ ہجرت کمیٹیوں والے خلافت کے کارکن اور لیڈر ہی تھے۔ اور خلافت کمیٹی نے تحریک ہجرت کی نگرانی کا اعلان کرتے ہوئے جو ہجرت کمیٹی قائم کرنے کا اعلان کیا تھا، وہ صرف "باقاعدہ اعلان" کے طور پر تھا۔

مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے آنریری سیکرٹری ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے اسی لیے کہا "مرکزی خلافت کمیٹی کے اب تک ہجرت کی تحریک کو اپنی نگرانی میں نہ لینے ..... یا بلا واسطہ توجہ نہ دینے کی وجہ برادران ملت سے پوشیدہ نہیں ..... لیکن یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ خلافت کمیٹی نے ہجرت کی تحریک کو کسی طرح بھی نہیں روکا اور اظہار موافقت، دلی ہمدردی اور مقامی اعانتوں کے علاوہ اس کو ہمیشہ ایک شرعی آڑ سمجھتی رہی ہے، جس کا استعمال یہاں کی ناکامی کے بعد ہم سب پر لازم ہے ..... موجودہ اراکین کی اور مسلمہ آرا سے یہی فیصلہ ہوا کہ اس مبارک اور اہم تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اور ہندوستان و افغانستان کی بہبودی،

[1] ۱۵ر اگست ۱۹۲۰ء ص۲
[2] ایضاً

نیک نامی اور خوشگوار تعلقات کو پیش نظر رکھ کر اس تحریک کو اپنی نگرانی میں لے لیا جائے اور اس غرض کے لیے جمعیت مرکزی کے ماتحت ایک ہجرت کمیٹی مقرر کی جائے جو بعد از صلاح و مشورہ و ہدایات اپنا کام شروع کرے ...... تمام ہجرت کمیٹیوں کے سیکرٹری صاحبان یا دیگر عہدہ داران سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ضروریات و طرز انتظام اور موجودہ حالت کے متعلق دفتر ہذا سے خط و کتابت کریں اور مناسب مشورہ سے اطلاع فرمائیں۔"[1]

پیسہ اخبار نے "مہاجرین اب کہاں جائیں گے؟" کے عنوان سے ایک ادارتی شذرے میں لکھا "..... اب یہ خلافت اور ہجرت کمیٹیوں کا کام ہے کہ فیصلہ کر کے مہاجرین کو بتلائیں کہ اگر وہ افغانستان کو نہیں جا سکتے تو کسی دوسری سرزمین مثلاً جاپان اور امریکہ کو روانہ ہوں اور وہاں ہی جا کر اپنی زندگی بھی بسر کریں۔"[2]

مولانا ظفر علی خاں، ملک لعل خاں اور محمد صفدر ہجرت کمیٹی پشاور کی کارکردگی دیکھنے چلے تو مولانا ظفر علی خاں تو صوبہ سرحد میں سرکاری حکم سے داخل نہ ہو سکے۔ محمد صفدر اور ملک لعل خاں وہاں گئے اور ان کی رپورٹ ۲۱ر اگست ۱۹۲۰ء کے زمیندار میں چھپی۔ محمد صفدر نے رپورٹ لکھی اور ملک لعل خاں نے تائیدی دستخط کیے "سب سے پہلے جس بات نے ہم پر اثر کیا، وہ ہجرت کمیٹی کا والنٹیئر تھا۔ عبداللہ خاں صاحب بی اے اس جیش رضاکاراں کے مہتمم ہیں اور اس کی تعداد تقریباً تین سو ہے۔ یہ نوجوان نہایت مستعدی اور تندہی سے دن رات اپنے مہاجر بھائیوں کی خدمت میں لگے رہتے ہیں ..... ہم نے ہجرت کمیٹی کا کام بغور دیکھا۔ ہماری رائے میں حسابات تسلی بخش ہیں۔"[3] اس رپورٹ میں تمام اہل وطن سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے مشورے اور روپے سے ہجرت کمیٹی کو امداد دیں۔ رپورٹ میں حاجی جان محمد صاحب سیکرٹری ہجرت کمیٹی کے ایثار اور بے ریا خدمات کی تعریف کی گئی۔ حاجی جان محمد صاحب کا ہاتھ بٹانے پر آغا میر بادشاہ، مولوی عبدالغفور، محمد سلیم خاں اور آغا عبداللہ شاہ کا رپورٹ

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۴ر اگست ۱۹۲۰ء ص۵
[2] " " " ۱۷ر اگست ۱۹۲۰ء ص۲
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۱ر اگست ۱۹۲۰ء ص۵

میں شکریہ ادا کیا گیا — نیز لکھا: "علاوہ ہجرت کمیٹی کے، یہاں خلافت کمیٹی کی شاخ بھی قائم ہے جس کا اہتمام آقا سید مقبول شاہ صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حساب وغیرہ دیکھنے کے بعد مفصل رپورٹ بعد میں پیش کی جائے گی۔"[۵۳]

پنجاب خلافت کمیٹی لاہور کے محاسب اعلیٰ کی حیثیت سے عمل خاں کی رپورٹ ۱۷ نومبر کے زمیندار میں چھپی، جس میں بتایا گیا کہ ہجرت کمیٹی پشاور کی ابتدا ۱۳ مئی سے ۲۶ اگست ۱۹۲۰ء تک آمدن ۳۶۶، ۴۸ روپے اور خرچ ۴۸۱۸۰ روپے ہے۔[۵۴]

ہجرت کمیٹیوں نے جس طرح لوگوں کو ہجرت پر آمادہ کیا اور جس طرح افغانستان کے بارے میں خوش گمانیاں پھیلائیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جو مہاجر واپس آئے، وہ ہجرت کمیٹیوں کو مطعون کرتے تھے۔ "واپس آمدہ مہاجرین نے کئی دردناک باتیں بیان کی ہیں۔ یہ مہاجرین کھلے طور پر علماؤں اور ہجرت کمیٹیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔"[۵۵]

[۵۳] روزنامہ "زمیندار" لاہور - ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۵
[۵۴] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۷ نومبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۵
[۵۵] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶

ہجرت کی تیاریاں

ہجرت کا اقدام کسی تنظیم کے تحت شروع نہیں ہوا تھا بلکہ مسلمانوں کی قیادت علماء کے ہاتھوں میں تھی ..... علماء جذباتی تقریروں کے ذریعے لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کرتے رہتے تھے، یہی ان کا تخصص تھا۔ خلافت کے مسئلے کا کوئی حل دکھائی نہ دیا تو کچھ علماء نے ملک کو دارالحرب قرار دے کر، پچھلے دارالحرب قرار دیے بغیر ہجرت کی بات شروع کر دی۔ گاندھی جی نے ان حالات سے سیاسی فائدہ حاصل کرنے کی تدبیر کی اور مسلمانوں کو "نان کوآپریشن" کے چکر میں پھنسا کر ان کی نوکریاں چھڑوا دیں، ان کی تعلیم ختم کروا دی۔ مسلمانوں کو کوئی راہ عمل دکھائی نہیں دیتی تھی۔ علماء کی جذباتی تقریروں سے انھیں اسلام خطرے میں نظر آتا تھا اور اس صورت حال کا کوئی علاج سامنے نہیں تھا۔ ایسے میں ان کے لیڈروں میں سے جس نے جو راہ سجھائی مسلمان اسی پر چل پڑے۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

اس صورت حال میں، جن لوگوں نے ہجرت کی بات چلائی، ان میں سے بیشتر اس معاملے میں مخلص نہیں تھے۔ انھوں نے مسلمانان ہند کو ہجرت کی فرضیت اور وجوب کا یقین دلایا لیکن اپنے لیے اس کے استحباب پر بھی یقین نہ رکھا۔ لوگوں کو تو بے گھر کر دیا، بعض راستے کی صعوبتوں کا شکار ہو گئے، بعض افغانیوں کی ستم ظریفیوں کی نذر ہو گئے ..... لیکن فتوے بازوں میں سے

[۱] ہندو بخش پرستی، سرحد اور جدوجہد آزادی۔ ص ۲۳۶

کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ خود ہجرت کرے۔ ان علماء میں سے مثلاً مولانا احمد علی لاہوری نے ہجرت کی تو اس لیے کہ ان کے دو بھائی پہلے سے کابل میں تھے، مولانا عبیداللہ سندھی بھی وہیں تھے اور ان کا شاہ امان اللہ خان والیٔ افغانستان پر بہت اثر تھا، مولانا احمد علی لاہوری وہاں ایک بہت بڑے قلعہ نما مکان میں رہے اور وہاں سے عزت و احترام کے ساتھ ہی لاہور واپس آگئے۔ افغانستان میں قیام کے دوران میں ان کے ساتھ کسی پریشانی کا تصور بھی نہیں ہے۔

جو تحریک اس افراتفری میں شروع ہوئی، جس کے مبلغ خود اپنی تبلیغ میں مخلص نہیں تھے، وہ کسی تنظیم کے تحت شروع ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ علماء نے تقریروں اور وعظوں سے آگے بات تو چلائی ہی نہیں۔ یا صرف یہ کیا کہ جہاں سے عازمین ہجرت کا کوئی قافلہ گزرا، وہاں ان کی پذیرائی کا "شو" کیا، ان کے عزم کی تحسین میں تقریریں کیں۔ پھر تقریریں ہی کیں اور بس۔ لوگوں کو یہ کہا گیا کہ وطن جہنم میں جائے، تم ہجرت کرو۔[1]

دفتر "خادم المہاجرین" دہلی

صرف غلام محمد عزیز امرتسری (عزیز ہندی) نے دہلی میں "خادم المہاجرین" کا دفتر قائم کیا اور کوشش کی کہ عازمین ہجرت کسی تنظیم و ترتیب سے چلیں اور ہجرت سلیقے اور قرینے سے ہو، لیکن اس میں اس لیے کامیابی نہ ہوئی کہ ہر جگہ کے علماء فتوے دیتے تھے، تقریروں اور وعظوں میں مشغول تھے اور عامۃ المسلمین جوش اور جذبے کو راہنما بنائے افغانستان کی طرف چل پڑتے تھے۔

ہجرت کا ارادہ

ایم غلام محمد عزیز (عزیز ہندی) نے ۲۶ اپریل کو وائسرائے ہند کے پرائیویٹ سیکرٹری کو ایک تار

[1] ابوالقاسم امرتسری نے "ہجرت" کے عنوان سے کہی۔

جب ہو چکا خلافِ خلافت کا فیصلہ   پختہ ارادہ ہند سے ہجرت کا کر لیا
جائے گا چند روز میں کابل کو قافلہ   بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا!
اپنی بلا سے بوم بسے یا ہما رہے!

کے ذریعے ہجرت کے ارادے سے آگاہ کیا اور اجازت طلب کی۔[1] ۲۴ مئی کو حیدرآباد (سندھ) میں پیر تراب علی شاہ کی زیر صدارت خلافت کمیٹی کا ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں ایک فیصلہ کے مطابق گورنر بمبئی کے پرشیئل سیکرٹری کو تار دیا گیا اور ہجرت کے فیصلہ سے آگاہ کیا گیا۔[2]

ہجرت پر آمادگی اور تضادِ گفتار و کردار

ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں "...... صوبہ یوپی کے مولانا عبدالباری مرحوم نے ہندوستان کو علمائے دیوبند کی طرح دارالحرب قرار دے کر فتویٰ دیا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دارالاسلام میں چلے جائیں۔ اس پر پنجاب اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں میں ہجرت کی تیاریاں ہونے لگیں، لیکن ہجرت کر کے کہاں جائیں اور کس ملک میں پناہ لیں، اس بارے میں ان کو تردد تھا۔[3]

ظفر حسن ایبک نے "ہجرت کی تیاریاں" کے الفاظ تو استعمال کیے ہیں، لیکن ان کے معنی ہجرت پر آمادگی کے ہیں، "تیاری" تو نہ کسی نے کی، نہ کچھ سوچا..... اور ہجرت پر آمادہ لوگ چل پڑے اور فتوے دینے والے انہیں بھیجتے رہے۔ عزیز ہندی نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ہجرت کے موضوع پر شعلہ بیانیوں کے حوالے سے ان کی تعریف و تحسین کی اور انہیں پوچھا کہ آیا وہ بھی ہجرت پر آمادہ ہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ اگر میں ہجرت کر گیا تو لوگوں کو ہجرت پر آمادہ کون کرے گا۔[4] حکیم ابوتراب عبدالحق امرتسری نے ہجرت کی فرضیت کے حوالے سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خلاف بھی بہت کچھ لکھا، قرآن و حدیث سے ہجرت کو واجب اور فرض ثابت کیا اور شاہ عبدالعزیز اور مولانا عبدالحئی کے حوالے سے ہندوستان کے

[1] روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء اور روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء

[2] برگ گل کراچی۔ جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ صفحہ ۱۱۷

[3] ظفر حسن ایبک۔ آپ بیتی۔ حصہ اول۔ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰

[4] رئیس احمد جعفری۔ اوراقِ گم گشتہ صفحہ ۹۳

دارالحرب ہونے پر اصرار کیا۔[1] لیکن اپنے فرزند کو افغانستان کی طرف ہجرت کرنے سے اس لیے منع کر دیا کہ وہ ابھی کم سن ہے اور تعلیم حاصل کر رہا ہے اور اسے والدین کی سرپرستی کی ضرورت ہے۔[2]

ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں "افغانستان میں اس بارے میں جتنی کوتاہ اندیشی ہوئی، اتنی ہی بدانتظامی ہندوستان میں ظہور پذیر ہوئی۔ کسی کو اس کا خیال تک نہ آیا کہ امیر صاحب کے ان بیانات کے بعد کابل میں کسی کو خط لکھ کر یا ایک آدمی بھیج کر معلوم کریں کہ ان مہاجرین کی پذیرائی اور ان کے بسنے کے لیے کیا انتظامات کیے گئے ہیں۔ نہ ہی کسی کی عقل میں یہ بات آئی کہ ان مہاجروں کو چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں اور چند چند روز کے فاصلے سے بھیجا جائے۔"[3]

قافلوں کی تنظیم کا خیال

"ہجرت کی تیاریوں" کے ذکر میں صرف عزیز ہندی کی سرگرمیاں سامنے آتی ہیں (عزیز ہندی نے خود بھی ہجرت کی تھی) وہ لکھتے ہیں: "افغانستان سے ہجرت کی اجازت آنے کے بعد ہمارے ذمہ جو کام تھا، وہ مہاجرین کو قافلہ بندی کی صورت میں افغانستان کی طرف روانہ کرنے کا تھا۔ اس کے لیے تنظیم اور تبلیغ دونوں کی ضرورت تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں نے ایک پوسٹر شائع کیا اور ملک بھر کے تمام بڑے شہروں میں بھیج دیا...... میں نے تمام شرائط مفصل طور پر پوسٹر میں لکھ دی تھیں جن کا ملحوظ رکھنا ہر مہاجر کے لیے ضروری تھا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ کسی مہاجر کو ہجرت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے جس کے پاس کم از کم ہجرت کرنے کے لیے سفر خرچ موجود نہ ہو۔ مہاجرین قافلوں کی صورت میں افغانستان جائیں گے۔ ہر قافلے کا ایک قافلہ سالار ہوگا۔ ایسے مہاجرین کو ترجیح دی جائے گی جو کسب و ہنر جانتے ہوں اور افغانستان پر بوجھ نہ بن سکیں۔"[4]

---

[1] وکیل امرتسر، ۸، مئی ۱۹۲۰ء
[2] وکیل امرتسر، ۲۲، اگست ۱۹۲۰ء
[3] ظفر حسن ایبک، آپ بیتی، حصہ اول، صـ ۲۱۰
[4] اوراق گم گشتہ، صـ ۸۶، ۸۷

حکومت افغانستان کی اجازت

اس سے پہلے خدام خلافت کانفرنس کے بعد خان عبدالغفار خاں نے عزیز ہندی سے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ آپ کی تحریک کامیاب ہو، لیکن آپ افغانستان میں کیسے ہجرت کر سکیں گے جب تک کہ وہاں کی حکومت آپ کو اجازت نہ دے؟" عزیز ہندی لکھتے ہیں: "عبدالغفار خاں میری اجازت لے کر خفیہ طور پر چارسدہ کے راستے افغانستان گئے۔"[1] لیکن وہ افغانستان سے واپس ہی نہ آئے تھے کہ لوگوں نے وہاں پہنچنا شروع کر دیا۔

ہجرت کے انتظامات

عزیز ہندی اپنے اسی مضمون "تحریک ہجرت کی تاریخ" میں ہجرت کی تیاریوں کے سلسلے میں اپنی کارروائیوں کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ مہاجرین کے قافلوں کی روانگی سے پہلے انھیں یہ علم ہونا ضروری تھا کہ وہ گھر سے نکل کر کہاں جائیں گے، چنانچہ میں نے راولپنڈی اور پشاور کے مقامات کو چنا کہ پہلے لوگ راولپنڈی پہنچیں، یہاں اُن کی قافلہ بندی کی جائے، پھر انھیں قافلہ وار پشاور بھیجا جائے جہاں سے وہ درۂ خیبر سے گزرتے ہوئے افغانستان میں داخل ہوں۔[2] انھوں نے خود راولپنڈی اور پشاور کا دورہ کیا، وہاں خلافت کمیٹیوں کے کارکنوں اور لیڈروں سے بات کر کے ضروری انتظامات کی یقین دہانی کے بعد واپس دہلی پہنچے، لیکن چھوٹے پیمانے پر سوچے گئے یہ انتظامات دھرے کے دھرے رہ گئے کیونکہ "ہمارے گمان میں اس وقت تک یہ نہیں گزرا تھا کہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں آناً فاناً ہجرت شروع کر دیں گے۔ ہم یہی خیال کیے ہوئے تھے کہ ہم سو سو، پچاس پچاس کے قافلوں کو حرکت دیں گے۔"[3]

پھر لکھتے ہیں "میں ابھی دہلی ہی میں تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ ہجرت کا پہلا قافلہ جو چھ سات آدمیوں پر مشتمل تھا، پشاور سے روانہ ہو گیا ہے۔ پھر دوسرے قافلوں کی اطلاع آئی، پھر

---

[1] اوراق گم گشتہ، صـ ۸۱
[2] ،، ،، صـ ۸۹
[3] ،، ،، صـ ۹۰

تیسرے، پھر چوتھے اور پانچویں کی ۔ ؎۱

یوں عزیز ہندی کے انتظامات بھی سود مند نہ ہو سکے، اور کسی نے اس طرف توجہ نہ دی۔ اگرچہ پچھلے قافلے کے پشاور سے چلنے تک عزیز ہندی بھی ہجرت کے ارادے سے وہاں پہنچ گئے، جب تک وہ خود ہجرت نہیں کر گئے، انھوں نے اخبارات کے ذریعے عازمین ہجرت سے رابطہ قائم رکھا۔ شروع میں مہاجرین کے خطوط "دفتر مہاجرین فتحپوری دہلی" میں موصول ہونے شروع ہوئے تھے۔ خادم المہاجرین غلام محمد عزیز امرتسری (عزیز ہندی) نے اعلان چھپوایا کہ "عنقریب بذریعہ اخبارات و اشتہارات سب باتیں شائع کر دی جائیں گی، منتظر رہیں" ؎۲

عازمین ہجرت کے لیے ضروری ہدایات

عزیز ہندی کی طرف سے "ہجرت کی تیاری" کے عنوان سے ۲۰ مئی کو جو اعلان اخبارات میں چھپا، اس میں عازمین ہجرت کو ضروری ہدایات دی گئی تھیں: "اب مہاجرین خدائے بزرگ و برتر سے دعا مانگتے ہوئے اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں کیونکہ وہ ضروری انتظامات جن کے نامکمل ہونے کے باعث ہم رکے بیٹھے تھے، الحمد للہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ اب ہر عازم ہجرت کو لازم ہے کہ وہ بہ پابندی ہدایات و شرائط ذیل انی مہاجر الی ربی کہتا ہوا گھر سے نکل پڑے۔

ہدایات:

(۱) ہر وہ مسلم ہجرت کا قصد کرے، جو تکالیف و مصائب کے برداشت کرنے کی ہمت رکھتا ہو

(۲) صرف اسلام کی خدمت کرنے کی نیت سے ہجرت کرے

(۳) غیرت اسلامی کی بناء پر ہجرت کا عزم کرے

(۴) قولاً یا فعلاً کوئی ایسی کارروائی نہ کرے، جس سے لوگوں کے امن و امان میں

؎۱ اوراق گم گشتہ ۔ صہ ۹۳

؎۲ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۶ مئی ۱۹۲۰ء صہ ۵

خلل پڑنے کا اندیشہ ہو

(۵) جس قدر سرمایہ بھی اپنے ساتھ لے جا سکتا ہو لے جائے

(۶) ہر مہاجر اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کرنے کا شرعاً مجاز ہے۔ ہر وہ مہاجر جو بفراغت تمام مع اہل و عیال ہجرت کر سکتا ہے، کرے

(۷) جو بسبب افلاس ہجرت کرنے سے معذور ہو، مقامی مسلمانوں سے امداد حاصل کرے

(۸) مقامی مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہر اس غریب مفلس مہاجر کو سہارا دیں جو ہجرت کرنے کا دل سے متمنی ہو۔۔۔۔۔۔ یہ احتیاط اس غرض سے کی گئی ہے کہ خواہ مخواہ کے مہاجر نہ بننے شروع ہو جائیں

(۹) ہر مہاجر ۴ رمضان المبارک کے بعد سے راولپنڈی پہنچنا شروع کر دے

(۱۰) ہر مہاجر رخت سفر مختصر مگر مکمل اپنے ہمراہ رکھے

(۱۱) ان دنوں موسم کابل تک گرم ہے، مگر رات کو سردی ہوتی ہے۔ گرم پارچات و بستر اور پانی کی چھاگلیاں ضرور ہمراہ رکھے

اطلاعات

(۱) مہاجرین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ان کے جمع ہونے کا مقام راولپنڈی تجویز کیا گیا ہے

(۲) راولپنڈی میں ایک مجلس استقبالیہ و انتظامیہ قائم کر دی گئی ہے جو مہاجرین کے عارضی قیام کے لیے مکانات اور سراؤں کا انتظام کرے گی۔ اور اسٹیشن پر اپنے والنٹیئر (رضا کار) ہلالی نشان کے ساتھ رکھے گی جو مہاجرین کی ان کے قیام گاہ تک رہنمائی کریں گے

(۳) ہمارا اسٹاف ۲۹ شعبان المعظم کو راولپنڈی روانہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا ضروری خط و کتابت جناب مرزا قطب الدین صاحب سیکرٹری خلافت کمیٹی راولپنڈی کی وساطت سے ہونی چاہیے

(۴) راولپنڈی سے مہاجرین چھوٹے چھوٹے قافلوں کی صورت میں ایک ایک قافلہ سالار کی ماتحتی میں پشاور کی طرف روانہ ہوتے رہا کریں گے۔ اور ان قافلوں کا سلسلہ

۹ رمضان المبارک سے شروع ہو گا

(۵) ان قافلوں کا پشاور میں باقاعدہ انتظام کیا گیا ہے......

(۶) ہر قافلہ سالار کو مجلس استقبالیہ و انتظامیہ پشاور کی معرفت، سرحد امیر صاحب میں داخل ہونے کا پروانہ مع اس کے ساتھیوں کی فہرست کے حاصل ہو گا

(۷) سرحد افغانستان میں داخل ہوتے ہی جلال آباد کی انجمن خدام جنود اللہ ربانیہ کے والنٹیر ملیں گے، جو جلال آباد تک راہنمائی کریں گے

(۸) جلال آباد کی انجمن مذکور نے غیر سرکاری طور پر اپنی خدمات مہاجرین کے لیے پیش کی ہیں، حکومت کی جانب سے انتظامات علیحدہ ہوں گے

(۹) پہلا گروہ اللہ کے فضل و کرم سے روانہ ہو گیا

مسلمانو! اٹھو اور اللہ کی عظمت کا دنیا میں ڈنکا بجاؤ۔

نوٹ:۔ آئندہ جو لوگ ہجرت کے متعلق خط و کتابت کرنا چاہیں، وہ بدستور دہلی کے پتہ سے کریں، لیکن مہاجرین قافلۂ اول کے لیے زر اعانت راولپنڈی کے پتہ پر بھیجنا چاہیئے۔

الداعی: خادم المہاجرین غلام محمد عزیز امرتسری دہلوی

المشتہر: تجمل حسین خان، سیکرٹری دفتر مہاجرین دہلی" [1]

دفتر مہاجرین دہلی نے ۲۴ مئی کو "مہاجرین کے لیے ہدایات" جاری کیں کہ "ہندوستان سے جانے والے مہاجرین کے استقبال اور ان کی سکونت اور خوراک وغیرہ کا انتظام کرنے کے لیے دو استقبالیہ کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں، جن میں سے ایک راولپنڈی میں اور دوسری پشاور میں ہے۔ اعلان میں لکھا ہے کہ جن اصحاب کا ارادہ ہجرت کا ہو، وہ راولپنڈی میں جمع ہو جائیں۔ اس کے بعد ۹ رمضان یعنی ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء سے چھوٹے چھوٹے وفدوں کی روانگی شروع ہو گی۔" [2]

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء ص ۵

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء ص ۴

مہاجرین کے لیے چندہ

"مہاجرین کی مالی امداد" کے زیر عنوان عزیز ہندی نے پشاور پہنچ کر ایک بیان جاری کیا، جس میں کہا: "افواہاً سنا گیا ہے کہ کوئی صاحب دفتر مہاجرین دہلی کے نام پر چندہ جمع کر رہے ہیں۔ احتیاطاً جمیع اہل ملک کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہم نے نہ تو آج تک پبلک میں چندے کی تحریک کی اور نہ باقاعدہ چندہ وصول کیا۔ نہ اس کی ضرورت پہلے تھی، نہ اب ہے...... ابھی دفتر دہلی کو کسی قسم کی امداد کی ضرورت نہیں، البتہ برادران اسلام پر فرض ہے کہ وہ اپنے پشاوری مسلمان بھائیوں کا زر سے ہاتھ بٹائیں...... دفتر دہلی کے آئندہ نظم و نسق کے متعلق جناب مولانا احمد سعید صاحب (دہلوی) خود اعلان فرمائیں گے کہ وہ کس کی نگرانی میں دفتر دہلی کو دینا چاہتے ہیں۔" [1]

۱۵ جولائی کے اخبارات میں تجمل حسین خان آنریری سیکرٹری دفتر مہاجرین دہلی کی طرف سے اعلان چھپا کہ مولانا احمد سعید دہلوی کے حکم کے مطابق اب صدر دفتر دہلی کے بجائے پشاور میں قائم کیا جا رہا ہے، البتہ دہلی سے چونکہ ہجرت کی تحریک شروع ہوئی ہے اس لیے ایک دفتر یہاں بھی قائم رہے گا۔" [2]

ہدایات سفر

مہاجرین کے چھٹے قافلے کے ایک رکن محمد یحییٰ خان نے اپنے ایک دوست کے نام ہدایات سفر کے متعلق خط لکھا جو "زمیندار" نے اپنی ۲۰ جون کی اشاعت کے صفحۂ اول پر شائع کیا۔ لکھا تھا: "آپ لاہور سے سیدھے پشاور چھاؤنی پہنچ جائیے...... اسٹیشن پر ہی والنٹیر مل جائیں گے، لیکن اگر نہ ملیں تو آپ کسی تانگہ والا سے کہیئے کہ وہ آپ کو نمک منڈی دفتر مہاجرین میں پہنچا دے...... یہاں پشاور میں مہاجرین کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی...... قافلہ کی روانگی کے دن اگر تانگے پشاور سے جلال آباد کے لیے مل جائیں تو بہت اچھا ہے...... اگر جلال آباد تک تانگے کا انتظام نہ ہو سکے تو جمعہ کی

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۹ جون ۱۹۲۰ء ص ۵

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء صفحۂ اول

صبح کو پانچ بجے سے روانہ ہو کر چھ بجے جمرود پہنچے ..... یہاں ایک روپیہ فیس بھی داخل کرنی پڑتی ہے ..... اگر کوئی سرکاری ملازم ہجرت کر رہا ہو تو اس سے ڈسچارج سرٹیفکیٹ طلب کرتے ہیں، اگر نہ ہو تو پولٹیکل ایجنٹ آگے نہیں جانے دیتے ..... وہاں سے تانگہ میں سوار ہو کر لنڈی کوتل پہنچے ...... ڈکہ سے آگے امیر صاحب کی سرحد ہے، یہاں سے ان کا انتظام ہے۔ یہاں سے بارہ آنے راہ داری کے دینے پڑتے ہیں ......" [1]

ہجرت کے مصمم ارادے

علماء کے فتووں کے زیر اثر ہجرت کن حالات میں ہوئی اور اس کے لیے کیا تیاریاں ہوئیں، اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

"۹ اگست کو ماسو خیل ماشہاب خیل، متی خیل دیہہ بہادر وغیرہ (آٹھ دیہات) کے باشندوں نے جن میں نمبردار، ملک اور خوانین بھی شامل تھے، ایک جلسہ کر کے فیصلہ کیا کہ چونکہ خلافت کا فیصلہ مسلمانوں کی منشاء کے مطابق نہیں ہوا اور ہمارے مقدس مقامات ابھی تک غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں، اس لیے ہمیں اب دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنی چاہیئے۔ حاضرین جلسہ نے جو تعداد میں چودہ ہزار کے قریب تھے۔ قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائے کہ اب ہم سب ہجرت کریں گے ہم میں جو شخص ہجرت نہ کرے گا، وہ کافر سمجھا جائے گا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ جو اشخاص مفلس ہیں اور راستہ کا خرچ نہیں رکھتے، ہم میں سے جو اشخاص مال دار ہیں، وہ ان غریب اشخاص کی بار برداری وغیرہ کے خرچ کے کفیل ہوں گے۔" [2]

ہجرت کے لیے عامۃ المسلمین کی آمادگی کا تو یہ حال تھا کہ کارکنان خلافت کی کانفرنس کے بعد جامع مسجد دہلی میں جلسہ ہوا۔ اختتام جلسہ پر ایم غلام محمد عزیز

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۷ جون ۱۹۲۰ء

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء

سیکرٹری خادم المہاجرین نے حاضرین کو ہجرت کرنے کی تحریک کی تو ۱۱۶ [1] یا ۱۶ [2] اشخاص نے ہجرت کرنے کے لیے اپنے نام لکھوا دیے۔

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، یکم مئی ۱۹۲۰ء ص ۱

[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲ مئی ۱۹۲۰ء ص ۲

ہجرت کے لئے جوش اور جذبہ

جب علما نے اسلام کی رُو سے ہجرت کو مسلمانانِ ہند کے لیے فرض قرار دے دیا، قومی اخبارات نے ایسے فتووں کی تشہیر کی، مقامی مولویوں نے منبر و محراب سے اس آواز کو اٹھانا شروع کر دیا ۔۔۔ اس کے ساتھ افواہوں کا بازار بھی گرم ہونے لگا تو سندھ، سرحد اور پنجاب کے مسلمانوں نے اپنے جذبوں کا رُخ ترکِ وطن کی طرف پھیر دیا۔ اور جوق در جوق افغانستان کی طرف چل پڑے۔

سندھیوں کا جذبہ

سندھ خلافت کمیٹی کا دوسرا اجلاس اپریل ۱۹۲۰ء میں مولانا عبدالکریم درس کی صدارت میں سیوہن میں ہوا جس میں ملک کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ ہجرت کی تحریک چلائی جائے۔ اس کانفرنس کے فوراً بعد جیکب آباد میں مولانا تاج محمود امروٹی کی صدارت میں خلافت کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں باقاعدہ ہجرت کمیٹی قائم کی گئی۔ "بہت سے لوگوں نے کابل کی طرف ہجرت کرنے کے لیے ہجرت کمیٹی کے دفتر میں نام درج کروائے۔" [1]

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی اپنے مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کمیٹی کے قیام کے بعد بیرسٹر جان محمد جونیجو کی زرعی زمینوں کا پانی بند کر دیا گیا۔ ٹھیاری میں ایک جلوس پر پولیس نے فائرنگ کی جس میں ایک مسلمان نوجوان شہید ہوا۔ رئیس غلام محمد

۱؎ مجلہ "برگِ گل" کراچی، جوہر نمبر ۱۴۰۱ ہجری صہ ۱۱۷

بھرگری مرحوم طرح طرح کے مظالم سے دل برداشتہ ہو کر کچھ عرصے کے لیے انگلینڈ چلے گئے۔ ان حالات کے باوجود ہجرت تحریک کا کام زور شور سے جاری رہا اور سندھ کے مسلمان اپنا مال و اسباب اونے پونے بیچ کر ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔" [1]

مہاجر شاعروں کے جذبات

۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو سندھ کے مہاجروں کی ایک اسپیشل ٹرین لاڑکانہ سے پشاور کے لیے روانہ ہوئی۔ اس قافلے کی روانگی کا ذکر کرتے ہوئے "لاڑکانہ گزٹ" کا غیر مسلم ایڈیٹر شلرام لکھتا ہے: "سندھ کے کونے کونے سے ہجرت کی آوازیں آ رہی ہیں۔" [2] عازمین ہجرت کے جوش اور جذبے کا یہ عالم تھا کہ مہاجرین سندھ کے اس پہلے قافلے کے ایک مہاجر شاعر متخلص عبد نے اپنے جذبات ایک سندھی نظم میں اس طرح قلمبند کئے: "اے عزیزو! ہم خدا کی راہ میں جا رہے ہیں۔ خدا حافظ۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم سے فی سبیل اللہ مہاجر ہوئے ہیں، ہم سب ایمان کے خادم ہیں اور دین کی خدمت کے لیے جا رہے ہیں، خدا حافظ" [3]

اسی طرح لاڑکانہ ہی کے ایک اور شاعر فقیر محمد شیرل بھی مہاجروں کے اس قافلے میں افغانستان گئے تھے، انھوں نے ہجرت کا واقعہ "سفرنامۂ ہجرت" کے نام سے منظوم کیا جس میں اپنے ساتھیوں اور امیرِ کارواں جان محمد جونیجو کے احساسات کی ترجمانی کی ہے۔ [4]

باشندگانِ سرحد کا جوش

اسی طرح پشاور میں تحریکِ ہجرت کا بڑا غلغلہ ہوا اور بعض جگہ دیہات کے دیہات افغانستان کو ہجرت کر گئے۔ پروفیسر رشبرک ولیمس "ضلع پشاور کے دیہات" کے عنوان سے لکھتے ہیں: "اصل بانیانِ تحریک متحیر رہ گئے، جب ان کو اس تحریک کی کامیابی کی کیفیت کا جو مختلف

۱؎ مجلہ "برگِ گل" جوہر نمبر۔ صہ ۱۱۷
۲؎ لاڑکانہ گزٹ، ۱۷ جولائی ۱۹۲۰ء
۳؎ برگِ گل، جوہر نمبر (مضمون سندھ میں خلافت تحریک از ڈاکٹر عبدالمجید سندھی) صہ ۱۱۷
۴؎ ایضاً

اطراف میں ہُوئی تھی، حال معلوم ہُوا، حکام نے جن کو چند ماہ پیشتر سے اندیشہ تھا کہ یہ تحریک اس قدر پھیلے گی جو بانیانِ تحریک کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گی، مقامی ذی اثر حضرات کو اپنا معین بنایا اور مہاجرین کے روکنے کی امکانی کوششیں کیں، کیونکہ اس وقت یہ اندیشہ تھا کہ کل آبادی سرحدی صُوبہ کی افغانستان کو منتقل ہو جائے گی۔" [1]

اللہ بخش یوسفی نے باشندگانِ سرحد کے جذبات کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کیا ہے۔ "مذہب کے نام پر جب ہجرت کا اعلان ہُوا تو اس کا سب سے زیادہ اثر باشندگانِ سرحد نے لیا۔ گو اس علاقے میں کسی منظم جماعت یا علماء کی جمعیت نے یہ فتویٰ نہ دیا تھا، پھر بھی ہندوستانی علماء کی عزت و وقعت کے پیشِ نظر اس حکم کو حکمِ شریعتِ اسلامیہ تسلیم کر لیا گیا۔ صُوبے کے طول و عرض میں ایک آگ سی جلتی نظر آنے لگی، جسے دیکھو بوریا بستر سنبھالے یا اپنا گھر بار لٹائے افغانستان کا رخ کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دردناک مناظر نظر آنے لگے کہ جن کے خیال سے ہی بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے خون رُلا دینے والے حالات دیکھے۔ ان آنکھوں نے والدین سے ان کے لختِ جگر جُدا ہوتے دیکھے، خاوندوں سے بیویاں اور بیویوں سے خاوند جدا ہوتے دیکھے۔ والدین یا سرپرستوں کے یُوں راہِ حق میں رخصت ہونے پر ان کے بچوں کو تلملاتے دیکھا، ماؤں کی گود میں ان ننھے ننھے بچوں کو بھی دیکھا، جو زار و قطار روتے ہُوئے ہجرت کرنیوالوں سے چمٹ جانا چاہتے تھے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں ایسے خود دار نوجوان بھی تھے جو اپنی منگیتروں کو پیچھے چھوڑ کر ان کا مستقبل برباد نہ کرنا چاہتے تھے۔ اور ان منگیتروں کے وہ خود دار والدین بھی تھے، جنھوں نے ایسی لڑکیوں کو ان مصائب میں اپنے ہونے والے خاوندوں کے ساتھ رہنے کی تلقین کی۔ یہی نہیں، ان آنکھوں نے پھر وہ دردناک نظارے بھی دیکھے، جب کہ سڑکوں پر نکاح پڑھے گئے، رسُومات شادی کو یک قلم فراموش کرتے ہُوئے یہ جوڑے اسلام کے نام پر شبِ عرُوسی کو فراموش کیے میدانِ جہاد کی طرف گامزن

[1] رشبرک ولیمس، پروفیسر، مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء (مترجمہ مولوی عبدالمجید (؟) دریابادی، مطبوعہ تعلقدار پرنٹنگ پریس لکھنؤ بار اوّل ۱۹۲۲ء صفحہ ۶۰

تھے۔ گھر بار لٹ گئے، فصل برباد ہُوئی، عزیزوں، تعلقداروں سے اس امید میں جُدائی ہُوئی کہ وہ بھی جلد ان سے میدانِ جنگ میں جا ملیں گے۔ کھڑی فصلیں کوڑیوں کے مول فروخت کر دی گئیں۔ ہمارے ہندو بھائی موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے موجود تھے۔ ان ظالموں نے ڈیڑھ دو روپے میں گائے خریدی۔ مختصراً ایک قیامتِ صغریٰ کا نظارہ تھا، لیکن دیکھنے والوں کے لیے۔ جانے والے تو ہنسی خوشی تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے تاکہ حکمِ خدا و رسول کی پیروی میں وہ اسلام کا تحفظ کر سکیں۔" [1]

دینی جوش اور ملّی جذبہ

۲ جون ۱۹۶۸ء کو لاہور میں ہونے والے "یوم رضا" کے لیے پیر عبدالرحیم صاحب آف بھرچونڈی شریف (سندھ) نے اپنے پیغام مرقومہ ۲۷ مئی ۱۹۶۸ء میں لکھا "جب سندھ کے عوام اپنے موروثی دینی جوش اور ملّی جذبے سے مجبور ہو کر اپنی جائیدادیں جذبہ ہجرت پر قربان کر کے کابل وغیرہ جانے لگے...." پیر صاحب نے لکھا کہ ان کے جدِ بزرگوار حضرت حافظ محمد عبداللہ صاحب نے اس بارے میں مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی سے رجُوع فرمایا اور ہجرت کے خلاف مولانا بریلوی کے فتوے کو ملک کے طول و عرض میں مشتہر کر دیا۔ [2]

قاضی عبدالغفار لکھتے ہیں: "ہجرت کی تحریک نے ایسا اثر پیدا کیا کہ ترکِ موالات کی تحریک بھی اس کے مقابلے میں ماند پڑ گئی۔" [3]

جائیدادوں کی قیمتِ فروخت

ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی کی تاریخ بیان کرتے ہُوئے قریباً سب کتابوں میں تحریکِ ہجرت پر کم سے کم گفتگو کی جاتی ہے۔ عموماً ایک آدھ پیرے میں بات کر کے مصنّف آگے نکل جاتا ہے، لیکن ان چند سطروں میں بھی ہجرت کے لیے پیدا ہونے والے جذبے کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے، آغا اشرف لکھتے ہیں: "مولانا محمد علی جوہر کا وفدِ خلافت ابھی انگلستان

[1] اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہدِ آزادی صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵

[2] عبدالنبی کوکب، قاضی، مقالاتِ یوم رضا حصہ دوم، دائرۃ المصنفین، لاہور۔ طبع اوّل ۲ مئی ۱۹۷۰ء صفحہ ۵۵

[3] عبدالغفار، قاضی، حیاتِ اجمل، علی گڑھ، ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۲۲

یہی تھا کہ بعض لوگوں کی تحریک پر سندھ سے اور پھر پورے ہندوستان سے ہزاروں مسلمان کوڑیوں کے مول اپنی جائیدادیں فروخت کرکے افغانستان کو ہجرت کرنے لگے۔" ۱

بچے کی قربانی

عزیز ہندی کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے ہجرت کی آواز اٹھائی، دہلی میں دفتر مہاجرین قائم کیا اور اسے باقاعدہ تحریک کی شکل دی۔" وہ "تحریک ہجرت کی تاریخ" بیان کرتے ہوئے، ہجرت کے لیے جوش و جذبہ کی مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ سرحدی علاقے کے دو بھائی تھے۔ ان میں سے ایک کی بیوی مر چکی تھی، اس کے ایک بچہ تھا۔ غالباً ان کا اپنے گاؤں میں کوئی نہ تھا۔ ان بھائیوں نے دریا پر جاکر بچے کو بسم اللہ کہہ کر دریا میں پھینک دیا اور خود ہجرت کر گئے۔ ۲ مزید لکھتے ہیں کہ "لوگوں کی فصلیں پکنے پر آئی ہوئی تھیں، مگر ہجرت کا جوش اس قدر غالب تھا کہ ایک دن پیچھے رہ جانا بھی دوبھر معلوم ہوتا تھا۔ اس اندیشے جوش میں کہ کل کو انگریز سرکار ہماری فصلوں کو کاٹ کر فائدہ نہ اٹھائے، لوگوں نے اپنی کھڑی فصلیں جلادیں اور خود ہجرت کر گئے۔ صوبۂ سرحد میں یہ واقعات تو بے شمار ہوئے کہ لوگوں نے اپنی جائیدادیں اونے پونے بیچ کر ہجرت کا سروسامان درست کیا۔" ۳

ہندوؤں کا کردار

مسلمانوں کے اس جذبے سے ہندوؤں نے پوری طرح فائدہ اٹھایا۔ اُدھر گاندھی جی انھیں "نان کوآپریشن" کا سبق دے رہے تھے، جسے علماء نے اسلامیا کر "ترکِ موالات" کا نام دے لیا اور اس کی تبلیغ شروع کر دی۔ نتیجے کے طور پر ہندوستان کے مسلمان باسیوں نے نوکریاں چھوڑ دیں، کالجوں، اسکولوں سے اپنے بچوں کی تعلیم ختم کر دی، کونسلوں وغیرہ سے استعفے دے دیئے، اور اس طرح ہندوؤں کے مقابلے میں، ہر میدان میں بہت پیچھے

۱ آغا اشرف، پاکستان کا اسلامی پس منظر، مقبول اکیڈمی لاہور، طبع اول ۱۹۸۳ء صہ ۱۶۰

۲ رئیس احمد جعفری (مرتب) اوراقِ گم گشتہ۔ صہ ۸۲۲، ۸۲۵

۳ اوراقِ گم گشتہ۔ صہ ۸۲۵

رہ گئے۔ ادھر جو لوگ علماء کے فتووں اور تبلیغ کا شکار ہو کر ترکِ وطن کی راہ پر چلے، ہندوؤں نے ان کے جذبے کی تعریف کی اور ان کی جائیدادیں برائے نام قیمت پر خرید لیں۔ سید دربار علی شاہ کے ماموں حاجی فیض محمد خاں بھی ۱۸ سال کی عمر میں ہجرت کر گئے تھے، ان کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب "ہجرتِ افغانستان" کے آغاز میں "تحریکِ خلافت" کے عنوان سے سید دربار علی شاہ لکھتے ہیں: "اس تحریک میں جیسا کہ زیرِ نظر داستانِ ہجرت سے بخوبی واضح ہوگا، مسلمانوں کو بے شمار اذیتوں اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ انھوں نے برصغیر ہند و پاک میں اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے دام بیچ ڈالیں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ عازمِ سفر ہوئے۔" ۱

ڈاکٹر معین الدین عقیل اپنے مضمون "تحریکِ ہجرت" میں ہندوؤں کے کردار کے حوالے سے مسلمانوں کی قربانیوں کا ذکر یوں کرتے ہیں: "کاشتکار اپنی زرعی زمینیں اور جائیدادیں تک چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بدطینت زمیندار اور سود خور جو زیادہ تر ہندو تھے، سادہ لوح کاشت کاروں کو بھڑکانے اور انھیں ہجرت کی ترغیب دینے کا کام کرتے رہے تاکہ سستے داموں ان کی زمینیں اور جائیدادیں خرید سکیں۔ نتیجۃً غریب کاشتکاروں کو بہت سستے داموں اپنی زمینیں اور جائیدادیں فروخت کرنی پڑیں۔ لوگوں پر ہجرت کا جوش اس قدر غالب ہو رہا تھا کہ اس میں تاخیر ان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس خیال سے کہ پکی فصلیں کٹنے تک کہیں تاخیر نہ ہو جائے اور یہ کہ ان فصلوں سے کہیں انگریز فائدہ نہ اٹھالیں، پکی فصلیں جلادی گئیں۔" ۲

اثاثوں کی فروخت اور خرید

صلاح الدین ناسک لکھتے ہیں: "اگست ۱۹۲۱ء میں صوبہ سرحد، سندھ اور پنجاب کے مسلمانوں نے افغانستان کو ہجرت شروع کی۔ مسلمانوں نے اپنا تمام اثاثہ سستے داموں فروخت کر دیا۔" ۳

۱ دربار علی شاہ سید (مؤلف)، ہجرتِ افغانستان، تاج کمپنی لمیٹڈ (س ن) صہ ۱۳، ۱۴

۲ ابوسلمان شاہجہانپوری و دیگر (مرتبین)، تحریکاتِ ملی۔ صہ ۲۲۰

۳ صلاح الدین ناسک، تحریکِ آزادی، عزیز بک ڈپو لاہور، اشاعت اول (س ن) صہ ۲۲۲

ہجرت اگست ۱۹۲۱ء میں نہیں، بلکہ مئی ۱۹۲۰ء کے اواخر میں شروع ہوئی اور اگست کے وسط میں ختم بھی ہو گئی تھی۔ بہرحال، یہ واقعہ ہے کہ عازمین ہجرت نے جوشِ ترکِ وطن میں اپنی ہر چیز چھوڑ دی یا سستے داموں فروخت کر دی۔

بنوں اور وزیرستان کی تاریخ میں ہے کہ "بنوں کے کافی لوگوں نے ہجرت کی۔ اپنے مال اور زمینیں وغیرہ سستے داموں ہندوؤں کے ہاتھ فروخت کیے۔" [۱]

۱۱ر اگست کے زمیندار میں بھی ایک خبر ملتی ہے "بنوں۔ ۹ر اگست یک شنبہ کو کھلے میدان میں عام جلسہ منعقد ہوا، علماء کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔ عدم تعاون اور ہجرت کی تحریکات میں بالاتفاق منظوری کا اعلان کیا گیا۔ مہاجرین کا پہلا قافلہ ایک ہفتے کے اندر اندر روانہ ہو جائے گا۔" [۲]

ہجرت کے عزم کی قیمت اور امن پسندانہ روّیہ

سید نور احمد نے بھی ہزاروں مسلمانوں کا اپنا سب کچھ کوڑیوں کے مول بیچ کر افغانستان کا رُخ کرنا بتایا ہے۔ [۳]

عبدالحمید نے بھی لکھا ہے کہ صوبہ سرحد اور سندھ کے سینکڑوں خاندان اپنی زمینیں اور جائیدادیں برائے نام قیمت پر دے کر اپنے اہل و عیال کو چھکڑوں میں سوار کر کے رانفلیں حکومت کو واپس دے کر درۂ خیبر کی طرف چل پڑے۔ [۴] عبدالحمید خان نے مولانا احمد علی لاہوری کی سوانح میں "ہزاروں کی تعداد میں کارواں در کارواں ہجرت کرنے" کا ذکر کیا ہے۔ [۵] رائفلیں حکومت کو واپس کرنے کا ذکر زمیندار کے ایک اداریے میں یوں کیا گیا: "عازمانِ ہجرت نے روانگی سے پہلے سرکاری بندوقیں نہایت حزم و احتیاط سے

[۱] گل ایوب خان سیفی۔ بنوں اور وزیرستان تاریخ۔ نذیر میڈیکل سٹور بنوں ۱۹۶۹ء صہ ۲۳۵
[۲] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۱ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۲
[۳] سید نور احمد مارشل لا سے مارشل لا تک صہ ۲۹
[۴] عبدالحمید مسلم سیپریٹزم ان انڈیا" آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لنڈن، دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۱ء صہ ۱۳۵
[۵] عبدالحمید خان، مردِ مومن، فیروز سنز لاہور (س ن) صہ ۵۳

واپس داخل کر دیں۔ اس سے اس بے نظیر، امن پسندانہ روّیہ کا پتہ چلتا ہے، جو تحریکِ ہجرت کی جان ہے۔" [۱]

ہجرت کے لیے مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ چند ہفتوں میں ہزارہا مہاجرین افغانستان میں داخل ہو گئے۔ عزیز ہندی نے افغانستان کے سپہ سالار محمد نادر خاں سے گورنمنٹ ہاؤس میں اپنی ملاقات کے حوالے سے لکھا: "مجھے اس کی گفتگو سے احساس ہوا کہ جہاں وہ اس تحریک سے خوش ہے، وہاں وہ کچھ متفکر سا بھی ہے۔۔۔۔ ابھی تک کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ صرف چند ہفتوں کے اندر اندر ہزاروں کی تعداد میں مہاجرین کے قافلے افغانستان میں داخل ہونے شروع ہو جائیں گے۔" [۲]

انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحد

۱۹۲۰ء کے اخبارات کا مطالعہ کریں تو ہجرت کے سلسلے میں جوش اور جذبے کی کئی نادر مثالیں سامنے آتی ہیں۔ ۷ر مئی کے روزنامہ "زمیندار" میں انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحد (صدر مقام مردان ضلع پشاور) کے سیکرٹری میاں قمر الدین کاکاخیل اور دوسرے لوگوں کی طرف سے اعلان چھپا کہ پشاور، مردان، چارسدہ، صوابی، نوشہرہ، مالاکنڈ ایجنسی، ہزارہ، کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسمٰعیل خان، کلاچی اور ٹانک کے ۳۸ ۱۲ افراد ہجرت کے لیے تیار ہیں۔ "جو محض اپنے پیارے دین کی خاطر افغانستان کی طرف ہجرت روانگی کی گھڑیاں گن رہے ہیں۔ نہ ان کو اپنے آرام و آسائش کا خیال ہے اور نہ اپنے مال، جائیداد و اولاد کا۔۔۔۔۔ اگر ایک طرف سرحدی ریاست دیر اور علاقۂ سوات کے جوشیلے اور دیندار مسلمان یہ غیبی آواز سن کر بشاش ہو رہے ہیں کہ هذا خليفة الله المهدى فاسمعوا له واطيعوا، تو دوسری طرف مہاجرین اضلاع کوہاٹ و بنوں اپنے حقیقی جوش کا اظہار اس شعر سے کر رہے ہیں۔

[۱] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۸ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۳
[۲] اوراقِ گم گشتہ صہ ۸۰۵

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید!

لیکن اضلاع پشاور و ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے دُور اندیش مہاجرین اور ہی رنگ میں رنگے ہُوئے ہیں۔"[1]

شوقِ ہجرت درجۂ عشق میں

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ (امرتسری) اپنے جریدہ "اہلحدیث" میں لکھتے ہیں "جوان جوان لڑکے جوق (در) جوق جا رہے ہیں۔ نہ ماں کی سنتے ہیں نہ باپ کی۔ شوقِ ہجرت ہے کہ عشق کے درجے میں پہنچے چلا جا رہا ہے۔"[2]

جائیداد اللہ کے بھروسے پر

۲۹ جون کو امرتسر سے تین مہاجروں کا ایک قافلہ چلا جس کے رہبر مولوی غلام حسین میر امرتسری تھے۔ مولوی صاحب ریلوے سروس کے محکمہ میں اوّل درجہ کے ٹھیکیدار تھے اور صاحب مکان و جائیداد تھے۔ دوسرے مہاجر کا اسم مبارک معراج دین ہے جو کل کے کام کا ماہر ہے۔ میاں صاحب معہ اہل و عیال کے ہجرت کر گئے۔ ان کی غیر منقولہ جائیداد ۱۲ ہزار کے قریب تھی جس میں ایک قطعہ مکان ۲½ ہزار پر فروخت کیا گیا۔ باقی کُل جائیداد اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ دی ہے۔ تیسرے مہاجر کا اسم گرامی عبدالحمید زرگر ہے۔"[3]

ترکِ وطن کا احساس

۱۵ جولائی کے "پیسہ اخبار" میں "مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین" کے عنوان سے ایک اداریہ شذرے میں مولوی محبوب عالم نے لکھا ہے "ہجرت کے لیے بھی ہر چند کہ علمائے اسلام نے صفائی سے ابھی زور نہیں دیا، نہ تمام پولیٹیکل لیڈروں نے ہی اس کی تائید کی ہے۔۔۔۔ مسلمان گھر بار اور وطن عزیز کس مجبوری سے چھوڑ رہے ہیں،

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۷ مئی ۱۹۲۰ء صد ۳،۲
[2] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۸ جون ۱۹۲۰ء صد ۹
[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۶ جولائی ۱۹۲۰ء صد ۸

ان کا مداوا کرنا ضروری ہے۔ بیس آدمیوں کا وطن سے چلے جانا بھی معمولی بات نہیں لیکن سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کا ترکِ وطن اور مذہبی احساس کی وجہ سے مصائب و تکالیف اٹھانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔"[1] اسی شذرے میں بتایا گیا کہ سپیشل ٹرین کا کرایہ ۱۲½ ہزار روپے بیرسٹر جان محمد جونیجو نے اپنی گرہ سے ادا کیا ہے۔ اور "آثار کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ سینکڑوں ہزاروں لوگ ہندوستان سے ہجرت پر آمادہ ہیں۔ یہ ایسا بڑا انقلاب ہے کہ گورنمنٹ کو اسے خاموشی سے نہیں دیکھنا چاہیے۔"[2]

"خدا کے لیے مجھے بھی ساتھ لے چلو"

مہاجرینِ سندھ کی سپیشل ٹرین خانپور (ریاست بہاولپور) سے گزری تو جب حاضرین پر درد و رقت کا عالم طاری ہو رہا تھا تو ایک باشندہ ریاست نے مسٹر جان محمد جونیجو سے استدعا کی کہ برائے خدا مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ مسٹر جان محمد جونیجو نے ارشاد فرمایا کہ اسپیشل ٹرین میں جگہ نہیں مگر وہ بے تاب تھا اور سخت رو رہا تھا۔ آخر کار حسب الارشاد حضرت مولانا صاحب (تاج محمود امروٹ والے) اسپیشل ٹرین میں سوار کیا گیا۔"[3]

تحریک میں قدرت کا ہاتھ

"اہلحدیث" نے "ہجرت کا زور پنجاب میں" کے عنوان سے لکھا: "آج کل پنجاب، خصوصاً شہر پشاور، لاہور اور امرتسر میں گھر گھر ہجرت کا چرچا ہو رہا ہے۔ چلو چلو کی آوازیں آ رہی ہیں، نوجوان لڑکے سکول جاتے جاتے گم ہو جاتے ہیں۔ والدین پریشان ہیں، غرض ایک طوفان بپا ہو رہا ہے۔ غائر نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک میں قدرت کا ہاتھ ہے جس کی حکمت معلوم نہیں۔"[4]

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء صد ۲
[2] ایضاً
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صد ۵
[4] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صد ۱۰

چندے میں فرزند دے دیا

ہجرت کے لیے مسلمانوں کے جذبات کے بارے میں باتیں کہی جا سکتی ہیں پوری طرح ان کی شدت کا احساس ممکن نہیں۔ خبر ملاحظہ ہو: "موضع مانیری تحصیل صوابی ضلع پشاور میں علماء اور عوام کا ایک جلسۂ عام ہوا جس میں مسئلہ ہجرت و جہاد پر بحث ہوئی۔ کئی اصحاب نے فہرستِ مہاجرین میں نام درج کرائے۔ کئی ایک ایسے بیقرار ہو گئے کہ سب کچھ چھوڑ کر دیوانہ وار ہجرت کمیٹی پشاور کی طرف روانہ ہو گئے ..... ایک شخص نے اپنا فرزند چندے میں پیش کیا، جس کی قیمت پانچ سو روپیہ تک پہنچی۔"[1]

روپے کا مال چار آنے میں

"مردان اور صوابی سے ہجرت" کے زیرِ عنوان ایک خبر سے صورتِ حال کا اندازہ فرمایئے: "مہاجرین روپیہ کا مال چار آنے دے رہے ہیں چنانچہ گیہوں جو چار روپے من تھا، ڈیڑھ روپیہ میں فروخت ہو رہا ہے۔ گاؤں کے گاؤں ہجرت پر تلے ہوئے ہیں۔"[2]

شوقِ ہجرت یا جوشِ جہاد

ایک اور مضمون کا اقتباس دیکھیے: "ضلع پشاور کے صوابی تحصیل کے باشندوں میں مجنونانہ جوش پایا جاتا ہے، اس لیے وہاں تمام اضلاع سے زیادہ ہجرت عمل میں آ رہی ہے۔ ہر جو گروہ اپنے ساتھ چوپائے بھی لیتا آیا ہے اور اپنی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کو انھوں نے نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کر ڈالا ہے۔ ان میں سخت مذہبی جوش ہے۔ جس وقت وہ جرود کے قریب سڑکوں پر سے گزرتے ہیں تو ڈھول بجاتے اور رقص کرتے ہیں..... وہ اس قدر جوش کا اظہار کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ جنگ پر جا رہے ہیں!"[3]

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۷ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۶
[2] " " " ۵ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۶
[3] " " " ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۴

ہزارہا مسلمانوں کا قافلہ

ہجرت کمیٹی پشاور کے سیکرٹری جان محمد کی طرف سے مہاجرین کے چودھویں قافلے کی جو خبر اشاعت پذیر ہوئی، اس میں انھوں نے لکھا: "ہجرت کا جو جوش پشاور میں پیدا ہو گیا ہے، اگر یہ دستور رہا تو شاید صوبہ سرحدی تھوڑے ہی دنوں میں بالکل خالی ہو جائے گا۔"[1]

یہ قافلہ چہاردہم "تقریباً دس ہزار" مہاجرین پر مشتمل تھا۔[2] میاں عباس خاں اتمان زئی کی سرکردگی میں جانے والا یہ قافلہ "پیسہ اخبار" کی خبر کے مطابق چودہ ہزار مہاجرین پر مشتمل تھا۔ ان میں زیادہ تر ضلع پشاور کے مسلمان تھے، جو لاکھوں روپیہ کا نقصان کر کے جا رہے ہیں۔"[3]

ہفت روزہ "اہلحدیث" نے اپنی ۱۳ اگست کی اشاعت میں لکھا: "شائقین ہجرت گرمی سردی کی پرواہ نہیں کرتے، اور چلے جا رہے ہیں ..... ہجرت کمیٹی پشاور کی اطلاع ہے کہ مہاجرین کی مہمان نوازی اور دیگر اخراجات کا اندازہ تین ہزار روپیہ روزانہ ہے۔"[4]

اس صورتِ حال کے پیش نظر مولانا ظفر علی خاں نے اداریہ لکھا: "ہجرت کے متعلق کہاں تو وہ حالت تھی کہ ایک مٹھی بھر مسلمانوں کے تیار ہو جانے پر ایوانِ حکومت میں ایک دہشت آمیز غلغلہ مچ جاتا تھا اور کہاں یہ حالت ہے کہ سینکڑوں نہیں، ہزارہا مہاجرین مخلصین اپنے وطن اور گھر بار کو چھوڑ چھاڑ کر اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے گوہرِ مقصود کی تلاش میں بادیہ پیما ہو رہے ہیں....."[5]

چالاک ہندو

ہندوؤں نے جس طرح سے عازمینِ ہجرت کو لوٹا، اس کی طرف "پیسہ اخبار" اس طرح اشارہ کرتا ہے "دیہاتی علاقوں میں زیادہ اثر پڑا ہے اور بہت جگہوں پر اراضیات

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۴
[2] ایضاً
[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۵
[4] ہفتہ وار "اہلحدیث" امرتسر ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۱۲
[5] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء صـ ۲

اور فصل برائے نام قیمت پر ہجرت اختیار کرنے کی غرض سے فروخت کر رہے ہیں۔ حالت
کہ بعض چالاک لوگ جو اراضی اور فصل ارزاں قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں، زیادہ خراب
بنا رہے ہیں"[1] یہی بات اگلے روز پھر یہ اخبار اپنے ادارتی شذرے میں یوں دُہراتا
ہے:" پشاور کے دیہات سے بہت لوگ ہجرت پر روانہ ہو جانے کے لیے اپنی اراضیاں
اور فصلیں برائے نام قیمت پر فروخت کر رہے ہیں۔ اور بے اصولے خریدار مقامات مقدسہ
کی توہین کے متعلق واہی تباہی خبریں پھیلا کر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"[2]

پشاور کو ہجرت نے خالی کیا ہے

مولانا ظفر علی خان نے اس وقت، جب امیر کابل کا فرمان التوائے ہجرت ہندوستان
کے اخبارات کی زینت بن چکا تھا، اپنی ایک نظم زمیندار کے پہلے صفحے پر شائع کی،
جس کے تین شعر یہ ہیں:

کہا بڑھ کے لبیک افریدیوں نے
وہاں جب گیا قافلہ جزنیجو کا!!

بنا دے گی مُسلم کو مُسلم یہ ہجرت
چھپا جس میں ہے رازِ حق نسرّہ کا

پشاور کو ہجرت نے خالی کیا ہے
وہاں جا کے دیکھا تو عالم تھا ہُو کا![3]

التوائے ہجرت اور جوش و خروش

امیر افغانستان نے تا حکم ثانی ہجرت ملتوی کر دی تو اس خبر کے حوالے کے
ساتھ ایڈیٹر "زمیندار" نے مہاجرین کے جوش و خروش کا ذکر یوں کیا:" گزشتہ چند روز
میں ہجرت کی تحریک یکایک اتنا زور پکڑ گئی ہے کہ ہزارہا مہاجرین اپنی املاک اونے پونے

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۳ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶
[2] " " " ۱۴ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۲
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۸ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۱

فروخت کر کے عازمِ افغانستان ہو رہے ہیں۔ اور يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ
اَفۡوَاجًا ۔ کا منظر پیش کر رہے ہیں۔"[1]

اثاثے نذرِ ایمان

"..... خصوصاً صوبہ سرحدی سے تو اتنے لوگ اپنے مکانات اور زمینیں برائے نام
قیمتوں پر دے کر رخصت ہو گئے کہ حکام سرکاری تک حیران رہ گئے"[2] زمیندار نے یہ بات
ان الفاظ میں بیان کی: "غیور مہاجرین نے جو اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا چکے تھے اور
ہزاروں بلکہ لاکھوں روپوں کی جائیدادوں کو فرداً فرداً نذرِ ایمان کر چکے تھے"[3]

ہجرت کے لیے جوش و خروش اور ولولہ کی ایک صورت یہ بھی ملاحظہ ہو کہ میانوالی
سے شرافت اللہ نے زمیندار کے نام خاص تار میں لکھا "کہ میں نے عزم ہجرت کر لیا ہے۔
۸ ہزار روپیہ نادار مہاجرین کی نذر کرتا ہوں"[4] میاں شیر حق تعالیٰ، چاہ حافظ والا
تحصیل و ضلع ساگر نے بھی عازمین ہجرت کے لیے ۸ ہزار روپے دیے،[5]

خلافت کمیٹی کے محمد صفدر (سیالکوٹ) اور ملک لال خاں (گوجرانوالہ)، ر اگست
۱۹۲۰ء کو پشاور پہنچے، وہاں کے انتظامات اور حسابات کا جائزہ لیا اور اپنی رپورٹ
میں لکھا "صوبہ سرحدی کے لوگ ہجرت کی فرضیت کو سمجھ کر گاؤں کے گاؤں خالی کر کے
جھنڈوں تلے دف بجاتے، ناچتے، گاتے، قافلہ بنا کر ہر روز آ رہے ہیں۔ روزانہ آنے
والے مہاجرین کی تعداد دو تین ہزار سے کم نہیں ہوتی، عام خیال ہے کہ عید اضحیٰ کے بعد
کا قافلہ پچاس ہزار سے کم کا نہ ہوگا۔"[6]

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۵ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۲
[2] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۷ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۲
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۸ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۲
[4] " " " ۱۵ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۴
[5] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۴ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶
[6] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۱ر اگست ۱۹۲۰ء صہ ۵

شدّتِ جذبات کا عالم

عازمین ہجرت کی شدّتِ جذبات کا عالم یہ تھا کہ جب امیر کابل نے مہاجرین کے کابل میں داخلے پر قدغن لگا دی تو انھیں یقین نہ آتا تھا۔ مہاجرین کے آخری قافلے کا حال دیکھیے "چیف کمشنر صوبہ سرحد نے اعلان کیا ہے کہ سات ہزار سے زیادہ مہاجرین کا ایک قافلہ ۱۲ اگست کو پشاور سے جمرود کی طرف روانہ ہو چکا تھا، جب امیر کابل کا فرمان دربارۂ التوا موصول ہُوا۔ فوراً خلافت کمیٹی نے ان لوگوں کو واپس بلانے کے لیے پیغام بھیجا مگر مہاجرین نے ان کے احکام ماننے سے انکار کر دیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ خلافت کمیٹی والے رشوت کھا بیٹھے ہیں۔ پھر سفیرِ افغانستان متعینہ پشاور خود گیا مگر انھوں نے اس کی بھی نہ سُنی اور اسے پتھر مار کر واپس کر دیا۔ اس لیے انھیں لنڈی کوتل تک چلا جانے دیا گیا۔ حاجی جان محمد سیکرٹری خلافت کمیٹی اور دیگر اصحاب نے سرحد پر جا کر افسران افغانستان سے بات چیت کی اور پھر لنڈی کوتل آ کر لوگوں کو واپسی کے لیے ترغیب دی لیکن انھوں نے ان سب کو کافر کہہ کر گالیاں دیں اور آگے بڑھتے چلے گئے۔ سرحد وار ڈکہ اور افغانستان کمانڈر نے جس کی ماتحتی میں پچاس سپاہی تھے، انھیں روکا۔ ایک گھنٹہ تک بات چیت ہوتی رہی، اتنے میں آہستہ آہستہ سب مہاجرین سرحد پر جمع ہو گئے۔ اور انھوں نے جبراً علاقہ کابل میں داخل ہونے کی دھمکی دی تھی۔ اس پر سرحد وار ڈکہ نے ٹیلی فون کے ذریعہ جنرل نادر خاں سے بات چیت کر کے کہا کہ اچھا جو لوگ اپنا خرچ ادا کر سکتے ہیں، انھیں میں جانے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ چنانچہ ان لوگوں کو اجازت مل گئی۔"[۱] اگلے روز اخبار نے پھر سرحدی نامہ نگار کے حوالے سے خبر دی کہ مہاجرین بارہ ہزار تھے، جن میں سے دو ہزار پشاور واپس آ گئے ہیں، باقی دس ہزار جوش میں آکر تار دار جنگلوں کو جو سرحد پر لگے ہُوئے ہیں، کاٹ ڈالنے کے (لیے) دوڑے اور چلا کر کہا کہ یا تو وہ کابل جائیں گے یا فقیر محمد خاں ایجنٹ کابل سے جو پشاور میں ہے، لڑیں گے۔ فقیر محمد خاں نے وہاں آ کر انھیں واپس جانے کے کہا مگر "مہاجرین شور مچاتے

[۱] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

رہے اور فقیر محمد خاں کی بات نہ سُنی اور وہ اپنے تانگے اور چھکڑے درہ تک لے گئے۔ ڈھول بجائے گئے، علم بلند کیے گئے اور مہاجرین کا سیلاب آگے بڑھا...... بڑی مشکل سے جنرل نادر خاں کا حکم موجودہ مہاجرین کے بڑھنے کے لیے حاصل کیا گیا۔"[۱]

ہجرت کے لیے لوگوں کے ولولے کا یہ عالم تھا کہ جب امیر کابل نے ہجرت کا سلسلہ بند کرنے کا اعلان کر دیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ افغانستان والے اپنے ملک میں مہاجرین کو گھسنے نہیں دیتے ـــــ تو بھی لوگ ہجرت کے خواہشمند تھے اور گویا مسابقت کی ایک فضا قائم ہو گئی تھی کہ جو لوگ ہجرت کر چکے ہیں، وہ تو یہ سعادت حاصل کر چکے، ہم کیوں رہ گئے ہیں۔ ۲۰ اگست کے "زمیندار" نے لکھا: "دفتر میں لوگوں کا برابر تانتا لگا ہُوا ہے۔ ہر شخص مایوسی کے لہجہ میں گھبرا کر پُوچھتا ہے کہ کیا اب ہم نہ جا سکیں گے"[۲] اگلے روز "پیسہ اخبار" میں خبر چھپی کہ "مہاجرین کی ٹولیاں اب تک پشاور چلی جا رہی ہیں۔ حالانکہ امیر کابل کا فرمان ہمت شکنی کے متعلق شائع ہو چکا ہے"[۳] اگست کے وسط میں خلافت کمیٹی پشاور کا ایک وفد جنرل نادر خاں سے ملنے جلال آباد گیا تاکہ "ان مہاجرین کے لیے افغانستان جانے کی اجازت حاصل کرے جنھوں نے ہجرت کرنے کی غرض سے اپنے مکانات جلا دیئے ہیں"[۴]

ہجرت اعتقاد کی پختگی کی علامت

افغانستان سے واپس آنے والے ایک مہاجر نے اپنی روداد اخبار میں اشاعت کیلئے بھیجی تو اس میں بھی لکھا: "پشاور سے ہر ایک گاؤں کے لوگ مال منقول وغیر منقول بہت تھوڑی قیمت پر فروخت کر کے ہزاروں کی تعداد میں قافلہ بنا کر بڑے ذوق و شوق سے جاتے تھے"[۵] مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی لوگوں کو یاد دلایا کہ ہجرت کا شوق

[۱] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

[۲] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

[۳] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶

[۴] ایضاً

[۵] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

عازمین میں کس قدر تھا "گزشتہ ایام تمام ملک میں ہجرت ہجرت کی آواز آتی تھی جس سے مہاجرین کے قافلے جاتے تھے۔ بجائے ہفتہ واری کے روزانہ قافلوں کی روانگی شروع ہو گئی تھی۔ کہیں سپیشل ٹرین جا رہی ہے تو کہیں پا پیادہ مہاجرین چل کر اپنے پختہ اعتقاد کا ثبوت دے رہے ہیں۔"[1] ۱۵ اکتوبر کے شمارے میں انھوں نے مزید لکھا "ہزاروں جوشیلے مسلمان لاکھوں کی جائیدادیں چھوڑ کر وہاں پہنچے۔"[2]

کچا گڑھی کا حادثہ عزم ہجرت کے لیے مہمیز

ہجرت کا جوش حادثہ کچا گڑھی کے باوجود کم نہ ہوا تھا، بلکہ جس دن گوروں نے عازمین ہجرت کو ریل گاڑی میں پیٹا اور ایک مہاجر شہید ہو گیا — اس کے بعد سے لوگوں کے عزم ہجرت میں مزید پختگی آ گئی اور زیادہ لوگ ہجرت کرنے لگے۔ پشاور اور جمرود کے درمیان کچا گڑھی کے واقعے کے متعلق سید طفیل احمد منگلوری علیگ لکھتے ہیں: "مہاجرین کی ایک جماعت ریل میں جا رہی تھی کہ ایک گورا زنانہ درجہ میں گھسا اور اس نے عورتوں کو پریشان کیا، جب مہاجرین نے اس گورے کو منع کیا تو گوروں نے مل کر ان مہاجرین کو خوب پیٹا جس کی وجہ سے ایک مہاجر حبیب اللہ خان نامی مر گیا۔ اس واقعہ کا کورٹ مارشل ہوا جس میں وہ گورا بری ہو گیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ہجرت کی تحریک میں زیادہ ترقی ہوئی۔"[3]

پولیس نے اس واقعے کو جو صورت دی، وہ یہ تھی: "مہاجرین کی ایک جماعت جمرود کی جانب سفر کر رہی تھی۔ دو انگریز افسروں کو شک ہوا کہ دو مہاجرین بغیر ٹکٹ ریل میں سفر کر رہے ہیں۔ اسلامیہ کالج پشاور سٹیشن پر کچھ جھگڑا ہو پڑا، مگر گاڑی چل پڑی۔ کچا گڑھی سٹیشن پر اس بات کی کوشش کی گئی کہ ان دونوں مہاجروں کو اتار لیا جائے۔ اس پر تقریباً چالیس مہاجروں نے فوجی سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ ایک انگریز افسر نے دخل دیا جس کو ایک کدال سے زخمی کیا گیا۔ ان مہاجرینوں پر جو کہ انگریز افسر پر حملہ کر رہے تھے، کچا گڑھی کی

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر، ۱۷ ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۱۱
[2] 〃 〃 〃 ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء ص ۱۱
[3] طفیل احمد منگلوری، سید: مسلمانوں کا روشن مستقبل، حماد الکتبی لاہور، س ن ص ۴۹۹، ۵۰۰

ہندوستانی فوج کے دستے نے دو تین گولیاں چلائیں۔ مہاجرین میں سے ایک شخص زخمی ہوا، ایک مارا گیا اور تین گرفتار ہوئے۔ دو برطانوی فوجی سپاہیوں کو چوٹیں لگیں۔"[1]

مولانا شوکت علی نے ٹریبیون میں حسب ذیل بیان شائع کرایا کہ "میں خود پشاور نہیں جا سکا، بلکہ جو کچھ مجھے مولوی مقبول شاہ صدر خلافت کمیٹی اور سیکرٹری عبدالغفور سے معلوم ہوا، وہ پیش کرتا ہوں۔ ..... پشاور سے جمرود کا کرایہ صرف ۲ آنے ۹ پائی ہے۔ گوروں کو ٹکٹ دینے سے کوئی کام نہیں ہے۔ حبیب اللہ شہید جس کی عمر ۴۰ برس کی تھی، ایک لمبا اور خوبصورت جوان تھا ...... تمام آدمی اس امر پر متفق ہیں کہ وہاں پر کوئی کدال نہیں تھا۔"[2]

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس واقعے کے بارے میں اپنے ہفتہ وار اخبار میں لکھا۔

"گزشتہ ایام میں پشاور کے قریب اسٹیشن کچی گڑھی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے وسے، مہاجرین اور گرد و نواح کے لوگوں میں بہت جوش پیدا ہو گیا، وہ واقعہ یہ تھا کہ اگر کسی گورہ (گورا) سپاہی کی غلطی یا غصے سے ایک مہاجر شہید ہو گیا اور بعض کو زخم آئے۔"[3]

پروفیسر رشبرک ولیمس نے بھی تحریک ہجرت کی تیزی کا باعث واقعہ کچا گڑھی اور اس کے ساتھ پھیلنے والی افواہوں کو قرار دیا ہے، لکھتے ہیں۔

"اس تحریک (ہجرت) کے شروع ہوتے ہی ایک ناگوار واقعہ کچا گڑھی میں پیش آگیا جو افسوس ہے کہ ایک طرح سے اس تحریک کا اشتہار بن گیا۔ پہلے کچھ جھگڑا مہاجرین اور فوجی پولیس سے ہوا۔ بات بڑھی اور بالآخر ایک مہاجر کام آیا۔ اس واقعہ کے متعلق مبالغہ آمیز افواہیں ہر چہار طرف مشہور ہو گئیں۔ اسی کے ساتھ یہ بے بنیاد اور پریشان کرنے والی خبر پھیلی کہ برطانیۂ عظمیٰ نے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ نتیجتاً یہ ہوا کہ ضلع پشاور کے چند حصوں میں لوگ

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۶
[2] 〃 〃 〃 ۷ اگست ۱۹۲۰ء ص ۳
[3] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر، ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۱۲

بالکل ازخود رفتہ ہو گئے۔ صدہا خاندانوں نے اپنی زمینیں اور جائیداد برائے نام قیمت پر فروخت کر ڈالیں۔ اور تمام دنیاوی معاملات کو طے کر کے اپنی بیوی بچوں کو بیل گاڑیوں پر سوار کرا کے اور گورنمنٹ نے جو بندوقیں ڈاکوؤں سے حفاظت کے لیے دی تھیں، ان کو واپس کر کے درۂ خیبر کی جانب روانہ ہو گئے۔" ؎۱

؎۱ رشبرک ولیمس، ارتقع ہند بابت ۱۹۲۰ء (مترجمہ مولوی عبدالماجد دریابادی) صہ ۶۰

مہاجرین کے قافلے

ہجرت کی بات جب افراتفری میں چلی، جس انداز میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا فتویٰ جاری ہوا اور اس کی تشہیر ہوئی، جس طرح افغانستان نے مہاجرین کی پذیرائی کا اعلان کیا۔ اور لوگوں نے جس پھرتی سے گھروں کا ساز و سامان فروخت کیا، مکان، دکانیں، کاروبار، فصلیں اور جائیدادیں چھوڑیں یا فروخت کیں اور کابل کی طرف چل پڑے ـــــ اس میں کسی تنظیم کا تصور بھی نہیں ہے۔ پھر بھی غلام محمد عزیز امرتسری (ہندی) نے اپنے طور پر سوچ رکھا تھا کہ سو سو پچاس پچاس کے قافلوں کو حرکت دیں گے ؎۱

انھوں نے عازمین ہجرت کو ذہنی طور پر راستے کی صعوبتوں کے لیے بھی تیار کرنا چاہا۔ انھیں یہ احساس بھی دلانے کی کوشش کی کہ انھیں رقم کی شدید ضرورت ہوگی، اس لیے جتنا زیادہ سے زیادہ سرمایہ لے جا سکتے ہوں، ساتھ لے لیں۔ انھوں نے قافلہ بندی کا اعلان کیا، یہ کوشش بھی کی کہ راولپنڈی اور پشاور میں قافلوں کے پڑاؤ بن جائیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے دونوں شہروں کا دورہ بھی کیا، لیکن اس دورے سے واپس دہلی پہنچے تو ہجرت کا غلغلہ زوروں پر تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، اخبار حریت دہلی، مولوی عبدالغفور اور دوسرے "مبلغین" لوگوں کو ہجرت پر اکسانے کے لیے گرما گرم تقریریں اور "خوشنما" تحریروں کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ ان معاملات کی تفصیل پہلے

؎۱ رئیس احمد جعفری، سید، اوراقِ گم گشتہ (تحریک ہجرت کی تاریخ از عزیز ہندی) صہ ۹۰

ابواب میں آچکی ہے۔)

عزیز ہندی کے دفتر مہاجرین دہلی کے پوسٹروں اور اخبارات میں اعلانات نے کچھ کام نہ کیا اور لوگ ترکِ وطن کرنے لگے۔ عزیز ہندی لکھتے ہیں کہ "میں ابھی دہلی میں تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ ہجرت کا پہلا قافلہ جو چھ سات آدمیوں پر مشتمل تھا، پشاور سے روانہ ہو گیا ہے پھر دوسرے قافلے کی اطلاع آئی جو تیرہ چودہ تھے، پھر پانچویں کی"[1] "آٹھواں قافلہ جو پانچ چھ آدمیوں پر مشتمل تھا، ہمارے پشاور پہنچنے پر پہلے جا چکا تھا"[2]

دفتر مہاجرین نے عازمین ہجرت کو راولپنڈی میں ٹھہرانا چاہا، لیکن تارکین وطن سیدھے پشاور پہنچنا شروع ہو گئے۔ "ہجرت کے قافلے چونکہ پشاور سے جانا شروع ہو گئے تھے، اس لیے راولپنڈی میں مہاجرین کو ٹھہرانا بے معنی نظر آیا"[3] انھوں نے تو اپنے پوسٹر میں لکھا تھا: "کسی مہاجر کو ہجرت کی اجازت نہیں دی جائے گی، جس کے لیے کم از کم ہجرت کرنے کے لیے سفر خرچ موجود نہ ہو۔ مہاجرین قافلوں کی صورت میں افغانستان جائیں گے، ہر قافلے کا ایک قافلہ سالار ہو گا۔ ایسے مہاجرین کو ترجیح دی جائے گی جو کسب و ہنر جانتے ہوں اور افغانستان پر بوجھ نہ بن سکیں۔۔۔۔ خود بخود افغانستان کی سیاست میں دخل نہیں دینا ہو گا۔۔۔۔"[4] اس سلسلے میں ان کا جو تفصیلی اعلان اخبارات میں چھپا تھا، وہ گزشتہ باب میں دیا جا چکا ہے، جس میں لکھا گیا تھا کہ پہلا قافلہ ۹ رمضان المبارک کو راولپنڈی سے پشاور کی طرف روانہ ہو گا"[5] پیسہ اخبار میں بھی چھپا "اعلان میں لکھا گیا کہ جن اصحاب کا ارادہ ہجرت کا ہو وہ راولپنڈی میں جمع ہو جائیں۔ اس کے بعد ۹ رمضان یعنی ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء سے چھوٹے چھوٹے وفدوں کی روانگی شروع ہو گی"[6] لیکن ہوا یہ کہ

[1] اوراقِ گم گشتہ، صہ ۹۳۔
[2] اوراقِ گم گشتہ، صہ ۹۵۔
[3] اوراقِ گم گشتہ، صہ ۹۴۔
[4] " " صہ ۸۷۔
[5] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء صہ ۵
[6] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء صہ ۳

"صحیح معنوں میں ہجرت کا آغاز ۱۸ مئی سے — ترکی سے معاہدۂ امن کی ہندوستان میں اشاعت کے ٹھیک تین دن بعد — ہوا، جب پُر جوش مہاجرین کے پہلے قافلے نے مسرت اور کامیابی کے احساس سے سرشار ہو کر سرحد پار کی"[1]

ایک مسئلہ یہ بھی پیدا ہوا کہ ایک قافلے میں بنیادی طور پر تو کم آدمی تھے، لیکن مزید عازمین ہجرت راستے میں ملتے گئے اور "کارواں بنتا گیا"۔ مثلاً عازمین ہجرت کی سپیشل ٹرین جب لاڑکانہ سے چلی تو اس میں سات سو افراد تھے، جب پشاور پہنچی تو بارہ سو تھے[2]

پھر جو قافلے دفتر مہاجرین یا ہجرت کمیٹی پشاور کی وساطت سے جاتے تھے، ان کی خبریں تو اخبارات کی زینت بن جاتی تھیں، لیکن جو قافلے اپنے طور پر جاتے تھے، ان کا کسی کو پتا نہیں چلتا تھا۔ پھر جو مہاجرین درۂ خیبر سے گزر کر افغانستان پہنچتے تھے، انھیں تو پروانہ راہداری کے تکلفات سے بھی گزرنا پڑتا تھا، لیکن صوبہ سرحد کے باسیوں نے اس راستے کے بجائے قریب کے راستوں کو اختیار کیا، تو ان کی تعداد اور دیگر تفصیلات لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اس طرح بہت سے قافلوں کی خبریں اخبارات میں نہیں چھپیں، پھر بھی جو خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں، ان کی صورت کچھ یوں ہے:

پہلا قافلہ

"پیسہ اخبار" نے خادم المہاجرین دہلی کی تار کے حوالے سے خبر دی کہ مہاجرین کا پہلا قافلہ آج (۱۸ مئی) کابل کو روانہ ہو گیا ہے"[3] "زمیندار" نے جلال آباد (افغانستان) کے اخبار "اتحادِ مشرقی" کے حوالے سے خبر دی کہ "مہاجرین کا پہلا قافلہ ۲۶ ثور کو سید سکندر شاہ صاحب معتمد خلافت کمیٹی صوبہ سرحد کی سرکردگی میں جلال آباد پہنچ گیا"[4] عزیز ہندی اس قافلے میں مہاجرین کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں: "میں ابھی دہلی میں تھا کہ مجھے اطلاع

[1] راجپوت گزٹ ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء (بحوالہ تحریکات ملی صہ ۲۱۶)
[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۵
[3] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۲۱ مئی ۱۹۲۰ء صہ ۶
[4] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲ جون ۱۹۲۰ء صہ ۳

ملی کہ ہجرت کا پہلا قافلہ جو چھ سات آدمیوں پر مشتمل تھا، پشاور سے روانہ ہوگیا ہے۔"[1]

دوسرا قافلہ

مہاجرین کا قافلۂ دوم اتحادِ مشرقی جلال آباد کی اطلاع کے مطابق "جناب عبد الحق صاحب ملتانی کی سرکردگی میں ۲۸ رر کو پہنچا، اور جلال آباد کے مہمان خانۂ مہاجرین میں دو رات رہ کر بخیر و عافیت کابل کی طرف روانہ ہوگیا"[2] یوں یہ دوسرا قافلہ پہلے قافلے کے دو روز بعد عبد الحق ملتانی کی سرکردگی میں جلال آباد پہنچا۔ عبد الحق صاحب کے بارے میں حاجی فیض محمد خاں نے اپنی سرگزشت ہجرت "ہجرتِ افغانستان" میں ایک پورا باب لکھا ہے، جس کا عنوان ہے "غدار قوم شیخ عبد الحق" یہ باب صفحہ ۴۸ تا ۵۱ پر مشتمل ہے: "حکومتِ افغانستان نے انھیں گرفتار کرکے شیرپور جیل بھجوایا اور وہاں انھیں کچھ عرصہ بعد پستول سے ہلاک کر دیا گیا۔ اور جیل خانے کے اندر قبر کھود کر انھیں خفیہ طور پر دفن کر دیا گیا"[3] حاجی فیض محمد خاں نے ان کی شخصیت کے بارے میں لکھا ہے: "شیخ عبد الحق ملتان کے رہنے والے تھے۔ گندمی رنگ کے وجیہہ آدمی تھے۔ داڑھی سیاہ رنگ کی تھی، شکل و صورت رعب دار تھی، اور گفتگو کافی دلکش ہوتی تھی جس کی وجہ سے انھوں نے افغانستان کے حکمرانوں، سرداروں امیروں اور خود مہاجروں کو بہت متاثر کر لیا تھا"[4]

حاجی فیض محمد خاں کی یادداشتوں میں ہے کہ شیخ عبد الحق نے شاہ امان اللہ خاں سے روسی ترکستان جانے کی اجازت لی۔ وہاں سے واپسی پہ ہندوستان واپس جانا چاہا۔ شاہ سے رخصت ہو کر وہ جلال آباد پہنچے اور سردار محمد ہاشم جان نائب الحکمہ کی سرکاری قیام گاہ میں ٹھہرے۔ اگلے روز معلوم ہوا کہ انھیں اعلیٰحضرت نے کابل واپس بلایا ہے۔ بعد میں اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ جب شیخ عبد الحق بخارا گئے تھے، تو وہ قندھار کے ایک

۱۔ رئیس احمد جعفری، سید (مرتب)، اوراقِ گم گشتہ صـ ۹۳
۲۔ روزنامہ زمیندار، لاہور ۲ر جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۲
۳۔ دلدار علی شاہ، سید (مؤلف) ہجرتِ افغانستان صـ ۵۱
۴۔ ایضاً۔ صـ ۴۷، ۴۸

پٹھان ملازم کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ واپسی پر راستے میں نوکر نے اجازت مانگی کہ وہ گھر ہو آئے۔ شیخ نے اجازت دے کر ایک معقول رقم بھی دی اور ساتھ ہی ایک خط دیا۔ اور تاکید کی کہ وہ اسے چمن کے ڈاک خانے میں ڈال دے۔ ملازم کی ماں بہت بیمار تھی، اس نے اس پریشانی کے عالم میں کئی دن بعد وہ خط چمن کے بجائے قندھار کے ڈاکخانے کے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ وہ چٹھی انگریز چیف کمشنر کے نام تھی۔ خط پکڑا گیا، اس میں لکھا تھا کہ "جو خدمت میرے سپرد کی گئی تھی، اس میں سو فیصد کامیاب ہوگیا ہوں"۔ آخر میں لکھا تھا کہ "سرحد کے محافظین کو ہدایت کی جائے کہ جب میں سرحد پہ پہنچ جاؤں، تو مجھے روکا نہ جائے"۔ خط میں سی آئی ڈی کے اس رجسٹر کا بھی حوالہ دیا گیا تھا جس میں ان کا نام درج تھا۔ اور آخر میں "اے۔ ایچ" لکھا تھا۔ شاہ نے مختلف اشخاص پر شبہ کیا، لیکن اسی اثنا میں وہ قندھاری ملازم گرفتار ہوگیا، اور اس نے شیخ عبد الحق کا نام بتا دیا[1] آخر میں فیض محمد خاں لکھتے ہیں "جب کابل میں مہاجروں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سب کو شیخ کی وطن دشمن سرگرمیوں پر سخت افسوس ہوا۔ اور کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ مولوی عبد الحق جیسا جید عالم ایسے ناقابلِ معافی جرم کے مرتکب ہو سکتے ہیں"[2]

تیسرا قافلہ

مہاجرین کا تیسرا قافلہ یکم رمضان المبارک کو جلال آباد پہنچا۔ "پیسہ اخبار" میں سالارِ قافلہ کا نام "مرزا عبد الرحیم پشاوری" درج ہے[3] اور "زمیندار" میں اتحادِ مشرقی کی ۱۰ رمضان کی اشاعت کے حوالے سے ان کا نام "مرزا عبد الرحیم خان ساکن ہشتنگر پشاور" لکھا ہے[4]

چوتھا قافلہ

تیسرے قافلے کی طرح اس قافلے کے مہاجرین کی تعداد کا علم نہیں ہو سکا۔ اخبارات

۱۔ ہجرتِ افغانستان۔ صـ ۴۸ تا ۵۱
۲۔ ایضاً۔ صـ ۵۱
۳۔ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۰ جون ۱۹۲۰ء صـ ۶
۴۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور ۹ جون ۱۹۲۰ء صـ ۲

یہی یہ خبر ہے کہ یہ قافلہ لاہور کے حاجی معراج الدین کی سرکردگی میں ۵ رمضان کو جلال آباد پہنچا، جہاں سے وہ عازم کابل ہو گئے ہیں۔[1]

پانچواں قافلہ

پانچویں قافلہ میں زیادہ تر طلبہ تھے "پیسہ اخبار" کی خبر کے مطابق "طلبائے پشاور" اور "زمیندار" کی خبر کے مطابق طلبائے مدارس پشاور و نوشہرہ پر مشتمل یہ قافلہ ۶ رمضان المبارک کو جلال آباد پہنچا۔[2] "زمیندار" نے لکھا کہ قافلہ "بصدارت عالیجاہ محمد اکبر خان" جلال آباد پہنچا۔[3] ایک ہفتہ بعد "زمیندار" نے اس قافلے کے شرکا کے نام، ولدیت اور پتے بھی شایع کئے۔ مہاجرین کے نام یہ ہیں:

عبدالرشید لاہور، عبدالکریم پشاور شہر، غلام نبی پشاور، عبدالرحیم پشاور، مبارک شاہ سیالکوٹ، محفوظ خان دیوبند، شمس القمر پشاور، میاں محمد راولپنڈی، غازی خان مرادآباد، محمد شریف لاہور، معراج الدین لاہور، محمد شفیع کیمبلپور، محمد امین ہری پور، سید مسعود علی شاہ بلند شہر، جمعہ خان پشاور، فخر الاسلام گورکھپور، عبداللہ چترال، خدا رحمت چترال۔ میر حمزہ چترال، میر عالم چترال، محمد یٰسین پشاور، جیون گوجر خان، محمد یونس حسن لاہور، محمد لطیف لاہور۔[4]

اس فہرست سے ایک بات اور بھی واضح ہوتی ہے کہ جس قافلے کو اخبارات میں "طلبائے پشاور" یا "طلبائے پشاور و نوشہرہ" کا قافلہ قرار دیا، اس میں پشاور کے ۶، لاہور کے ۵، چترال کے ۴، سیالکوٹ اور راولپنڈی کے دو دو اور بعض دیگر مقامات کے ایک ایک آدمی شریک تھے۔

چھٹا قافلہ

چھٹے قافلے میں جو لوگ شریک تھے، ان کے نام یہ ہیں:

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۹ جون ۱۹۲۰ء روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۱۰ جون ۱۹۲۰ء
[2] ایضاً
[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۹ جون ۱۹۲۰ء صہ ۲
[4] 〃 〃 〃 ۱۸ جون ۱۹۲۰ء صہ ۵

عبدالرحمٰن دہلی، محمد حسین قلعہ سٹریٹ امرتسر، شیخ عبدالرحیم ضلع منٹگمری، محمد یحییٰ خان کرنال، چراغ الدین قلعہ سٹریٹ امرتسر، عبدالرحمان کوئٹہ (۲ مرد، چار عورتیں)، مفتی عبدالقادر پشاور، عمر گل سوات، مرزا فضل الرحمان ہزارہ، کالا پشاور، محمد صدیق گورداسپور، عبدالقادر پشاور، فیض محمد انبالہ، ظہور علی امرتسر، خادم علی امرتسر، خیر الدین امرتسر، عبدالوارث امرتسر، ظفر عمر امرتسر، تاج الدین لاہور، وزیر محمد پشاور (۲ مرد، دو عورتیں)، غلام محمد پشاور، عبداللہ خان پشاور، محمد ایوب پشاور، فرید خان فرخ آباد، دین محمد لدھیانہ، محمد حسین راولپنڈی، فتح محمد لدھیانہ (۲ مرد، ۳ عورتیں)، محمود حسین انبالہ، بسم اللہ شاہ فیروزپور، شہباز لاہور، سلطان محمد لاہور، محمد حبیب لدھیانہ، غلام فرید امرتسر۔[1]

ساتواں قافلہ

ہندوستانی مہاجرین کا ساتواں قافلہ "اتحادِ مشرق" جلال آباد کی خبر کے مطابق مہمند اور کامہ کے راستے سے ۱۶ رمضان المبارک کو جمعہ کے دن واردِ جلال آباد ہوا۔ اہل کامہ نے قافلہ مذکور کو تین دن متواتر اپنے گھروں میں مہمان رکھا اور ان کی خوب خاطر مدارات کی۔[2] اہل قافلہ نے خانصاحب سردار خان غازی اور ملک موصل خان غازی اور فضل خان دکاندار کی مہمانداری کی بے حد تعریف کی، مگر استقبالیہ کمیٹی کے انتظامات کو نامکمل قرار دیا۔[3]

آٹھواں قافلہ

ساتویں قافلہ کے ایک دن بعد ۱۷ رمضان المبارک کو مہاجرین کا آٹھواں قافلہ جلال آباد پہنچا اور اخبارات کی خبر کے مطابق بخیر و عافیت کابل کو روانہ ہو گیا۔ قافلہ سالار سید مسعود علی شاہ تھے۔[4] عزیز ہندی کہتے ہیں: "آٹھواں قافلہ جو پانچ چھ آدمیوں پر

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۸ جون ۱۹۲۰ء
[2] 〃 〃 〃 ۱۸ جون ۱۹۲۰ء صہ ۵
[3] 〃 〃 〃 ۱۷ جون ۱۹۲۰ء صہ ۳
[4] روزنامہ "پیسہ اخبار" ۲۳ جون صہ ۶/ "زمیندار" ۲۲ جون۔ صہ ۳

مشغل تھا۔ ہمارے پشاور پہنچنے سے پہلے جا چکا تھا۔" [1]

نواں قافلہ

مہاجرین کا قافلہ نہم "پیسہ اخبار" کے مطابق ۱۸ رمضان کو اور "زمیندار" کے مطابق ۲۹ رمضان کو جلال آباد پہنچا۔ "پیسہ اخبار" نے قافلہ سالاروں کے نام مفتی عبدالقادر اور عبدالرحمان لکھے ہیں۔ جب کہ "زمیندار" نے مفتی عبدالقادر کے علاوہ دوسرے قافلہ سالار کا نام عبیدالرحمان لکھا ہے۔ [2] ہر دو اخبارات نے مرزا ولادر خاں میر منشی جلالت مآب سردار اعلیٰ صاحب غازی ناظر حربیہ کی مہمانداری کی تعریف کی ہے۔ اور "زمیندار" نے "اتحادِ مشرق" جلال آباد کے حوالے سے لکھا ہے "کوئی صاحب دیدہ و دل ان مہاجرین کی حالت پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر شخص ان سے اظہارِ ہمدردی کرتا تھا اور خدائے تعالیٰ سے دعا مانگتا تھا کہ وہ قادرِ مطلق اپنے فضل و کرم سے اہلِ اسلام کو حوادثِ حاضرہ سے نجات بخشے اور ان مہاجر بھائیوں کو آسائش و استقامت عطا فرمائے۔" [3]

مہاجرین امرتسر

۲۹ جون کو ساڑھے آٹھ بجے کی گاڑی سے امرتسر کے عازمینِ ہجرت کی روانگی کی خبر "پیسہ اخبار" نے شائع کی اور لکھا کہ "مہاجرین کی تعداد اگرچہ تین تک محدود تھی مگر تینوں قابل اور صاحبِ ثروت تھے"۔ مولوی غلام حسین میر امرتسری ان کے رہبر تھے جو ریلوے سروس کے محکمہ میں اوّل درجہ کے ٹیلیگرافسٹ اور صاحب مکان و جائیداد تھے۔ دوسرے مہاجر کا نام معراج الدین ہے جو کل کے کام کا ماہر ہے۔ ان کی غیر منقولہ جائیداد بارہ ہزار کے قریب تھی جس میں ایک قطعہ مکان ۲½ ہزار میں فروخت کیا گیا، باقی کل جائیداد اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ دی ہے۔" ان کی عمر ۲۳ سال تھی۔ تیسرے مہاجر کا نام عبدالحمید زرگر ہے۔ سٹیشن پر رخصت کرنے والوں کی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ ان میں مولوی ابوالوفا

---

[1] اوراقِ گم گشتہ صہ ۷۹۵

[2] "زمیندار" لاہور، ۳ جون (۹) ۱۹۲۰ صفحہ اوّل۔ "پیسہ اخبار" ۴ جولائی۔ صہ ۶

[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۱۳ جون (۹) ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

ثناء اللہ، مولوی معراج الدین ایم۔ اے اور مولوی محمد الدین (منشی فاضل) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔" [1]

دسواں قافلہ

تارکینِ وطن کا دسواں قافلہ غلام محمد عزیز امرتسری کی سرکردگی میں ۲۹ جون کو جلال آباد پہنچا۔ [2] "زمیندار" نے عزیز امرتسری کے نام کے ساتھ "خادم المہاجرین و سیکرٹری ہجرت کمیٹی" بھی لکھا۔ اخبارات کے مطابق قافلے میں چار ہندو بھی تھے، جنھیں "زمیندار" نے "چار لائق ہندو" کہا اور ان کے نام بھی شائع کئے۔ پریا ورون ایم اے پی ایچ ڈی امریکہ، بشن داس ایم اے، ایم ای الیکٹریکل و مکینکل انجنیئر، سردار سی ل طالب علم ایف اے اور سوہن لال صابون ساز۔ خود عزیز امرتسری (عزیز ہندی) نے لکھا ہے "میرے قافلے میں دو ہندو بھی تھے، ایک ان میں سے انجنیئر تھا اور دوسرا ایک خوبصورت نوجوان میٹرک پاس تھا۔ اس قافلے میں ایک سکھ بھی تھا جو اپنے آپ کو ڈاکٹر کہتا تھا، اس کا نام جھنڈا سنگھ تھا (اس نے بعد میں کابل میں دکان کر لی تھی اور عوام سے اچھے پیسے کماتا رہا۔)" [3]

عزیز ہندی قافلہ سالار نے لکھا ہے "میرے قافلے میں صرف گیارہ آدمی تھے۔ ایک ان میں سے پشاور کا مستری تھا جو اپنے بیوی بچوں سمیت ہجرت کر رہا تھا۔ میرے دہلی کے دو ساتھیوں میں سے ایک پشاور ہی رہ گیا اور دوسرا جس کا نام سلطان مرزا تھا، وہ میرے ساتھ روانہ ہوا" [5]

"اتحادِ مشرق" جلال آباد نے اس قافلے کے بارے میں لکھا "ہم ان محبانِ وطن اور مظلوم دوست نوجوانوں کے واردِ افغانستان ہونے پر نہایت مسرور ہیں، انھوں نے وہ

---

[1] "پیسہ اخبار" ۶ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۸

[2] " " ۸ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

[3] "زمیندار" ۸ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲

[4] اوراقِ گم گشتہ صہ ۹۷

[5] ایضاً

کارِ نمایاں کیا ہے کہ تاریخِ ہند اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

ہم ان کو تہہ دل سے مبارک دے کر ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔" مرزا محمد شاہ خان، سررشتہ دار پوست خانہ، مُلا احمد اللہ خان، اور مُلا محمد رفیق خان تاجر نے اس قافلے کو حسبِ معمول نہایت عزت و احتشام کے ساتھ ضیافت دی اور بے انتہا محبت سے ان کی تواضع و مدارات کی۔[1]

گیارھواں قافلہ

"ہندوستانی مہاجرین کا گیارھواں قافلہ ۱۷، جون کو امیر رحمت اللہ خاں ولد حاجی شمس الدین سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کی سرکردگی میں جلال آباد پہنچ کر کابل کو روانہ ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس قافلہ کے پانچ مہاجر گرمی اور بادِ سموم کی شدت کی وجہ سے بیمار ہو گئے ہیں۔ یہ بیمار جلال آباد میں روک لیے گئے ہیں۔ یہ قافلہ پہلے دس قافلوں کے مقابلہ میں بہت بڑا تھا۔"[2]

---

[1] "زمیندار" ۸، جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲ / "پیسہ اخبار" ۸، جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل
("اتحادِ مشرق" جلال آباد کے متعلق ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں "جلال آباد میں سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے اتحادِ مشرق کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کر رکھا تھا۔ اس کی ایڈیٹری مجھے دی گئی لیکن میں لیڈنگ آرٹیکل کے نیچے اپنا نام نہیں لکھا کرتا تھا، کیونکہ افغانی وزارتِ خارجہ نے اخبار کے نکالنے کی اجازت دیتے وقت اس قسم کی ایک شرط لگا دی تھی...... یہ اخبار پہلے ہفتہ وار تھا، پھر ہفتے میں دو بار نکلنے لگا۔ لیڈنگ آرٹیکل کے سوا، انگریزی اور اُردو اخبارات سے خبروں کا ترجمہ کرنا بھی میرے ہی ذمہ تھا...... اخبار کو جاری ہوئے ابھی چند ہفتے ہی گزرے تھے کہ ۱۶، مارچ ۱۹۲۰ء کو اتحادیوں کے استانبول پر قبضہ کرنے کی خبر آئی...... میں نے اس خبر کو درج کر کے سخت پیرایہ میں ایک لیڈر لکھا اور قبائلِ سرحد کو مشتعل کر کے جہاد پر ابھارا...... احتمال تھا کہ وزیری اور آفریدی بغاوت کر ڈالیں۔ اس پر انگریزوں نے فوراً پروٹسٹ کر کے افغانی وزارتِ خارجہ سے مطالبہ کیا کہ اخبار بند کر دیا جائے۔ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے اخبار تو بند نہ کیا لیکن مجھے اس کی ایڈیٹری سے ہٹا دیا۔ (آپ بیتی حصہ اوّل صفحہ ۲۰۷، ۲۰۹)

[2] "پیسہ اخبار" ۱۴، جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۶

مہاجرینِ سندھ

(۱) پہلا قافلہ: ۹ جولائی کو لاڑکانہ سے ایک اسپیشل ٹرین میں روانہ ہوا۔ "لاڑکانہ گزٹ" کے مطابق "اس دن ہجرت کرنے والوں کی کل تعداد ۷۶۰ تھی"[1] "بیداریِ ہند" میں یہ تعداد ۷۶۵ لکھی ہے۔ "ایک بیرسٹر کی سرکردگی میں ایک اسپیشل ٹرین جس میں ساٹھ عورتیں، چالیس بچے، جن میں ۳۰ شیر خوار ہیں کل ۷۶۵ آدمی ہیں، افغانستان روانہ ہو گئی۔"[2] "پیسہ اخبار" کی خبر ہے "مہاجرینِ سندھ کی پانچ سو مرد، دو سو کے قریب بچوں اور عورتوں کی جماعت کی اسپیشل ٹرین کہ جس کا کرایہ ساڑھے بارہ ہزار روپے جان محمد صاحب بیرسٹر رئیس لاڑکانہ نے اپنی گرہ سے ادا کیا ہے۔"[3] اس ٹرین کے ایک مہاجر اللہ ڈنو نبی بخش نے پشاور سے اپنے ایک عزیز کو خط میں لکھا۔ "صبح سات بجے ہم ٹرین میں سوار ہوئے اور پیر کے دن ساڑھے گیارہ بجے پشاور اسٹیشن پر پہنچے۔ پشاور اسٹیشن پر تقریباً ایک لاکھ آدمی آئے ہوئے تھے۔"[4] "خادم المہاجرین پشاور" کی اطلاع کے مطابق جب یہ قافلہ پشاور سے روانہ ہوا تو اس میں بارہ سو آدمی تھے۔

"آج ۱۲ سو نفر کا قافلہ بسر کردگی نواب صاحب جان محمد جونیجو نہایت ہی عز و احتشام سے بسوئے کابل روانہ ہو گیا۔" اس کی وضاحت میں "زمیندار" نے لکھا۔ "ان مہاجرین میں سات سو تو سندھی مہاجرین ہیں اور پانسو راستہ میں مل گئے تھے۔"[5] البتہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے یہ تعداد کم لکھی ہے۔ "مہاجرین کے اس قافلے کے ہمراہ کل ۸۰۰ سو آدمی تھے، جن میں سے ۵۵۲ سندھ سے آئے تھے۔ باقی ہندوستان کے دیگر اضلاع سے تھے۔"[6] (اس قافلے کی تفصیلات آئندہ باب میں آئیں گی)

---

[1] لاڑکانہ گزٹ، ۱۷ جولائی ۱۹۲۰ء
[2] مقصدی لال ہندی، لالہ "بیداریِ ہند" یعنی کارنامۂ مہاتما گاندھی، دارالاشاعت بیداریِ ہند، میرٹھ بار اوّل، ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۶۵
[3] "پیسہ اخبار" ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲
[4] مجلہ برگِ گل کراچی، جوہر نمبر ۱۴۰۱ ہجری (مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" صفحہ ۷۱)
[5] "زمیندار" ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۳
[6] "پیسہ اخبار" ۴ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

(۲) **دوسرا قافلہ** :- یہ قافلہ ۱۵ راگست کو لاہور سے گزرا تھا، جس میں ۵۵ مہاجرین مرد اور عورتیں شامل تھے"[1]

(۳) **تیسرا قافلہ** :- دوسرے روز ۱۶ راگست کو ۶۵ سندھی مہاجرین کا ایک اور قافلہ لاہور سے گزرا، اس میں بھی مرد اور عورتیں تھیں"[2]

(۴) **چوتھا قافلہ** :- اس میں کم و بیش اسّی مرد اور عورتیں اور بچے شامل تھے، ۱۸ راگست کی دوپہر کو ایک بجے لاہور کے سٹیشن پر پہنچا"[3]

[ظاہر ہے کہ آخری تینوں قافلے سرحد پار نہ جا سکے ہوں گے، کیونکہ امیر کابل نے ہجرت کو روک دیا تھا] (ص) "ہم مہاجرین سندھ سے پاپیادہ پہنچے ہیں ان کا خیر مقدم سب سے زیادہ کیا گیا"[4]

مہاجرین تنگی ضلع پشاور

"۲۰ رجولائی کی صبح کو ڈیڑھ سو مہاجرین کا ایک قافلہ بسرکردگی میر حسن خاں اور محمد اکرم خاں عازم کابل ہو چکا ہے"[5] ۸ راگست (پیرکو) کم و بیش ۹۰ مہاجرین کا ایک اور (قافلہ) یہاں سے براہ شبقدر عازم کابل ہوا۔ قافلہ کے ہمراہ مستورات اور بچے بھی تھے۔ قافلہ سالار سید فضل لطیف شاہ اور عبد الکریم تھے[6]

مہاجرین کانوزئی

"قصبہ کانوزئی کے سو آدمی شنبہ کے دن ہجرت کر گئے۔ بہت جوش پھیل رہا ہے، آئندہ جمعہ کو ایک اور قافلہ روانہ ہوگا"[7]

---

[1] "زمیندار" ۲۱ راگست ۱۹۲۰ء صہ ۴
[2] ایضاً
[3] "زمیندار" ۲۰ راگست ۱۹۲۰ء صہ ۳
[4] "اہلحدیث" امرتسر، ۶ راگست ۱۹۲۰ء صہ ۶
[5] "زمیندار" ۲۲ رجولائی ۱۹۲۰ء صہ ۳
[6] "زمیندار" ۱۲ راگست ۱۹۲۰ء صہ ۳
[7] "زمیندار" ۲۲ رجولائی ۱۹۲۰ء صہ ۳

قافلۂ مہاجرین دہلی

اعلان کیا گیا کہ مہاجرین دہلی کا قافلہ ۲۵ راگست کو روانہ ہوگا، یہ قافلہ حافظ محمد حسین مالک دہلی کلاتھ ورکس بارہ دری، نواب وزیر، پھاٹک حبش خاں کی نگرانی میں تیار ہو رہا ہے۔ جو اصحاب اس قافلے کے ساتھ جانا چاہیں، وہ مولوی احمد سعید صاحب (دہلوی) ناظم جمعیت العلمائے ہند گلی قاسم جان دہلی سے درخواست کریں[1] پھر مسلسل کہا گیا کہ ۲۰ ذی الحجہ کو قافلہ روانہ ہو جائے گا اور یہ کہ لوگ مولانا احمد سعید سے رابطہ قائم کریں۔[2] التوائے ہجرت کے بعد ہجرت کمیٹی دہلی کے آنریری سیکرٹری نے اعلان کیا "قوی اُمید ہے کہ ہمارا قافلہ ضرور ۲۰ ذی الحجہ کو روانہ ہوگا۔ اگر خدانخواستہ ۲۰ ذی الحجہ کو روانہ نہ ہو سکا، تو مہاجرین کو کامل اُمید رکھنی چاہیے کہ جلالت مآب کے دوسرے اعلان پر سب سے —— پیشتر اہل دہلی کا قافلہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا"[3] لیکن جلالت مآب کے دوسرے اعلان کی نوبت ہی نہ آئی۔

بارھواں قافلہ

قافلے تو جاتے رہے، کچھ خبروں کے ساتھ اور کچھ خبروں کے بغیر، لیکن مہاجرین کا بارھواں —— (باقاعدہ) قافلہ ۱۵ رجولائی کو جلال آباد پہنچا۔ اس کے سربراہ غلام رضا خاں تھکالی تھے[4]

مہاجرین پنجاب

پنجاب کے مختلف علاقوں سے عازمین ہجرت ہر جانے والے قافلے کے ساتھ جاتے رہے لیکن لاہور سے ہجرت کرنے والوں کا الگ قافلہ بھی گیا، کوششیں کی گئی کہ لاہور سے پشاور تک کے لیے سپیشل ٹرین مل جائے" امرتسر لاہور کے مہاجرین بھی ایک خاص سپیشل ٹرین میں جانے کا انتظام کر رہے ہیں"[5] سپیشل ٹرین نہ ملی تو مہاجر عام گاڑی میں چلے گئے۔ "لاہور کے

---

[1] "زمیندار" ۲۳ رجولائی ۱۹۲۰ء صہ ۴
[2] "پیسہ اخبار" ۸ راگست ۱۹۲۰ء صہ ۴ — و — ۱۱ راگست ۱۹۲۰ء صہ ۵
[3] "زمیندار" ۲۰ راگست ۱۹۲۰ء صہ ۲
[4] "پیسہ اخبار" ۲۳ رجولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶
[5] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۲۳ رجولائی ۱۹۲۰ء صہ ۱۴

مہاجرین بوجہ نہ ملنے اسپیشل ٹرین کے ۲۳ جولائی کو معمولی گاڑی میں سوار ہو کر پشاور چلے گئے۔ امرتسری مہاجرین بھی متفرق متفرق جا رہے ہیں۔"[1] "اہلحدیث" نے سپیشل ٹرین نہ ملنے پر تعجب کا اظہار کیا: "آج کل امرتسر لاہور میں انتظام ہو رہا تھا کہ دونوں شہروں کی ایک سپیشل ٹرین جائے مگر منیجر ریلوے نے اسپیشل ٹرین دینے سے انکار کر دیا، سندھیوں کو دے کر پنجابیوں کو کیوں انکار کیا؟ رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"[2]

اس قافلے کے سالار مولانا احمد علی لاہوری تھے: "اب جب کہ ہندوستان کے مختلف صوبجات سے مہاجرین نے کابل جانا شروع کیا تو آپ کی تمنا بر آئی، اور آپ بھی ہجرت کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ کے دونوں چھوٹے بھائی پہلے ہی کابل میں قیام پذیر تھے۔ حضرت کو پنجاب کے مہاجرین کا میرِ کارواں مقرر کیا گیا۔"[3] مولانا ثناء اللہ امرتسری کے رسالے نے لکھا: "مولوی احمد علی صاحب لاہوری کے ساتھ جو قافلہ گیا ہے، اس کے شرکاء کی تعداد ایک ہزار تھی۔"[4]

مہاجرین کی سپیشل ٹرین تو صرف سندھ سے ہی چلی تھی۔ پنجاب والوں کو سپیشل ٹرین نہیں دی گئی، اسی طرح سندھ والوں کو بھی دوسری بار سپیشل نہیں دی گئی تھی لیکن عزیز ہندی لکھتے ہیں: "میرے چلے جانے کے بعد یا اخی (مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری) کی دھواں دھار اور آتشیں تقریروں کا اثر تھا کہ برصغیر کے کئی صوبوں سے ہجرت کی اسپیشل گاڑیاں چھوٹنی شروع ہوئیں، جو مہاجرین سے بھری ہوئی ٹرینوں کو پشاور پہنچاتی تھیں، ایک سپیشل لاہور سے بھی چھوٹی تھی جس کے سربراہ لاہور کے مشہور عالمِ دین مولانا احمد علی صاحب امام مسجد شیرانوالہ تھے۔"[5]

---

1. اہلحدیث امرتسر ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء صـ۱۴
2. "اہلحدیث" امرتسر، ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء صـ۱۰
3. عبدالمجید خان، "مردِ مومن" فیروز سنز لمیٹڈ۔ س ن۔ صـ۵۲ تا ۵۴
4. "اہلحدیث" امرتسر، ۶ اگست ۱۹۲۰ء صـ۶
5. "اوراقِ گم گشتہ" صـ۷۶

"۲۹ جولائی کو کئی ہزار مہاجرین کا قافلہ جو بیل گاڑیوں اور تانگوں وغیرہ کے ساتھ مولوی احمد علی لاہوری کی قافلہ سالاری میں پشاور سے روانہ ہوا، قافلہ ایک بجے دن سے ۶ بجے شام تک ایک قطار کی صورت میں جاری رہا۔ سالارِ قافلہ کے آگے باجہ پر ترانۂ ہجرت پشتو میں گایا جاتا رہا۔"[1]

جب یہ قافلہ افغانستان پہنچا تو اس کی تعداد ساڑھے تین ہزار تھی۔" "انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار کے حوالے سے یہ خبر "پیسہ اخبار" نے چھاپی تھی۔[2]

روزانہ: "پشاور میں دو سو سے آٹھ سو تک مہاجرین روزانہ آتے ہیں۔"[3]

مہاجرین سیالکوٹ:-

"لال کرتی بازار سیالکوٹ سے دو مرد، دو بچے اور ایک خاتون مہاجر پشاور کو روانہ ہو گئے جن کو سٹیشن پر کئی ہندو مسلمان معززین نے ہار پہنائے۔"[4]

مہاجرین جالندھر:

دھوگڑی جو ضلع جالندھر میں پٹھانوں کا گاؤں ہے، وہاں سے چار نوجوان ہجرت کر گئے[5]

مہاجرین مانسہرہ:

۲ اگست ۱۹۲۰ء کو اطلاع موصول ہوئی کہ مانسہرہ سے مہاجرین کا پہلا قافلہ روانہ ہوا ہے[6] شاید اسی قافلے کے ہری پور سٹیشن سے گزرنے کی خبر ۱۱ اگست کے

---

1. "پیسہ اخبار" ۵ اگست ۱۹۲۰ء صـ۶
2. "پیسہ اخبار" ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء صـ۸
3. "اہلحدیث" امرتسر ۶ اگست ۱۹۲۰ء صـ۶
4. "پیسہ اخبار" ۵ اگست ۱۹۲۰ء صـ۶
5. ایضاً
6. "زمیندار" ۷ اگست ۱۹۲۰ء صـ۳

"پیسہ اخبار" میں چھپی ہو۔[1]

مہاجرین بھوپال:

بھوپال سے مہاجرین کا قافلہ ۲۳ جولائی کو روانہ ہوا تو ہندو و مسلمان کثیر تعداد میں ان کو اسٹیشن پر رخصت کرنے آئے۔[2] بھوپال سے ۱۳ مہاجرین کا دوسرا قافلہ فتح علی امان اور مولوی سید عبداللہ کے ساتھ روانہ ہوا۔[3]

مہاجرین صوابی کا تیسرا قافلہ:

علاقہ تحصیل صوابی (ضلع پشاور) کا تیسرا قافلہ ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں نہایت جوش و خروش سے روانہ ہوا۔[4]

تیرھواں قافلہ

"مہاجرین کا ۱۳واں قافلہ جس میں ڈیڑھ ہزار مرد اور بچے ہیں، نواب جان محمد خان کی سرکردگی میں جلال آباد پہنچ گیا جس میں زیادہ تر سندھی ہیں۔ مہاجرین کے ہمراہ اثاث البیت ہے چنانچہ ۵۴ بیل گاڑیاں ہیں۔ تمازتِ آفتاب سے تین مہاجر بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔"[5]

۸ ہزار کا قافلہ:

فیض محمد مہاجر اپنے بھائی کو لکھتے ہیں کہ جب ہمارا قافلہ لنڈی کوتل پہنچا تو آفریدی قبیلہ نے ہماری دعوت کی۔ ہم آٹھ ہزار کے قافلہ کے ساتھ ۲۰ جولائی کو ڈکہ پہنچیں گے۔[6]

چودہ ہزار کا قافلہ:

"زمیندار" نے لکھا: "ایک شخص مسمی ایاز خان جو پچھلی جمعرات (۳۰ جولائی) کو چودہ ہزار

---

[1] "پیسہ اخبار" ۱ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۴
[2] "پیسہ اخبار" ۷ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶
[3] "پیسہ اخبار" ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶
[4] "زمیندار" ۸ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ (شاید اسی قافلے کی روانگی اور خاطر مدارات کی خبر ۱۱ اگست کے زمیندار میں بھی چھپی)
[5] "پیسہ اخبار" ۸ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶
[6] ایضاً

کے قافلے کے ساتھ بطور مہاجر گیا تھا، واپس آ گیا ہے۔"[1]

۱/۲ ۳، ۵، ۱۰ ہزار کے قافلے:

"انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار کے حوالے سے خبر چھپی کہ "ضلع پشاور میں تحریک ہجرت نہایت سرعت سے پھیل رہی ہے۔ بدھ کے روز ساڑھے تین ہزار مہاجرین جلال آباد پہنچے تھے۔ ایک اور عظیم قافلہ پشاور میں تیار ہو رہا ہے اور ۵ ہزار مہاجر اپنے نام درج کرا چکے ہیں۔ ۱۰ ہزار مہاجرین افغانستان جانے کے لیے جمرود پہنچے ہیں۔"[2] (یہ شاید مہاجرین کے چودھویں قافلے کا ذکر ہے)

مہاجرین بنوں

"۹ اگست۔ مہاجرین کا پہلا قافلہ ایک ہفتے کے اندر اندر روانہ ہو جائے گا۔"[3]

چودھواں قافلہ

"آج قافلہ چہار دہم بسرکردگی امیر المہاجرین جناب عباس خان ولد شہباز خان رئیس اتمان زئی پشاور روانہ ملک افغانستان ہوا۔ تعداد مہاجرین تقریباً دس ہزار تھی ...... اس راستہ کے علاوہ مچنی مغل خیل سے بے شمار مہاجرین جا چکے ہیں۔"[4] "زمیندار" نے تو "آج" لکھا ہے، لیکن "پیسہ اخبار" نے تاریخ بتائی ہے۔

"۹ اگست کو مہاجرین کا قافلہ .... بخیریت روانہ ہو گیا"[5] لیکن چند سطریں بعد میں لکھا ہے: "۵ اگست کو مہاجرین کی پشاور سے روانگی شروع ہوئی۔ ابھی قافلہ کا ایک سرا پشاور میں تیاریاں کر رہا تھا کہ دوسرا سرا جمرود جا پہنچا، جو دس میل ہے۔ کمیٹی ہجرت میں

---

[1] "زمیندار" ۱۸ اگست صفحہ ۲ ۱۹۲۰ء
[2] "زمیندار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۳، ۴
[3] "زمیندار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۳
[4] "زمیندار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۴
[5] "پیسہ اخبار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۵

۸ ہزار مہاجرین کے نام اس قافلہ میں درج ہیں"[1] زمیندار (۱۴ اگست ۲۰ مطابق ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ) میں سید عنایت اللہ شاہ پشاور کے حوالے سے لکھا ہے کہ "۲۰ ذیقعدہ کو بروز جمعہ مہاجرین کا قافلہ جو تیرہ چودہ ہزار کے درمیان تھا، افغانستان کو روانہ ہوگیا۔ یہ قافلہ دس میل تک ایک مسلسل قطار میں پھیلا ہوا تھا...... بے شمار بیل گاڑیوں پر خیمے کی شکل میں مضبوط چھتیں بنائی گئی تھیں۔ جن میں مستورات اور بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور قافلہ میں زیادہ مہاجر پیدل گئے ہیں۔ قافلہ کے ساتھ تقریباً پانچ سو اسلامی نشان تھے۔ اس کے علاوہ تین ڈھولکیں، بیس باجہ نواز، سولہ سرنے اور پندرہ نقارے بجا رہے تھے۔"[2] ۱۴ اگست کو ۲۹ ذیقعدہ تھی تو ۲۰ ذیقعدہ ۵ اگست ہی کو بنتی ہے۔ ۱۸ اگست کے "زمیندار" کے اداریے بعنوان "التوائے ہجرت" میں لکھا: "ایک شخص مسمیٰ ایاز خاں جو پچھلی جمعرات کے چودہ ہزار کے قافلے کے ساتھ بطور مہاجر گیا تھا........"[3] اسی طرح خلافت کمیٹی کے نمائندوں محمد صفدر اور ملک لال خاں کی رپورٹ میں ۶ اگست کو جمعہ لکھا ہے۔ ۱۸ اگست کے "زمیندار" میں بھی ۵ اگست کو جمعرات لکھی ہے۔ ۲۰ ذیقعدہ ۵ اگست ہی اس قافلے کی روانگی کی درست تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ اور اس دن جمعرات تھی۔ نیز ہجرت کمیٹی میں اگرچہ ۸ ہزار مہاجرین کے نام لکھے تھے۔ ۱۱ اگست کے "زمیندار" نے تعداد دس ہزار لکھی۔ ۱۴ اگست کے "زمیندار" میں تیرہ چودہ ہزار، ۱۸ اگست کی اشاعت میں چودہ ہزار، ۱۷ اگست کی اشاعت میں ۹ ہزار[4] ۲۱ اگست کی اشاعت میں محمد صفدر اور ملک لعل خاں کی رپورٹ میں تقریباً دس ہزار لکھی گئی[5] ۱۸ اگست کو "زمیندار" میں لکھا گیا: "جمعرات ۵ اگست کو دوپہر کے قریب عظیم الشان قافلہ جو بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا جمرود کی طرف روانہ ہونے کو تیار تھا۔"[6]

---

1. "پیسہ اخبار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۵
2. "زمیندار" ۱۴ اگست صہ ۲
3. "زمیندار" ۱۸ اگست صہ ۲
4. "زمیندار" ۱۷ اگست صہ ۴ ("۶ اگست کو بروز جمعہ جو قافلہ خیبر سے گزرا تھا اس میں ۹ ہزار مہاجرین تھے")
5. "زمیندار" ۲۱ اگست صہ ۵ ("۶ اگست کے دن جمعہ کو تقریباً دس ہزار مہاجرین کا قافلہ گیا ہے")
6. "زمیندار" ۱۸ اگست صہ ۲

فیض محمد خاں والا قافلہ

حاجی فیض محمد خاں لکھتے ہیں: "مختلف مقامات سے مسلمانوں کے جتھے اور قافلے ہمسایہ ملک (افغانستان) میں جانے شروع ہوئے۔ میں نے بھی اپنے بعض دوستوں سے مؤثر طور پر کام کرنے کے لیے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں مشورہ کیا، تو سب کا یہی خیال تھا کہ تحریک چلانے کے لیے افغانستان کو کوچ کرنا چاہیے۔ چنانچہ آخر میں طے پایا کہ ہماری چھوٹی سی جماعت، جس کی تعداد صرف نو تھی، دیر کے رستے اسمار کی جانب روانہ ہو جائے۔"[1]

مہاجرین سکھر

"سکھر سے مہاجر والنٹیروں کا قافلہ بسرکردگی مولانا تاج محمد صاحب عید کے تیسرے چوتھے روز کابل کو روانہ ہو جائے گا، جن میں زیادہ تر لوگ غریب ہیں۔"[2]

مہاجرین بھوپال راولپنڈی میں

"مہاجرین بھوپال کا قافلہ راولپنڈی اسٹیشن پر پہنچا تو مسلمانوں نے ان کو ہوٹل میں کھانا کھلوایا.... راولپنڈی تک قافلہ میں ۱۶ آدمی تھے، ایک کا اضافہ راولپنڈی میں ہوا۔"[3] یہ شاید وہی قافلہ ہو جو بھوپال سے ۲۲ جولائی کو چلا تھا۔[4]

ہجرت براہ شب قدر

"تین چار روز میں شب قدر (پشاور) سے ایک ہزار مہاجرین گزرے جن میں سے ۲۱۷ ہجرت کمیٹی سے پروانۂ راہداری لے کر گئے ہیں۔"[5]

مہاجرین کیمبلپور

۲ اگست کو کیمبلپور ریلوے سٹیشن پر عجیب اور دلکش نظارہ تھا۔ مہاجرین کا ایک

---

1. ہجرت افغانستان۔ صہ ۲۳
2. "پیسہ اخبار" ۱۱ اگست صہ ۵
3. ایضاً
4. "پیسہ اخبار" ۷ اگست صہ ۶
5. " " ۱۳ اگست صہ ۶

گروہ بسرپرستی ماسٹر بہادر علی صاحب نقاروں اور طبلوں کی گونج میں۔۔۔“ [1]

مہاجرین ایبٹ آباد

”گاڑی سٹیشن پر آ گئی۔ اس میں ضلع ایبٹ آباد کے مہاجرین رئیس المہاجرین مولوی مقبول الرحمٰن کی سرکردگی میں سوار تھے“ [2]

آخری قافلہ

خبر ملاحظہ ہو: ”چیف کمشنر صوبہ سرحد نے اعلان کیا ہے کہ سات ہزار سے زیادہ مہاجرین کا ایک قافلہ ۱۲ اگست کو پشاور سے جمرود کی طرف روانہ ہو چکا تھا، جب امیر کابل کا فرمان دوبارہ التواء موصول ہوا“۔۔۔۔۔ آگے تفصیلی خبر ہے کہ کس طرح عازمین ہجرت زبردستی سرحد پار کر گئے، نہ انھوں نے خلافت کمیٹی کے ارکان کی بات سنی، نہ سردار ڈکہ کی، نہ افغانستان کے کمانڈر سے ڈرے۔ آخر کار سرحد دار ڈکہ نے ٹیلیفون کے ذریعے جنرل نادر خاں سے بات کی، انھوں نے کہا کہ جو لوگ اپنا خرچ ادا کر سکتے ہیں، انھیں جانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو اجازت مل گئی [3] اگلی اشاعت میں خبری نامہ نگار کے حوالے سے اطلاع دی گئی کہ بارہ ہزار مہاجر تھے، جن میں سے دو ہزار تو واپس پشاور آ گئے، باقی دس ہزار نے جوش میں کسی کی نہ سنی اور سرحد پار کر گئے [4]

مہاجرین کراچی

”۱۹ اگست کی شب کو نو بجے کے قریب کراچی سے تیس مہاجر لاہور پہنچے۔۔۔۔۔ انھیں ۶ بجے کی گاڑی میں (پشاور کے لیے) سوار کرا دیا گیا۔ یہ تمام مہاجرین صاحب حیثیت معلوم ہوتے تھے“ [5] ظاہر ہے کہ ۱۹ اگست کو لاہور پہنچنے والے سرحد پار نہ

---

[1] ”زمیندار“ ۱۳ اگست صہ ۵

[2] ایضاً

[3] ”پیسہ اخبار“ ۱۸ اگست صفحہ اوّل

[4] ”پیسہ اخبار“ ۱۹ اگست صہ ۲

[5] ”زمیندار“ ۲۱ اگست صہ ۴

کر سکے ہوں گے۔

چار ہزار مہاجرین کی واپسی

”آخری قافلہ کی ۱۲ اگست کو روانگی کے بعد ضلع پشاور، سندھ و دیگر مقامات سے ۴ ہزار مہاجرین پشاور پہنچے۔ وہ سب سمجھانے سے گھروں میں واپس چلے گئے صرف چند ہی رہ گئے، وہ بھی واپس جائیں گے“ [1]

متوقع قافلہ

خلافت کمیٹی کے نمائندوں محمد صفدر اور ملک لعل خاں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ”روزانہ آنے والے مہاجرین کی تعداد دو تین ہزار سے کم نہیں ہوتی تھی، عام خیال ہے کہ عید اضحیٰ کے بعد کا قافلہ پچاس ہزار سے کم نہ ہوگا۔ دوسرے راستوں سے بھی لوگ جا رہے ہیں“ [2]

---

[1] ”پیسہ اخبار“ ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

[2] ”زمیندار“ ۲۱ اگست صہ ۵

مہاجرینِ سندھ

تحریک ہجرت کے بارے میں تفصیلات و جزئیات عام طور پر کتابوں میں نہیں ملتیں، جدوجہد آزادی کی تاریخ لکھتے ہوئے مصنفین چند سطروں میں تحریک ہجرت کا ذکر کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ان چند سطروں میں جو مواد مہیا کیا جاتا ہے، عام طور پر وہ بھی بے بنیاد معلومات پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً عام کتب میں مہاجرین کی تعداد ۱۸ ہزار لکھی جاتی ہے۔ متعلقہ باب میں اس پر بحث کی جائے گی۔ "دارالحرب اور دارالاسلام" کے باب میں اس موضوع پر پھیلائی گئی غلط فہمیوں پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ اسی طرح ہجرت کے مفتیوں اور مبلغوں پر بھی بات ہو چکی ہے۔ دیگر ضروری مباحث متعلقہ ابواب میں ہوں گے۔ زیر نظر باب میں اس مفروضے پر گفتگو مطلوب ہے کہ ہجرت کی تحریک سندھ سے چلی۔ اس سلسلے میں طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں: "اسی جولائی (۱۹۲۰ء) میں مسلمانوں میں ہجرت کی تحریک شروع ہوئی اور ہجرت اوّل سندھ سے شروع ہوئی۔"[1]

تحریک ہجرت سندھ سے شروع ہونے کا دعویٰ کس حد تک درست ہے، اس پر بھی بات کی جائے گی۔ پہلے تو اس غلط فہمی کو رفع ہونا چاہیے کہ گزشتہ ابواب میں پیش کی گئی معلومات کی رو سے طفیل احمد منگلوری کا یہ بیان ہی درست نہیں کہ ہجرت کی تحریک جولائی ۱۹۲۰ء میں شروع ہوئی۔ ہجرت کے قافلے مئی میں جانے شروع ہو گئے تھے اور

[1] طفیل احمد منگلوری علیگ سید۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، حماد الکتبی لاہور، س ن، صہ ۴۹۹

۱۲ اگست کو آخری قافلے نے سرحد پار کی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر غلط فہمیاں پروفیسر رشبرک ولیمس کی تحریر سے پھیلی ہیں، وہ لکھتے ہیں: "زمانہ زیر تنقید (۱۹۲۰ء کا موسم گرما) کے شروع ہی میں بازوئے چپ کے انتہاپسند جماعت کے لیڈران نے اس سوال کو اٹھایا تھا کہ اگر ترکوں کے ساتھ شرائط صلح ایسے ہوئے جن کو مسلمان قبول نہیں کر سکتے تو کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہ ہوگا کہ سلطنت برطانیہ کو خیر باد کہہ کر کہیں دوسری جگہ اپنا مسکن تلاش کرے۔"[1] یہاں پروفیسر نے کسی حتمی تاریخ کے بجائے "۱۹۲۰ء کے موسم گرما" سے کام چلایا ہے۔ آگے لکھتے ہیں: "شروع موسم گرما ۱۹۲۰ء میں سنٹرل خلافت کے مقامی نمائندوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مذہبی مسلمانوں کو ہندوستان سے افغانستان ہجرت کرنے کے مسئلہ پر غور کرنا چاہیے۔"[2] "سنٹرل خلافت کے مقامی نمائندوں" سے مراد کون لوگ ہیں، یہ بات پروفیسر نے قاری کی اپنی صوابدید پہ چھوڑ دی ہے۔ ہجرت کے سلسلے میں خلافت کمیٹی کے کردار پر الگ باب میں بحث کی جا چکی ہے لیکن اس سے بھی سنٹرل خلافت کے مقامی نمائندے واضح نہیں ہوتے۔ پھر پروفیسر موصوف لکھتے ہیں: "سب سے پہلے یہ تحریک ملک سندھ میں شروع ہوئی، جہاں آبادی جوشیلے اور ناقص تعلیم یافتہ طبقہ کی ہے۔"[3] معلوم ہوتا ہے کہ طفیل احمد منگلوری اور دوسرے بعض حضرات نے تحریک ہجرت کے آغاز کے بارے میں رشبرک ولیمس ہی سے استفادہ کیا ہے۔ "مہاجرین کی تعداد" کے باب میں بھی یہ بات سامنے آئے گی کہ "۱۸ ہزار" کی تعداد بھی غلط طور پر، بعد کے مصنفین نے انھی سے لی ہے۔

تحریک ہجرت جہاں سے بھی شروع ہوئی، سندھ کو تحریک ہجرت کے حوالے سے "جوشیلے اور ناقص تعلیم یافتہ طبقہ" کی زمین قرار دینا بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ سندھ میں ہجرت کے سب سے بڑے مبلغ اور رئیس المہاجرین شیخ جان محمد جونیجو بار ایٹ لا رہے تھے، ڈاکٹر شیخ نور محمد، مولانا تاج محمود امروٹی، اور پیر سید تراب علی شاہ راشدی، رئیس غلام محمد

[1] رشبرک ولیمس، پروفیسر مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء مترجمہ مولوی عبدالمجید (عبدالماجد) دریابادی لکھنؤ بار اول ۱۹۲۲ء صہ ۵۹

[2] ایضاً

[3] ایضاً

بھر گڑی میں سے کسی صاحب پر "جوشیلے اور ناقص تعلیم یافتہ طبقہ" کے افراد کی پھبتی نہیں کسی جا سکتی۔ اگر پروفیسر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگوں نے "جوشیلے اور ناقص تعلیم یافتہ طبقہ" کے لوگوں کو اس ڈگر پر لگایا تھا تو یہ بات بھی بے جواز ہے، کیونکہ ہجرت جوشیلے لوگوں نے تو واقعی کی، لیکن تعلیم یافتہ طبقے یا ناقص تعلیم یافتہ طبقے یا ان پڑھ طبقے کے ساتھ اسے مختص نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال، ورشیرگ ویمیس نے تحریک ہجرت کا آغاز سندھ سے کیا۔ اس بات کو قاضی محمد اکبر (سندھ کے رہنما) نے اور آگے بڑھا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں "اس تحریک کا مرکز لاڑکانہ تھا جہاں کے بیرسٹر جونیجو اور ڈاکٹر شیخ نور محمد کی قیادت میں ہزاروں افراد نے سندھ سے افغانستان کی طرف ہجرت کی"[1] گزشتہ باب کے مندرجات سے قارئین کرام جان چکے ہیں کہ جان محمد جونیجو کی قیادت میں جو سپیشل ٹرین لاڑکانہ سے چلی، اس میں سندھ سے زیادہ سے زیادہ ساٹھ سو افراد چلے تھے۔ "ہزاروں افراد" کی بات مبالغہ ہے۔ پھر اگر اسی وجہ سے لاڑکانہ یا سندھ کو تحریک کا مرکز قرار دیا جا رہا ہے تو واضح رہے کہ مہاجرین سندھ کا یہ پہلا قافلہ ۹، جولائی کو لاڑکانہ سے روانہ ہوا، جب کہ مہاجرین کے پہلے قافلے نے ۱۸، مئی کو سرحد پار کی تھی۔ اور مہاجرین سندھ کے اس قافلے سے پہلے گیارہ باقاعدہ قافلے کابل پہنچ چکے تھے۔ جان محمد جونیجو رئیس المہاجرین کے قافلے کے حوالے سے تحریک ہجرت کا مرکز سندھ یا لاڑکانہ کو قرار دینا درست نہیں ہے۔

آغا اشرف لکھتے ہیں: "انھوں (مسلمانوں) نے ہجرت کی تحریک شروع کر دی۔ سندھ میں ان کا سب سے زیادہ زور رہا"[2] حقیقت یہ ہے کہ ہجرت کا سب سے زیادہ زور سرحد میں رہا۔ وہاں تو گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے تھے اور وہ لوگ درۂ خیبر کے علاوہ اور کئی راستوں سے سرحد پار کر گئے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں "بہت جلد

---

[1] ظہیر احمد، اب بھی زندہ ہیں، نیاد ورسو بلی کیشنز، حیدر آباد، اشاعت اوّل، اکتوبر ۱۹۸۳ء (قاضی محمد اکبر کا انٹرویو مشمولہ جسارت کراچی، ۷، اپریل ۱۹۷۸ء، صہ ۴۸)

[2] آغا اشرف، پاکستان کا اسلامی پس منظر، مقبول اکیڈمی لاہور، طبع اوّل ۱۹۸۳ء، صہ ۱۶۰

سارے صوبہ سرحد میں تحریک ہجرت کا جوش اور ولولہ پھیل گیا۔ اس کا زیادہ زور پشاور اور مردان کے دیہی علاقوں، خاص طور پر دوآبہ اور چارسدہ میں دیکھنے میں آیا۔"[1] البتہ سندھ سے سپیشل ٹرین چلنے کی وجہ سے پبلسٹی اس کی زیادہ ہو گئی۔ نیز جان محمد جونیجو کا اس معاملے میں اخلاص بھی سندھ کی تشہیر کا سبب بنا۔ جان محمد جونیجو سے زیادہ جان و مال کی قربانی اس تحریک میں کسی نے نہیں دی۔

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری اور ڈاکٹر انصار زاہد اپنے مضمون "تحریک خلافت اور ترکِ موالات" میں لکھتے ہیں: "ایک سہ روزہ (خلافت) کانفرنس ۷ تا ۹ فروری ۱۹۲۰ء کو لاڑکانہ میں منعقد ہوئی۔ اس کے روح رواں پیر سید تراب علی شاہ راشدی اور ان کے ساتھی اور رفیق کار جان محمد جونیجو ایڈووکیٹ تھے جنھوں نے بعد میں تحریک ہجرت کے سلسلے میں سرگرم حصہ لیا۔"[2] اس سلسلے میں ایک تفصیلی مضمون بعنوان "سندھ میں خلافت تحریک" ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے لکھا تھا۔[3] "سندھ میں خلافت کا پہلا اجلاس ۴، جنوری ۱۹۲۰ء کو حیدر آباد میں منعقد ہوا۔ دوسرا اجلاس اسی سال اپریل میں سیہون میں منعقد ہوا جس کی

---

[1] تحریکات ملی، صہ ۲۲۰

[2] تحریکات ملی صہ ۳۳۰

[3] مجلہ برگ گل، جوہر نمبر، ۱۴۰۱ھ (ڈاکٹر سندھی کے اس مضمون کے ماخذ یہ ہیں: یادِ جاناں از مولانا دین محمد وفائی۔ سندھ سے بمبئی کی آزادی از جی ایم سید۔ اپنے ذہن اپنے شیخین از علی محمد راشدی۔ تذکرہ شعراء سکھر از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی۔ مولانا تاج محمود امروٹی کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات از ڈاکٹر محمود شاہ۔ پاکستان ناگزیر تھا از سید حسن ریاض۔ سہ ماہی مہران سوانح نمبر۔ برگ گل قائد اعظم نمبر۔ رسالہ شیر محمد شیرانی و سندھی ابیات، خلافت کمیٹی سندھ ضلع لاڑکانہ اور سکھر کی شائع شدہ رپورٹیں، روزنامہ الوحید کا سندھ آزاد نمبر، ہفت روزہ آزاد کراچی کے مختلف پرچے، سہ ماہی اور ماہوار "الرحیم" کے مختلف پرچے، سکھر جی سو کھڑی از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، سندھی صحافت از کریم بخش خالد۔۔۔۔)

صدارت مولانا عبدالکریم ورتی نے کی۔ اس میں ...... اس ملک کو دارالحرب قرار دیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ ہجرت کی تحریک چلائی جائے۔ اس کانفرنس کے فوراً بعد خلافت کمیٹی کا اہم اجلاس جیکب آباد میں منعقد ہوا...... جیکب آباد کانفرنس نے ہجرت تحریک کو عملی صورت دی اور اس کی تیاری کے لیے باقاعدہ ہجرت کمیٹی قائم کی گئی۔ جس کے صدر پیر تراب علی شاہ اور سیکرٹری جان محمد جونیجو منتخب کیے گئے۔"[۱]

ڈاکٹر ابوسلمان اور ڈاکٹر انصار زاہد نے لاڑکانہ کی ۷تا۹ فروری کی جس خلافت کانفرنس کا ذکر کیا ہے، عبدالمجید سندھی نے اس کا ذکر نہیں کیا، البتہ اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ ۷، ۸ جون کو لاڑکانہ میں خلافت کانفرنس ہوئی تھی۔ جس کی صدارت پیر صاحب جھنڈے والے نے کی[۲] ڈاکٹر ابوسلمان اور ڈاکٹر انصار زاہد نے فروری کی جس کانفرنس کا ذکر کیا ہے اس میں تحریک ہجرت کی بات نہیں ہے۔ اس طرح اگر ڈاکٹر عبدالمجید سندھی کی بات تسلیم کی جائے تو اپریل میں سیوہن میں ہونے والے اجلاس میں ہجرت کی تحریک چلانے کی بات کی گئی۔ اور بعد میں جیکب آباد کانفرنس میں باقاعدہ ہجرت کمیٹی بنائی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ یاد کیجیے کہ ۱۹ اپریل کو دہلی میں ہونے والی "کارکنانِ خلافت کانفرنس" میں مولانا احمد سعید دہلوی نے ہجرت کی بات چلائی[۳] شام کے خصوصی اجلاس میں غلام محمد عزیز امرتسری نے ہجرت کے موضوع پر تقریر کی، جلسۂ عام میں ہجرت کا ریزولیشن منظور ہوا اور ۱۱۶ یا ۱۹ افراد نے ہجرت کے لیے اپنے نام بھی لکھوائے[۴] انفرادی سطح پر مولوی غلام محی الدین وکیل نے ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کے جلسۂ عام منعقدہ لاہور میں ملک سے ہجرت کر جانے کا شوشہ چھوڑا تھا[۵]

---

۱ مجلہ برگ گل۔ جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ صہ ۱۱۷ والا مضمون
۲ ایضاً
۳ روزنامہ "پیسہ اخبار" ۲۷ اپریل ۱۹۲۰ء
۴ "پیسہ اخبار" ۲ مئی ۱۹۲۰ء
۵ "پیسہ اخبار" ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء

غلام محمد عزیز امرتسری (عزیز ہندی) نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے ہجرت کا فتویٰ منگوایا، اس کی تشہیر کی۔ فتوے سے بھی پہلے ۲۶ اپریل کو وائسرائے ہند کو تار بھیجا کہ مسلمانوں کے لیے ہند میں رہنا مشکل ہو گیا ہے[۱] جب کہ ۲۴ مئی کے بعد اہل سندھ نے گورنر بمبئی کو اس مطلب کا تار دیا تھا[۲] دہلی میں ہجرت کا دفتر کھولا، ملکی سطح پر ہجرت کے لیے انتظامات کرنا چاہیئے۔ اس کے لیے راولپنڈی اور پشاور کا دورہ بھی کیا، انھوں نے خود بھی ہجرت کی، ان کا قافلہ ۲۹ جون کو جلال آباد پہنچا تھا[۳] ___ اس صورتحال میں ہجرت کے سندھ سے شروع ہونے کا دعویٰ درست نہیں معلوم ہوتا۔

سندھ میں تحریک ہجرت کی صورتحال یہ رہی کہ ۲۴ مئی کو گورنر بمبئی کے پولیٹیکل سیکرٹری کے نام اس مطلب کا تار بھیجا گیا کہ مذہب میں دست اندازی کی وجہ سے ۲۵ ہزار مسلمان افغانستان کی طرف ہجرت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔[۴]

پیسہ اخبار نے ۲۸ جولائی کے ادارتی شذرے میں لکھا: "یہ بھی مشتہر ہو چکا ہے کہ ہزارہا سندھ بذریعہ سپیشل ٹرین ۹ جولائی کو لاڑکانہ سے پشاور کو روانہ ہوں گے۔"[۵]

"لاڑکانہ گزٹ" نے سپیشل ٹرین کی روانگی کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھا۔

"۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو مسلمان اپنے دین کے اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ہجرت کر گئے اور تمام ہم وطنوں کے دلوں پر زخم چھوڑ گئے۔ اس دن ہر ایک مسلمان کا چہرہ روشن تھا، لیکن ہندوؤں کے چہرے اپنے مسلمان بھائیوں کی جدائی سے مرجھائے ہوئے تھے۔ دکانیں بند تھیں، سندھ کے کونے کونے سے لوگوں کا ہجوم لاڑکانہ میں جمع ہو گیا تھا۔ اس دن ہجرت کرنے والوں کی کل تعداد ۶۰ ہزار تھی۔ مسلمان بھائیوں کے دل

---

۱ "پیسہ اخبار" ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء
۲ برگ گل۔ جوہر نمبر صہ ۱۱۷
۳ "پیسہ اخبار" ۸ جولائی ۱۹۲۰ء
۴ برگ گل جوہر نمبر۔ صہ ۱۱۷ والا مضمون / زمیندار ۲۶ مئی ۱۹۲۰ء صہ ۳
۵ پیسہ اخبار۔ ۸ جولائی ۱۹۲۰ء

خلافت اور ترکی کے مسئلہ کی وجہ سے ماتم کدہ بنے ہوئے ہیں۔ سندھ کے گوشے گوشے سے ہجرت کی آوازیں آ رہی ہیں۔"[1]

زمیندار نے اس قافلے کی "عظیم الشان تیاریوں" کی تفصیل بتائی اور اس کی پیروی کی دعوت دی۔[2]

مولانا شوکت علی نے مہاجرین سندھ کے نام الوداعی پیغام میں فرمایا "اللہ آپ کی اس بڑی قربانی کا ثواب آپ کو دے گا۔ یقین رکھیں، ہم آپ کو کبھی بھی نہیں بھولیں گے۔ خدا نے چاہا، تو ہم کسی دن آپ کو آملیں گے۔ خدا حافظ! دل کی خوشی اور خدا کی برکتوں پر بھروسہ رکھیں۔"[3] شیخ عبداللہ ہارون نے شیخ جان محمد سردار مہاجرین کو بمقام پشاور ایک تار دیا۔ "کیونکہ آپ نے سندھ کی دفتری حکومت سے تنگ آ کر ہجرت اختیار کی ہے اس لیے ہم آپ کے ضبط و احساسات کو نہایت استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس قافلے سے افغانستان میں ایک چھوٹی سی نو آبادی قائم ہو جائے گی۔ براہ مہربانی ہمارے ساتھ تعلقات قائم رکھیں، ہم کہیں بھی ہوں، ہمارے دل آپس میں پیوست رہنے چاہئیں۔"[4]

مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین خانپور ریاست بہاولپور سے گزری تو پلیٹ فارم پر ہر طرف سے رونے ہی کی آواز آتی تھی ...... حاضرین پر درد و رقت کا عالم طاری ہو رہا تھا۔"[5] ایسے میں ریاست کے ایک باشندے نے رو رو کر ٹرین پر سوار ہونے کی اجازت چاہی۔ "آخر کار حسب الارشاد حضرت مولانا تاج محمد صاحب (تاج محمود امروٹ والے) اسپیشل ٹرین میں سوار کیا گیا۔"[6]

---

[1] لاڑکانہ گزٹ (ایڈیٹر شیلارام) ۱۷ جولائی ۱۹۲۰ء

[2] "زمیندار" ۱۰ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲

[3] "پیسہ اخبار" ۱۳ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶

[4] "پیسہ اخبار" ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶

[5] "زمیندار" ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۵

[6] ایضاً

یہ قافلہ گیارہ بجے کے قریب بہاولپور پہنچا۔ یہاں گاڑی بیس منٹ ٹھہری۔ مسلمانانِ ریاست نے سات سو روپے بغرض امدادِ قافلہ پیش کئے۔ اہل قافلہ کو کھانا پیش کیا گیا۔ مولانا تاج محمود صاحب نے "نہایت پُر اثر مگر مختصر تقریر فرمائی جس میں انھوں نے ہجرت کو فرض بتاتے ہوئے اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔"[1]

"پیسہ اخبار" نے خبر دی کہ "مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین بادامی باغ (لاہور) پر ڈیڑھ گھنٹہ ٹھہری ہو گی۔ اس میں ایک انجن اور ایک بریک کے علاوہ درجہ اوّل، درجہ دوم و درمیانہ کی ایک ایک گاڑی ہو گی اور درجہ سوم کی نو گاڑیاں ہوں گی۔"[2]

یہ ٹرین ۱۰، ۱۱ جولائی کی درمیانی شب کو رات کے ۲ بجے بادامی باغ سٹیشن پر پہنچی۔ گاڑی چار گھنٹے لیٹ تھی۔ پلیٹ فارم پر مہاجرین کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا گیا، پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ تمام مہاجرین کو سٹیشن سے باہر لا کر کھانا کھلایا گیا۔ اہل لاہور نے ۵ ہزار، اہل امرتسر نے ۵ سو روپے اور اہل لائلپور (اب فیصل آباد) نے ڈیڑھ سو روپے سے زائد رقم پیش کی۔ مسلمانانِ امرتسر کی طرف سے مولانا ثناء اللہ صاحب نے ایک سپاسنامہ پیش کیا۔[3] مہاجرین کے کھانے کا انتظام چوک وزیر خاں کے باسیوں اور دکانداروں نے کیا تھا۔[4] امرتسر سے سینکڑوں آدمی اس (سندھی قافلے) کے استقبال کے لیے لاہور آئے تھے۔[5]

اہل امرتسر کی طرف سے پیش کیے جانے والے سپاسنامے پر مولوی نور احمد، مولوی ابوالوفا ثناء اللہ اڈیٹر "اہلحدیث"، مولوی محمد داؤد غزنوی، مولوی عطاء اللہ شاہ، شیخ صادق حسن، پیر امیر الدین، محمد اسمٰعیل مشتاق وغیرہ کے دستخط تھے۔[6] سپاسنامے کا متن آئندہ ایک باب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

---

[1] "زمیندار" ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۵

[2] "پیسہ اخبار" ۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۴

[3] "پیسہ اخبار" ۱۳ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶

[4] "پیسہ اخبار" ۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶

[5] ہفتہ وار "اہلحدیث" امرتسر ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۱

[6] " " " ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۱۴

اس قافلے کے لاہور میں خیر مقدم کے سلسلے میں علامہ اقبالؒ نے مولانا گرامی کو ۱۲ جولائی ۱۹۲۰ء کے خط میں تحریر فرمایا "سندھی مہاجرین کابل کا نظارہ بڑا رقت انگیز تھا، لوگ ہزاروں کی تعداد میں ان کے استقبال کو حاضر تھے۔ اہل لاہور نے بڑے جوش سے ان کا خیر مقدم کیا۔ (مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ عبداللہ قریشی صہ ۱۹۰، ۱۹۲۰) [1]

تاج الدین احمد (تاج عرفانی) [2] نے "یہ چند اشعار مہاجرین سندھ کے سامنے بمقام باداسی باغ بطور خیر مقدم پڑھے:

ہو گئی تازہ ہے پھر ہجرت اصحاب رسولؐ
ہو مبارک تمہیں ہجرت زدگان مسعود
پھر اسی ترک و تجرد کا ہو نظارہ نصیب
جیسے کہتے ہیں ہوا فوج محمدؐ کا ورود
ڈال دی آپ نے ہے جان محمد کی قسم
کامیابی تمہیں ہر حال میں دے رب ودود
تاج سلطانی محمود کی یہ فال بھی ہے!
آپ کے قافلہ سالار ہیں تاج محمود" [3]

---

[1] جاوید اقبال۔ زندہ رود، حیات اقبالؒ کا وسطانی دور صہ ۲۵۰

[2] تاج الدین احمد تاج عرفانی اپریل ۱۸۸۴ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۹ء تک انھوں نے قریباً سات ماہوار، ہفتہ وار اور روزانہ رسالے اور اخبار جاری کئے، ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۹ء تک پھر تین اخبار جاری کئے، ۱۹۲۹ء میں "ہنٹر" کا پھر اجرا کیا، آپ ۱۱ مئی ۱۹۵۹ء کو فوت ہوئے (ہفت روزہ "استقلال" لاہور، ۷ جولائی تا ۱۳ جولائی ۱۹۸۴ء مضمون علامہ تاج عرفانی از محمد صادق قصوری، صہ ۴۲ / فدایان امیر ملت از محمد صادق قصوری، مرکزی مجلس امیر ملت برج کلاں ضلع قصور، بار اوّل، اپریل ۱۹۸۱ء صہ ۹)

[3] "پیسہ اخبار" ۱۷ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل۔

سیکرٹری خلافت کمیٹی پنجاب نے وزیر ہند کو ۱۲ جولائی کو ایک تار بھیجا جس میں "سات سو آدمیوں کے اس قافلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ یہ ۱۱ جولائی کو لاہور سٹیشن سے گزرا۔ باشندگان شہر پچاس ہزار کی تعداد میں ان کو الوداع کہنے کے لیے جمع ہوئے" [1]

اتوار کی صبح کو یہ ٹرین گوجرانوالہ سٹیشن پر پہنچی تو لوگ زار و قطار رو رہے تھے، گوجرانوالہ سے ۵ آدمیوں نے ہجرت کی [2] اسی طرح گاڑی گجرات پہنچی تو شربت اور مٹھائی سے مہاجرین کی تواضع کی گئی اور پانچ سو روپے کی تھیلی پیش کی گئی" [3]

"پیسہ اخبار" نے اسی دن اپنے ادارتی شذرے میں لکھا: "گیارھواں قافلہ جو مہاجرین کا سب سے بڑا قافلہ بتلایا جاتا ہے پشاور سے روانہ ہو چکا تھا کہ مہاجرین سندھ کی پانچ سو مرد، دو سو کے قریب بچوں اور عورتوں کی جماعت کی سپیشل ٹرین کہ جس کا کرایہ ساڑھے بارہ ہزار جان محمد صاحب بیرسٹر و رئیس لاڑکانہ نے اپنی گرہ سے ادا کیا ہے، جو خود بھی اس قافلے میں شریک ہیں......" [4] خود مسٹر جونیجو نے سپیشل ٹرین پر خرچ ہونے والی رقم چودہ ہزار روپے بتائی [5] ڈاکٹر معین الدین عقیل نے قافلے کے مہاجرین کی تعداد ساڑھے سات سو لکھی ہے [6] گاندھی جی نے سپیشل ٹرین کے ان مہاجرین کی تعداد ۷۶۵ بتائی ہے [7] جب یہ قافلہ پشاور سے کابل کو روانہ ہوا تو دفتر خادم المہاجرین پشاور اور "زمیندار" کے مطابق مہاجرین کی تعداد ۱۲ سو ہو چکی تھی [8]

---

[1] پیسہ اخبار، ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۶

[2] " " " صفحہ اوّل

[3] ایضاً

[4] پیسہ اخبار، ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲

[5] " " ۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء صہ ۳

[6] تحریکات ملی، صہ ۲۱۹

[7] بیداری ہند یا کارنامہ گاندھی صہ ۱۶۵

[8] زمیندار، ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۳

۱۱ ذیقعدہ کے "اتحادِ مشرقی" جلال آباد نے "ہندی مہاجرین کے اس تیرھویں قافلے کو ڈیڑھ ہزار مہاجرین پر مشتمل بتایا" جن میں جزوِ غالب سندھی اصحاب کا تھا۔" قافلے میں ۴۵ بیل گاڑیاں اور ۲ گھوڑا گاڑیاں تھیں۔ اس قافلے کے تین مہاجر لُو لگنے کی وجہ سے بیمار ہو کر راہیِ ملکِ بقا ہو گئے۔[51]

مولانا ظفر علی خاں نے آفریدیوں کی طرف سے اس قافلے کی پذیرائی کی طرف یوں اشارہ کیا تھا:

کہا بڑھ کے لبیک آفریدیوں نے
وہاں جب گیا قافلہ جونیجو کا[52]

مہاجرین کے پانچویں اور چھٹے قافلے کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے مہاجر دوسرے قافلوں میں بھی شریک ہو کر سرحد پار کرتے رہے۔ مہاجرین سندھ کی دوسری سپیشل ٹرین کے لاڑکانہ سے ۱۲ اگست کو پشاور روانہ ہونے کا اعلان کیا جا چکا تھا[53] لکھا گیا تھا کہ "اس قافلے کے ساتھ بہت سے ایسے مذہبی پیشوا مع مریدان کے ہجرت کریں گے جو سندھ کے قدیم راشدیہ خاندان سے ہیں، اس لیے مہاجرین کی ٹرین راشدیہ سپیشل کہلائے گی۔"[54] پھر یہ خبر آئی کہ سپیشل ٹرین مہاجرین کے لیے نہیں دی گئی[55] "سندھ کے کمشنر نے ایک سرکاری بیان میں ظاہر کیا کہ مقررہ تاریخ پر مقررہ جگہوں سے مہاجرین کی خاص گاڑی پشاور کو روانہ ہو گی ــــ بالکل بے بنیاد خبر ہے۔"[56]

اس کے باوجود جیسا کہ "مہاجرین کے قافلے" کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے، ۵۵

[51] زمیندار۔ ۷ اگست، صہ۵

[52] زمیندار۔ ۱۸ اگست، صفحہ اوّل

[53] ہفتہ وار "اہلحدیث" ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء صہ۱۴

[54] پیسہ اخبار۔ ۵ اگست ۱۹۲۰ء صہ۶

[55] پیسہ اخبار۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء صہ۶

[56] پیسہ اخبار۔ ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء صہ۶

مہاجرین سندھ کا دوسرا قافلہ ۱۵ اگست کو ۶۵ کا تیسرا قافلہ ۱۶ اگست کو اور اسّی افراد کا چوتھا قافلہ ۱۷ اگست کو لاہور سے گزرا۔[57] اسّی افراد کا مہاجرین سندھ کا آخری قافلہ ۱۸ اگست کو دوپہر ایک بجے لاہور سٹیشن پر پہنچا۔ یہاں انھیں کھانا کھلایا گیا، شام پانچ بجے جلوس نکالا گیا، جو موری دروازہ میں داخل ہو کر سنہری مسجد سے ہوتا ہوا چوک وزیر خاں پہنچا۔ وہاں شام کی نماز کے بعد محمڈن ہال میں جلسہ ہوا۔[58]

تحریکِ ہجرت کی ناکامی کے بعد کچھ مہاجرین واپس ہندوستان آ گئے، کچھ سفری صعوبتوں اور دیگر مشکلات کے کام آ گئے، کچھ وہیں رہ پڑے، کچھ ایران، روس وغیرہ کی طرف چلے گئے لیکن شیخ جان محمد جونیجو ایک وفدِ مہاجرین سے کر ہندوستان آئے، تو یہاں رہنے کے لیے نہیں بلکہ جو مہاجرین افغانستان میں رہ گئے تھے، ان کے لیے چندہ وغیرہ جمع کرنے کے لیے۔ اور ہندوستان واپس آنے والے ایک مہاجر عبدالرحیم قصوری نے اس کے متعلق لکھا۔ "وہ جان محمد جونیجو) فضول لوگوں کی طرح واپس نہیں آئے بلکہ وہ مہاجرین کے فائدے کے لیے ایک خاص مقصد سے کر آئے ہیں۔ اس مقصد میں سب سے مقدم بات مہاجرین کے لیے چندہ جمع کرنے کرانے کے لیے علمائے دین اور رہنمایانِ قوم کو توجہ دلانا ہے۔ آج کل مسٹر جونیجو رہنمایانِ قوم کے ساتھ ہندوستان میں دورہ کر رہے ہیں"[59] ۱۳ اکتوبر کو مسٹر جونیجو، مہاتما گاندھی اور علی برادران کے ساتھ علی گڑھ میں تھے[60] نومبر میں مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے زیرِ اہتمام جلسہ ہوا، جس کے صدر مسٹر چھوٹانی تھے۔ اس جلسے میں شیخ جان محمد جونیجو اور میر رحمت اللہ ہمایوں بطور وفد مہاجرین شریک تھے، یہاں مسٹر جونیجو نے تقریر کی اور میر رحمت اللہ ہمایوں نے مضمون پڑھا، "جو ہندوستانی مہاجرین کی ضروریات کے موضوع پر تھا۔"[61] مسٹر

[57] زمیندار۔ ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء صہ۳

[58] زمیندار۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صہ۲،۳

[59] زمیندار۔ ۲۸ اکتوبر۔ صہ۲

[60] زمیندار۔ ۱۶ اکتوبر۔ صہ۳

[61] زمیندار۔ ۹ نومبر۔ صہ۳

جو ہجر کی ہجرت، سفر اور افغانستان میں قیام کے متعلق ایک تفصیلی تقریر "واپس شدہ مہاجر کا بیان" کے عنوان سے "پیسہ اخبار" میں چھپی [1]

نومبر کے آخر میں رئیس مرحوم (مسٹر جو ہجر) الٰہ آباد میں کانگریس کے اجلاس میں شرکت کیلئے لاڑکانہ آئے تو ان کو سندھ کے جوڈیشل کمشنر کی طرف سے نوٹس ملا کہ وہ کراچی آکر خلافت کانفرنس جیکب آباد میں کی جانے والی تقریر کے متعلق وضاحت کریں۔ مسٹر جو ہجر نہیں گئے اور بمبئی پہنچ گئے۔ وہاں سے کابل جانے کے لیے روانہ ہوئے تو سرحد پر انھیں روک لیا گیا وہاں بیس دن ٹھہرے رہے، آخر میں پشاور سے بھی نکلنے کا حکم ملا، چنانچہ لاہور آئے پھر لکھنؤ خلافت کانفرنس میں شریک ہوئے [2] جب مسٹر جو ہجر کو پشاور میں روک لیا گیا تھا تو باشندگان پشاور نے بھی بہتیرا احتجاج کیا، لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی [3] آخر جان محمد جو ہجر ۲۱ اپریل ۱۹۲۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں ضلعی خلافت کانفرنس کا آٹھواں اجلاس سکھر میں مولانا شوکت علی کی صدارت میں ہوا۔ اس میں خلافت کمیٹی ضلع سکھر کے سیکرٹری عبدالستار آدم نے اپنی رپورٹ میں کہا: "ہجرت کا معاملہ جس نے حکومت کو ایک دم سخت پریشان کیا، اس کی کامیابی کا سہرا رئیس المہاجرین نواب جان محمد جو ہجر کے سر ہے، جو اپنی سرکردگی میں پہلی اسپیشل ٹرین لے کر افغانستان گئے۔" [4]

---

[1] "پیسہ اخبار" ، ۲۲ نومبر، صہ ۳

[2] مجلہ برگ گل، جوہر نمبر صہ ۱۱۷ والا مضمون

[3] روزنامہ "سیاست" لاہور، ۱۹ فروری ۱۹۲۱ء صہ ۴

[4] مجلہ برگ گل، جوہر نمبر صہ ۱۱۷ والا مضمون

ہجرت اور شاعری

ہجرت کے موضوع پر مسلمان شعرائے عصر نے بہت خامہ فرسائی کی۔ ان کے اشعار اخبارات کی زینت بنتے رہے۔ "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر چند شاعروں کا کچھ کلام پیش کیا جاتا ہے۔

ملک لال الدین احمد قیصر لاہوری:

تجھے آج مسلم جگاتا ہوں میں
نیا ایک منظر دکھاتا ہوں میں
خلافت کی محفل جو ہو بے چراغ
تو ہجرت کی مشعل جلاتا ہوں میں
وطن چھوڑ دے اور ہو بے وطن
تجھے تیری وسعت دکھاتا ہوں میں [1]

منشی علی حسین صہبا مراد آبادی:

مسلم کی زبان پہ ہی نہیں "ہائے خلافت"
ہندو بھی یہ کہتا ہے کہ اے وائے خلافت

---

[1] "زمیندار" ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء – صہ ۳

وہ پاؤں نہیں جو رہِ ہجرت میں نہ دوڑیں
وہ سر نہیں جس میں نہیں سودائے خلافت[1]

غلام حیدر خاں چشتی از جموں:

مری زندگی ہے برائے خلافت
میں ہوں جان و دل سے فدائے خلافت
کرے کوچ اسلام کا قافلہ اب
کہ آتی ہے بانگِ درائے خلافت
اسے واقعی حق ہے پادشاہی
جو گھر بار چھوڑے برائے خلافت[2]

سیماب اکبر آبادی:

مسلماں سرزمینِ ہند سے ہیں عازمِ ہجرت
بھری محفل وفا والوں سے خالی ہو جاتی ہے
سلام اے آتشِ گل! ساعتِ رخصت قریب آمد
نوید اے دشتِ غربت! شعلہ برپا ہر غریب آمد[3]

شمس لکھنوی:

ہند کو چھوڑ کر سب جاتے ہیں کابل کی طرف
ایسے میں چاہیے، قانون کچھ ایجاد کریں[4]

نیاز فتح پوری:

حصولِ مقصدِ فطرت تھا ہجرتِ اسلام
نہاں تھے قصر بہ آغوشِ خانماں بتہی[5]

---

[1] "زمیندار" ۹ مئی ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل (نظم "شامِ غم")
[2] "پیسہ اخبار" ۲۲ دسمبر ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل (نظم "ہوائے خلافت")
[3] "زمیندار" یکم جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ (اشعار از سیماب صدیقی ابوالعلائی اکبر آبادی)
[4] "زمیندار" ۹ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ (نظم "لمعات" از ابو الفضل شمس لکھنوی سب ایڈیٹر سخن سنج)
[5] "زمیندار" ۱۰ جون ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل (نظم "فطرتِ اسلام")

تاج الدین احمد تاج عرفانی:

(مہاجرین سندھ کے قافلے کے خیر مقدم کے طور پر بادامی باغ لاہور میں پڑھے گئے اشعار)

ہو گئی تازہ ہے پھر، ہجرتِ اصحابِ رسولؐ
ہو مبارک تمھیں ہجرت زدگانِ مسعود
پھر اسی تزک و تجمّل کا ہو نظارہ نصیب!
جیسے تکتے ہیں ہُوا فوجِ محمّد کا ورُود
ڈال دی آپ نے ہے "جانِ محمدؐ" کی قسم
کامیابی تمھیں ہر حال میں دے ربِّ ودُود
تاجِ سلطانیٔ محمُود کی یہ فال بھی ہے!
آپ کے قافلہ سالار ہیں وہ تاجِ محمُودؒ[1]

تاج عرفانی نے مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین کے لاہور پہنچنے پر اگرچہ مندرجہ بالا اشعار پڑھے، لیکن بنیادی طور پر وہ ہجرت کے مخالف تھے۔ ۲ جون کے "پیسہ اخبار" میں ان کی ایک نظم بعنوان "کون اب جائے گا کعبے کی زیارت کے لیے" چھپی تھی۔ اس کے دو شعر ہیں:

سینکڑوں مشکلیں حائل ہیں سرِ راہِ غریب
مولوی دیتے ہیں فتوے مجھے ہجرت کے لیے
اس جگہ خوب تڑپنے کا مزہ آئے گا
مقتلِ ہند ہی موزوں ہے شہادت کے لیے[2]

تاج صاحب تحریکِ خلافت کے بہر حال حامی تھے۔ اسی نظم کے دو شعر دیکھیے:

وہ مسلماں نہیں جو جان کو پیارا سمجھے
جاں بکف سینہ سپر ہم ہیں خلافت کے لیے

---

[1] "پیسہ اخبار" ۱۷ جولائی ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل
[2] "پیسہ اخبار" ۲ جون ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل

زندگی ہائے غلامی کی بسر کون کرے!
آئے ہیں دنیا میں ہم اپنی حکومت کے لیے[1]

ابوالقاسم امرتسری:

جب ہو چکا خلاف خلافت کا فیصلہ
پختہ ارادہ ہند سے ہجرت کا کر لیا
جائے گا چند روز میں کابل کو قافلہ
"بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے"[2]

تلوک چند محروم

ستم کشانِ وطن! اب وہ وقت آ پہنچا!
کہ دل ہو وقفِ الم، لب رہینِ نالہ رہے
نصیب گل کو ہے جب تک کہ چاک دامانی
چمن میں سوختہ جب تک درونِ لالہ رہے
دلوں میں یاد رہے تشنگانِ ہجرت کی!
جگر میں داغ شہیدانِ جلنے والا رہے[3]

محمد اسمٰعیل علیمی امرتسری:

سلام لو ہم مسافروں کا کہ ہم تو کابل کو جا رہے ہیں
کسی کے ظلم و ستم کے ہاتھوں وطن کی الفت مٹا رہے ہیں
چمن میں اپنے خزاں ہے ہر سُو، برنگ بُو اڑ چلے ہیں گل رو
طیور سارے بجائے کُوکُو ترانے ہجرت کے گا رہے ہیں

[1] "پیسہ اخبار" ۲ ؍ جون ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل [2] ایضاً
[2] "زمیندار" ۲۳ جولائی ص ۱ (نظم "ہجرت")
[3] ایضاً (نظم "خونِ شہادت")

رہے تو برطانیہ سلامت، تجھے مبارک تری حکومت
غریب مسلم شکستہ قسمت پیام ہجرت سنا رہے ہیں
قدیم ہجرت کی ہم کو خُو ہے، ہماری ہجرت ہی آبرو ہے
کسی کو کیا اس میں گفتگو ہے، ہم اپنی قسمت لڑا رہے ہیں
اٹھو تم اے ملک ہند والو، اب اپنی بگڑی ہوئی بنا لو
سنبھالو ہوش اب ذرا سنبھالو، اٹھو کہ تم کو جگا رہے ہیں
برادرانِ ہنود! تم کو رہے مبارک وطن کی راحت
غریب مسلم تمھارے بھائی، سفر کا بیڑا اٹھا رہے ہیں
تمام رشتوں کو توڑ علیمی، تعلق اب حق سے جوڑ علیمی
وطن کے جھگڑوں کو چھوڑ علیمی! امیر صاحب بلا رہے ہیں[1]

حامد علی خاں:

بے اماں بھی جا پہنچتے ہیں امان اللہ تک
اب ہوا معلوم، کیا تاثیر جذبِ دل میں ہے
بزمِ مسلم میں خلافت کے ہیں پروانے بھی
اب بھی اک جادو چراغِ کشتۂ محفل میں ہے[2]

ظفر علی خاں:

مجھے بچّوں کو عیدی جا کے دینی ہوگی کابل میں
جگر سے مانگ کر کچھ لعل و گوہر دیدۂ تر لا[3]
امان اللہ خاں فخرِ سلاطینِ زماں تو ہے
کہ ناموسِ رسولِ ہاشمی کا پاسباں تو ہے

[1] "زمیندار" ۳ ؍ جولائی ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل (نظم "ترانۂ ہجرت")
[2] "زمیندار" ۷ ؍ اگست ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل (نظم "رمزِ زندگی")
[3] "زمیندار" ۱۹ ؍ جون ۱۹۲۰ء ص ۳ (نظم "ارمغانِ عیدی")

تری دہلیز کو آ کر فرشتے چوم لیتے ہیں
کہ خاکِ آستانِ سرفگرکن و مکاں تو ہے
مسلمانوں کی بے تابی اگر ہے نوح کا طوفاں
تو طوفاں میں بہ رنگِ موج گوناگوں رواں تو ہے
ہماری مُردہ اُمیدوں کو بخشی زندگی تُو نے
حدیثِ قدسی[1] لا تقنطوا کا ترجماں تُو ہے
نہیں برطانیہ کو خوف کچھ بھی رُوس کا جب تک
رفیقِ تاجدارِ کشورِ ہندوستاں تُو ہے[2]

پشاور کو ہجرت نے خالی کیا ہے — وہاں جا کے دیکھا تو عالم تھا ہُو کا
کہا بڑھ کے لبیک افریدیوں نے — وہاں جب گیا قافلہ جو ئیجو کا
بنا دے گی مسلم کو مسلم یہ ہجرت — چھپا جس میں ہے رازِ حق سترہؑ کا[3]

حکیم محمد حسین عرشی امرتسری: (تشلیث بر غزلِ فیضی)

زاں کہ دَر ہند بس شور و شرے دَر پیش است
بازِ یارانِ طریقت سفرے دَر پیش است
رہِ نوردانِ بلا را خطرے دَر پیش است
نامہ از کوچۂ مقصود بمن نامہ برے
کس نمی گویدم از منزلِ اوّل خبرے
صد بیاباں بگزشت و دگرے در پیش است

[1] مولانا ظفر علی خاں نے اسے "حدیث قدسی" کہا ہے جو درست نہیں، یہ سورۃ الزمر کی آیت ۵۳ ہے
قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ
[2] "زمیندار" ۸، جولائی ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل (" اسلام کا مربی و خشاں غازی امان اللّٰہ خاں")
[3] "زمیندار" ۱۸، اگست ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل

ہاں تامّل بنمائید بآئین کہن،
ہمرہاں ایں ہمہ نومید نباشید از من
کہ دگر ماۓ سحرم را اثرے در پیش است
ما نہ آنیم کہ جاں را بفنا بسپاریم!
ما نہ آنیم کہ نادیدہ قدم بگزاریم
شکر کن قافلہ را راہبرے در پیش است
پرتوِ مہر سرِ ذرّۂ افسردہ بریز
اے صبا بہرِ آفاق گُل مژدہ بریز
کہ شبِ تیرۂ مارا سحرے در پیش است
عرشیؔ از ہمرہیِ پیر و جواں بیروں نیست
فیضیؔ از قافلۂ کعبہ رواں بیروں نیست
ایں قدر ہست کہ از ما قدرے در پیش است[1]

زین العابدین فرجاد دمیرٹھ)

جذبۂ انصار دامانِ ارادت می کشد!
نالہ در ہجرِ گلستاں ہم چو بُلبل کردہ ایم
در امانِ حضرتِ غازی امان اللّٰہ خاں
عزمِ ہجرت سوۓ دار الملکِ کابل کردہ ایم
اے غریبانِ وطن۔ آباد۔ از دینِ غریب
ما بہ تقلیدِ شما دیر، از تغافل کردہ ایم
فی امان اللّٰہ روید اے مومنانِ دیں پناہ
کردہ ایم از ضعفِ ایمانی تامّل کردہ ایم[2]

[1] "زمیندار" ۳۰، جولائی ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل (تشلیث "ہجرت")
[2] "زمیندار" ۲۴، اگست ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل (نظم "عدمِ تعاون و ہجرت")

ہجرت کے مخالفین

باب "ہجرت اور لیڈران" میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، مولانا شوکت علی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا عارف ہسوی، مولوی عبد الغفور، مولوی غلام محی الدین قصوری، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولوی عبد الرزاق ملیح آبادی اور مولوی عبد القادر قصوری کے ہجرت کے بارے میں "ارشادات" و کردار پر بحث ہو چکی ہے۔ اس سے بھی پہلے باب "ہجرت کا فتویٰ اور تبلیغ" میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی اور مولانا ابو الکلام آزاد کے ہجرت کے فتووں کے علاوہ، ہجرت کے دیگر مبلغوں کے ساتھ عزیز ہندی، مولانا تاج محمود امروٹی، عبد الرحمان نظام آبادی، حاجی صاحب ترنگ زئی، مولانا مفتی مظہر اللہ دہلوی، مولانا مولا بخش اور حکیم ابو تراب محمد عبد الحق کے خیالات بیان کیے جا چکے ہیں۔ ہجرت کے مخالفین کے طور پر پیر محمد حسن جان فاروقی مجددی، پیر مہر علی شاہ چشتی گولڑوی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا مختصر ذکر پہلے آ چکا ہے۔

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں مولانا اسلم جیراجپوری کی "مسئلہ ہجرت" کے عنوان سے درج ذیل تحریر شائع ہوئی۔

"خلافت اسلامیہ کا زوال تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک عظیم الشان مصیبت ہے۔ ہر مسلمان کا دل اسلام کی اس آخری شوکت کے مٹنے پر جو سلطنت عثمانیہ کے دم سے

قائم تھی، بے تاب و بے قرار ہے۔ ایسے اضطراب اور پریشانی کے وقت میں قوم کے راہنماؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ نہایت دانشمندی کے ساتھ لوگوں کے جذبات کو قابو میں رکھیں اور کسی ایسے راستہ کی طرف جانے سے ان کو روکیں جس سے نقصان کا خطرہ ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو افغانستان ہجرت کر جانے کا مسئلہ مذہبی یا سیاسی کسی لحاظ سے میری رائے میں مفید نہیں ہے۔ کیا ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کا یہاں سے ہجرت کر جانا ممکن ہے؟ کیا یہ ہجرت خود مسلمانان ہند کی تباہی اور بربادی کا باعث نہ ہوگی؟ علاوہ بریں افغانستان میں شخصی حکومت ہے، جس کی بھلائی برائی کا دارومدار بادشاہ کی شخصیت پر ہوتا ہے، وہ اچھا ہے تو آرام ہے، نہیں تو تکلیف۔ اس کی حالت بالکل اعراف کی سی ہوتی ہے، کبھی جنت اور کبھی دوزخ۔ اس لیے یہ ڈر ہے کہ خدانخواستہ وہاں مصیبت پیش آئی تو کہاں جائیں گے بقول شاعر:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا، تو کدھر جائیں گے!

مسلمانوں کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ زوالِ شوکتِ اسلام کے جس قدر اسباب ہیں، سب کے ملزوم اور ذمہ دار خود ہمیں ہیں۔ دنیا کی کوئی قوم کیسی ہی طاقت ور ہو ہم کو مغلوب نہیں کر سکتی...... "عزت تو ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ اور ایمان والوں کے لیے ہے" مسلمانوں کو اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ سچے مسلمان بنیں۔ اور تعلیمات الٰہی کو مضبوط پکڑیں اور اُن پر عمل کریں، اور اس کے لیے کسی سرزمین کی خصوصیت نہیں [1]

"پیسہ اخبار" نے اپنے ایک اداریہ شذرے میں لکھا "پولیٹیکل لیڈران مسٹر گاندھی مسٹر کچلو وغیرہ نے برملا ہجرت کی مخالفت کی [2] روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے لکھا کہ مسٹر گاندھی کے پنڈی جانے سے پنڈی میں بھی جوش پیدا ہو رہا ہے اور بازاروں

---

[1] "پیسہ اخبار" ۱۲ر جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۳ (یہی بیان ۱۷ر جون کے "پیسہ اخبار" میں دوبارہ شائع کیا گیا اور پھر ۱۹ر جون کے "پیسہ اخبار" میں اس کے اقتباسات چھاپے گئے)

[2] "پیسہ اخبار" ۱۷ر اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

میں سے جلوس نکالے جا رہے ہیں جو لوگوں کو تاکید کر رہے ہیں کہ ترکِ وطن کریں۔ اس پر "پیسہ اخبار" نے لکھا کہ مسٹر گاندھی عدم تعاون کے حامی ہیں۔ انھوں نے کبھی ہجرت کی تائید نہیں کی"۔[1]

سیف الدین کچلو نے ۲۸ مارچ کو موچی دروازہ لاہور کے باہر باغ میں جلسے کی صدارت کرتے ہوئے کہا تھا "ہم ہجرت کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ آٹھ کروڑ مسلمان اپنے عیال و اطفال کو لے کر اگر جائیں تو کہاں جائیں"۔[2]

"ڈاکٹر کچلو صاحب نے لاہور کے لیکچر میں کہا تھا کہ ہجرت کر جانا ہی ہمارے لئے بے حد مشکل اور ناقابل عمل ہے"۔[3]

قائدِ اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال تو سرے سے تحریکِ خلافت کے حامی ہی نہیں تھے، اور تحریک ہجرت نے اسی کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ قاضی عبدالغفار لکھتے ہیں "حکیم اجمل خاں اس تحریکِ ہجرت سے سب سے زیادہ غیر مطمئن تھے۔ ان کی رائے میں ترکِ وطن کی تحریک ہر طرح سے وطن پرستی کے مفہوم کی نفی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ آزادی کی جنگ وطن ہی کی سرزمین پر لڑی جانی چاہیے"۔[4]

جب غلام محمد عزیز امرتسری (عزیز ہندی) نے "خدام خلافت کانفرنس" کے کھلے اجلاس میں ہجرت کی قرارداد پیش کرنا چاہی تو مولانا حسرت موہانی نے، جو خدام خلافت کانفرنس کے داعی تھے، تقریر کرنے کی اجازت نہ دی۔ اور عزیز ہندی کو ایک الگ جلسۂ عام میں تقریر کرنا پڑی"۔[5]

چودھری خلیق الزمان نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم آٹھ کروڑ ہوتے ہوئے بھی برطانیہ کو اپنے مطالبات منوانے پر راضی نہیں کر پاتے تو چند ہزار کے، ہجرت کر جانے

[1] پیسہ اخبار۔ ۲۵ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲ / پیسہ اخبار۔ ۲۹ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۲

[2] پیسہ اخبار۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۰ء صہ ۶

[3] پیسہ اخبار ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء صہ ۲

[4] عبدالغفار قاضی، حیاتِ اجمل۔ علیگڑھ ۱۹۵۰ء صہ ۲۲۲

[5] رئیس احمد جعفری، سید۔ اوراقِ گم گشتہ صہ ۷۷

سے کیا ہوگا۔[1] اللہ بخش یوسفی نے چودھری صاحب کی اس بات کی پُرزور تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ تحریک ہجرت تو مولانا محمد علی کی واپسی سے قبل ہی ختم ہو چکی تھی۔[2] لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد علی اگرچہ اس تحریک کے ختم ہونے کے بعد واپس ہندوستان آئے تھے، لیکن یہاں آنے کے بعد انھوں نے ہجرت کی حمایت ضرور کی۔[3] (اس کا مفصل ذکر "ہجرت اور لیڈران" کے آغاز میں آچکا ہے)

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ہجرت کے مخالفین کا ذکر یوں کیا ہے: "تحریک ہجرت کو اس دور کے بعض ممتاز اور باشعور رہنماؤں مثلاً حسرت موہانی، حکیم اجمل خاں، محمد علی جناح، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، علامہ اقبال، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، آصف علی،[4] چودھری خلیق الزمان، سر محمد شفیع، سر فضل حسین وغیرہ کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ ان راہنماؤں کا خیال تھا کہ یہ تحریک مسلمانوں کے مفاد میں نہیں ہے"۔[5]

اللہ بخش یوسفی کہتے ہیں: "نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خاں اور علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی نے در پردہ ذمہ دار اراکین ہجرت کمیٹی پر زور دیا کہ وہ اس "ہمہ گیر" ہجرت کو روکیں کہ یہ زیادہ دیر تک چل نہ سکتی تھی اور ناکام ہو کر مسلمانوں کی رسوائی کا باعث بنے گی"۔[6]

سیالکوٹ کے ایک مخلص قومی کارکن آغا محمد صفدر نے پشاور کے ایک بھرے عام اجلاس میں، تجویز پیش کر دی کہ صرف ان افراد کو جانے کی اجازت دی جائے، جو افغانستان

[1] خلیق الزمان چودھری، پاتھ وے ٹو پاکستان۔ لانگ مینز پاکستان برانچ ۱۹۶۱ء صہ ۵۶

[2] اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی۔ مرکزی اردو بورڈ، لاہور۔ صہ ۲۳۶

[3] محمد علی جوہر، خطبہ ہائے صدارت۔ دارالاشاعت علوم اسلامیہ ملتان صہ ۱۱۴ / ۱۵ / بیان کراچی ۱۹۲۱ء

[4] خدام خلافت کانفرنس دہلی کے بعد شام کے جس جلسہ عام میں عزیز ہندی ہجرت کی قرارداد پیش کرنا چاہتے تھے، اس کی صدارت آصف علی بیرسٹر کو کرنا تھی۔ یہ جلسہ ہوا تو افتتاحی تقریر کے بعد آصف علی ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے چلے گئے اور صدارت مولانا داؤد غزنوی کے سپرد کر گئے۔ (اوراقِ گم گشتہ صہ ۷۸)

[5] تحریکاتِ ملی۔ صہ ۲۱۷

[6] سرحد اور جدوجہد آزادی۔ صہ ۲۱۸

میں کھپ بھی سکیں اور کسی کام بھی آسکیں۔ مثلاً ڈاکٹر، انجنیئر، معلم، کاریگر وغیرہ۔ (علماء نے اس تجویز کو "مداخلت فی الدین" قرار دیا) [1]

ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں: "ہجرت کے دیگر مخالفین میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا محمد اسحاق مانسہروی اور مولانا محمد اسلم جیراجپوری بھی تھے جو اس کے نامناسب اور غیر ضروری ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ احمدیت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے بھی ہجرت کی اس وجہ سے مخالفت کی کہ ان کی نظر میں انگریزوں کے ماتحت ہندوستان دار الحرب نہیں تھا۔" [2]

چودھری عبد الحمید پروپرائٹر مکتبہ کارواں لاہور (بطور شاعر حمید جالندھری) نے مؤلف کو ایک ملاقات میں بتایا کہ میاں عبد الباری نے تحریک ہجرت کی مخالفت کی تھی اور اپنے تجربے کی بنیاد پر افغانستان کا رخ کرنے کو سخت نقصان دہ قرار دیا تھا۔

عزیز ہندی لکھتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے مشہور بزرگ مولانا محمد اسحاق مانسہروی اس وقت کسی مصلحت کی وجہ سے ہجرت کے حق میں نہ تھے۔ [3]

مولانا ظفر علی خاں نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی تعریف و توصیف کے بعد لکھا کہ ایک مراسلہ "زمیندار" میں چھپا تھا کہ پیر صاحب نے اپنے کسی مرید کو ہجرت کی ترغیب دی لیکن بعد میں پیر صاحب نے اس کی تردید فرما دی جو ہندوستان بھر کے اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد مدیر "زمیندار" نے شیخ جان محمد جونیجو کی شکایت بھی لکھی کہ سندھ کی سپیشل ٹرین جب گولڑہ کے سٹیشن سے گزری تو کوئی شخص خیر مقدم کے لیے نہیں آیا۔ [4]

مولانا ظفر علی خاں، ہجرت کے متعلق پیر صاحب کے خیالات معلوم کرنے کے لیے پیرزادہ غلام دستگیر سیکرٹری خلافت کمیٹی گجرات اور مرزا قطب الدین سیکرٹری خلافت کمیٹی راولپنڈی کی معیت میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ بعد میں انھوں نے اخبار میں لکھا: "ہجرت کے متعلق

---

[1] سرحد اور جدوجہد آزادی۔ ص ۲۱۸

[2] تحریکات ملی۔ ص ۲۱۱

[3] اوراقِ گم گشتہ۔ ص ۷۹۲

[4] زمیندار ۵ راگست ۱۹۲۰ء ص ۲

پیر صاحب نے فرمایا کہ ہجرت، بجائے خود شرعاً فرض نہیں، لیکن اگر اس سے یہ مدعا ہو کہ اسلام کے بہترین اغراض و مقاصد کو ترقی دی جائے تو ایک نہایت مقدس فرض ہے۔ ۔ ۔ ۔ بہر حال میں ہجرت کو ایک عالمگیر حربے کے طور پر اختیار کرنے کا قائل نہیں۔" [1]

مولانا ظفر علی خاں نے چکوال میں بیس ہزار کے عظیم الشان مجمع میں پیر مہر علی شاہ صاحب سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ وہ عدم تعاون کے ہر طرح سے مؤید ہیں [2] مولانا ظفر علی خاں ہجرت کے متعلق حضرت گولڑوی کے خیالات معلوم کرنے گئے تھے، لیکن تقریر میں ان سے متعلق ہجرت کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پیر صاحب نے ہجرت کی مخالفت ہی کی تھی۔

پیر صاحب گولڑوی کی سوانح عمری "مہر منیر" میں مولانا ظفر علی خاں کی گولڑہ میں حاضری کے حوالے سے تحریر ہے: "پنجاب کے سیاسی لیڈر اور روزنامہ "زمیندار" کے فاضل مدیر مولوی ظفر علی خاں ۱۹۲۰ء میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ (پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی) کے ساتھ خلافت اور ہجرت کے موضوع پر گفتگو کے لیے گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ مولوی ظفر علی خاں خلافت، ہجرت، ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت، شریف مکہ کا انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کی ہنگامی ضرورت وغیرہ مسائل پر بولتے رہے، مگر جب حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے شرع شریف کی روشنی میں ان معاملات پر اپنا مسلک بیان فرمایا تو خاموش رہ گئے اور کوئی مزید بات نہ کر سکے۔" [3]

مولانا فیض احمد فیض لکھتے ہیں: "حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور کانگریسی جمعیت العلماء ہند کی برپا کردہ تحریکاتِ خلافت و ہجرت سے اختلاف کرتے ہوئے ان کی تردید فرمائی۔" [4]

---

[1] "زمیندار" ۱۲ راگست ۱۹۲۰ء ص ۲

[2] "زمیندار" ۳ راگست ۱۹۲۰ء ص ۴

[3] فیض احمد فیض، مولانا (مؤلف) مہر منیر مطبوعہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور طبع سوم ۱۳۹۶ھ ص ۱۳۴

[4] ایضاً

پیر محمد حسن جان سرہندی نے تحریک خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا مگر ہندوؤں سے اتحاد کی سختی سے مخالفت کی تحریک ہجرت پر آپ نے عوام کو اس کے نقصانات سے آگاہ کیا [1]
عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں: "جب لیڈروں نے ہندوؤں کے فریب میں آ کر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ جوق در جوق ترک وطن کرنے لگے تو اس موقع پر بھی آپ (حضرت محمد حسن جان فاروقی سرہندی) نے قوم کی صحیح رہنمائی کی اور ترک وطن سے مخالفت کی اور فرمایا: "وہاں اتنی گنجائش کہاں ہے کہ سب لوگ سما سکیں، خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوں گے اور مسلمانوں کے بادشاہ کو بھی تکلیف دیں گے۔ اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کو خوشی ہوگی۔" [2]

پیر عبدالرحیم آف بھرچونڈی شریف (سندھ) لکھتے ہیں: "جب سندھ کے عوام اپنے موروثی دینی جوش اور ملی جذبہ سے مجبور ہو کر اپنی جائیدادیں جذبۂ ہجرت پر قربان کر کے کابل وغیرہ جانے لگے تو اس وقت میرے جدِ بزرگوار حضرت حافظ محمد عبداللہ صاحب قدس سرہٗ نے اس بارے میں مولانا شاہ احمد رضا خاں (بریلوی) سے ہی رجوع فرمایا جنھوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں اس ہجرت کو غیر اسلامی قرار دے کر تحریک آزادی کا رُخ انگریزی سامراج کے ساتھ ٹکرانے کی طرف موڑ دیا۔ جدِ بزرگوار نے یہ فتویٰ ملک کے طول و عرض میں مشتہر کرایا، جس سے ہزاروں علمی اور دینی گھرانے تباہی سے بچ گئے۔" [3]

پیر سید جماعت علی شاہ مرحوم (ابن سید کریم شاہ علی پوری) نے تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت کے نقصانات سے مسلمانوں کو باخبر کیا [4] امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری نے بھی تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت (۲۱-۱۹۲۰ء) کے

---

[1] محمد صادق قصوری۔ اکابر تحریک پاکستان، حصہ اول ص ۲۲۷
[2] عبدالحکیم شرف قادری۔ تذکرۂ اکابر اہل سنت۔ ص ۴۴۷، ۴۸۱
[3] عبدالنبی کوکب، قاضی: مقالات یوم رضا حصہ دوم، دائرۃ المصنفین لاہور طبع اول ص ۵۵، ۵۶
[4] محمد صدیق، پروفیسر، پروفیسر مولوی حاکم علی، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۴۵، ۴۶

نقصانات سے مسلمانوں کو پوری طرح باخبر کیا۔ [1]
انھوں نے کہا: "تمام مسلمانوں سے کہہ دو، کوئی ہجرت نہ کرے۔ اگر ہجرت فرض ہے، تو یہ مولوی خود کیوں نہیں کرتے۔ جب ہجرت فرض ہوگی تو میں خود چلنے کو کہوں گا اور یہ ہجرت مدینہ منورہ کو ہوگی۔ جاؤ سب کو منع کر دو۔ چند دن میں دیکھو گے کہ اس تحریک کا کیا حشر ہوتا ہے۔" [2]
ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں: "تحریک ترک موالات کے زمانے میں گاندھی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے دستخط سے ہجرت کابل کے اشتہارات شائع ہوئے تو آپ نے اس کی سختی سے مزاحمت فرمائی۔" [3] قاضی مصطفیٰ کامل نے لکھا: "تحریک ہجرت اور تحریک ترک موالات کے موقع پر بھی امیر ملت نے کانگریسی لیڈروں اور کانگرس کا ساتھ دینے والے علماء سے اختلاف کیا اور مسلم قوم کو ان کے نقصانات سے آگاہ کیا۔" [4] "صوفیہ نقشبند" (ص ۳۵۵) اور "سیرت امیر ملت" (ص ۱۴۱۴) کے حوالے سے محمد صادق قصوری لکھتے ہیں کہ امیر ملت نے فرمایا: "مسلمانو! ہجرت نہ کرو۔ آپ کا وطن آپ کا جدی ورثہ ہے۔ اسے ہاتھ سے نہ جانے دو۔" [5]
مولانا احمد رضا خاں اور ان کے زیر اثر تمام علماء نے ہجرت کے خلاف پُرزور آواز اٹھائی "تاریخ ادبیات پاک و ہند" میں ہے: "سیاسی تحریکوں کے آغاز پر جب مسلمانوں کو ہندوستان چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر آمادہ کیا گیا، جس سے ہزاروں مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر افغانستان کی طرف کوچ کرنے لگے تو مولانا احمد رضا خاں نے اس ہجرت کے خلاف فتویٰ دے کر مسلمانوں

---

[1] عبدالحکیم شرف قادری۔ تذکرہ اکابر اہل سنت۔ مکتبہ قادریہ لاہور، بار اول۔ ستمبر ۱۹۷۶ء۔ ص ۱۱۴
[2] ماہنامہ انوار الصوفیہ۔ قصور۔ اپریل مئی ۱۹۶۱ء (مضمون امیر ملت از مولانا محمد فاضل) ص ۵۶
[3] محمد صادق قصوری، انوار امیر ملت۔ مرکزی مجلس امیر ملت، برج کلاں ضلع قصور۔ بار اول ستمبر ۱۹۷۹ء ص ۳۵ مضمون "حضرت امیر ملت قدس سرہ" (گاندھی اور مولانا فرنگی محلی کے دستخطوں سے شائع ہونے والے ہجرت کابل کے اشتہارات کی بات خلاف واقعہ ہے)
[4] انوار امیر ملت۔ ص ۲۶
[5] محمد صادق قصوری، امیر ملت اور ان کے خلفاء، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ، بار اول ۱۹۸۳ء ص ۳۴

کو اس سیاسی غلطی سے بچانے کی کوشش کی۔[1]

میاں عبدالرشید لکھتے ہیں: "آپ (اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی) بھی قائداعظم کی طرح تحریک عدم تعاون اور تحریک ہجرت دونوں کے مخالف تھے، کیونکہ یہ دونوں تحریکیں اس برعظیم کے مسلمانوں کے مفادات کے منافی تھیں۔ بیشتر دیوبندی علماء کانگرس کے حامی تھے۔ ان کا رویہ بڑا عجیب تھا کہ ایک طرف وہ انگریز کی مخالفت کے زور میں ہندو کانگرس کی گود میں جا گرے تھے اور دوسری طرف وطنیت یا نیشنلزم جیسے مغربی نظریہ کو جو اسلام کے منافی تھا، اپنا رہے تھے۔ اسی طرح ان کا یہ طرز عمل بھی سمجھ سے بالا تھا کہ جب وہ پارلیمانی جمہوریت کے حق میں تھے تو پھر ہجرت کے ذریعے اندرون ملک مسلمانوں کی تعداد کیوں کم چاہتے تھے"۔[2]

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "دارالاسلام سے ہجرت عامہ کا حکم ہرگز شرع مطہر نہیں فرماتی، نہ عادتاً وہ ممکن ہے، نہ کچھ مفید کہ سب مسلمان اپنی جائیدادیں یونہی نصاریٰ کے لیے چھوڑ جائیں یا کوڑیوں کے مول ہندوؤں کو دے جائیں اور خود یہ کروروں ننگے بھوکے اور ملک کے مسلمانوں پر ڈھلتی دیں، ان کی عافیت بھی تنگ کریں یا بھوکے مر جائیں اور اپنی مساجد و مزارات اولیاء پامالی کفار و مشرکین کے لیے چھوڑ جائیں"۔[3] "المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ" میں مولانا احمد رضا خاں نے لکھا: "ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا۔ جو بیچارے اس میں آ گئے، ان مصیبت زدوں پر جو گزری، گزری۔ یہ سب اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے، پتر انگانہ پھٹکری"۔[4]

---

[1] تاریخ ادبیات پاکستان و ہند۔ جلد نہم۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ صد ۶۲۰

[2] مرید احمد چشتی (مرتب)، جہان رضا۔ مرکزی مجلس رضا لاہور، بار اوّل شوال ۱۴۰۱ھ صد ۱۶۰، ۱۶۱ (مضمون "حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ" از میاں عبدالرشید)

[3] احمد رضا، امام۔ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ۔ جلد ششم۔ سنی دارالاشاعت مبارک پور (انڈیا) اکتوبر ۱۹۸۱ء صد ۹۷، ۹۸

[4] المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (بحوالہ اوراق گم گشتہ صد ۲۹۷)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مزید لکھا: "دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے۔ اوّل اس کی قوت کا جھگڑا ہی ختم ہو۔ دوم، یہ نہ ہو تو اس کی جلا وطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔ سوم، یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کے رہے۔ مخالف نے یہ تینوں درجے ان پر طے کر دیئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اوّلاً جہاد کے اشارے ہوئے۔ اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔ ثانیاً جب یہ نہ بنی، ہجرت کا ابھار دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں۔ ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یونہی چھوڑ جائیں، بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں، ان کی مساجد و مزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔ ثالثاً جب یہ بھی نہ بنی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملت پر ابھارا ہے۔۔۔۔"[1]

اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی نے جماعت مبارکہ انصار الاسلام کے اجلاس اوّل منعقدہ بریلی (۲۲، ۲۳، ۲۴، شعبان ۱۳۳۹ھ) میں صدارتی خطبہ پڑھتے ہوئے مولانا احمد رضا بریلوی کے مندرجہ بالا الفاظ دہرائے اور ہجرت کے حوالے سے کہا: "جو بھنوروں میں آ گئے ان غریبوں پر جو گزری، وہ جانتے ہیں اور ان کا خدا، اور کچھ تھوڑا بہت وہ جنہوں نے خود ان کی نادر و نزار حالت کو معائنہ کیا کہ کس طرح یہاں سے اپنی املاک و جائیداد، مال و متاع کوڑیوں کے مول بیچ کر بلکہ مفت چھوڑ کر بلکہ آگ لگا لگا کر گئے۔ راہ میں کیا کیا صعوبتیں اٹھائیں، پھر ہجرت گاہ میں پہنچ کر کیسی کیسی آفتیں جھیلیں۔ کتنے بیچاروں نے ہندوؤں اور ان کے پس روؤں کے بھنوروں میں سسک سسک کر جانیں دیں اور کتنے جو وہاں سے باحال تباہ بصد نالہ و آہ واپس آئے"۔[2]

ناظم حزب الاحناف لاہور نے لکھا: "ہجرت ہجرت پکار کر ان نادانوں نے ہندوستان کو اسلام سے خالی کرانے کی ٹھان لی تھی، مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ یہ سب چالیں پرستاران گاندھی

---

[1] احمد رضا خاں بریلوی، اعلیٰحضرت، رسائل رضویہ، جلد دوم (ترتیب اختر شاہجہانپوری) مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء صد ۲۰۳

[2] اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی، خطبہ صدارت جماعت مبارکہ انصار الاسلام، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ، مطبوعہ صبح صادق سیتاپور ۱۳۴۰ھ صد ۴۹

ہندوؤں کے ایما اور اہتمام میں کر رہے تھے۔"[1]

ہجرت کے موضوع پر علماء اہل سنت کے مجموعی کردار کے بارے میں محمد جلال الدین قادری لکھتے ہیں: "تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت میں سیاسی بصیرت کے حامل علماء و اکابر نے خلافت کمیٹی اور جمعیت علماء ہند کے طرز عمل کی مخالفت کی..... ہجرت کے بارے میں ان علماء و اکابرین کا نظریہ یہ تھا کہ "موجودہ حالات میں ہجرت کرنا مذہبی اور سیاسی ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے"۔[2] میاں عبدالرشید نے اسی باب میں لکھا "قائد اعظمؒ کی طرح انھوں (علماء اہل سنت) نے بھی ترک موالات اور ترک ہجرت کی مخالفت کی"۔ یہ ملک ہمارے بزرگوں نے اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا، ہم کیوں یہاں سے ہجرت کریں"۔ ان میں سے ایک نے کہا اور بعد میں حالات نے ثابت کیا کہ ان کا موقف درست تھا، تحریک ترک موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبوط ہو گئی"۔[3]

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا فتویٰ ہجرت اخبارات میں چھپا تو روزنامہ "پیسہ اخبار" کے ایڈیٹر مولوی محبوب عالم نے لکھا "زیادہ بہتر ہوتا کہ ایسا فتویٰ مولانا صاحب جاری نہ کرتے تاکہ حکام اور دنیا کے سامنے یہ بات بنی رہتی کہ اگر علماء فتویٰ دے دیں گے تو بہت سے مسلمان ہجرت کر جائیں گے۔ ایک صاحب نے یہ اجازت ہجرت پڑھ کر کہا کہ مولانا صاحب خود اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے کیوں اس فتوے پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت نہیں دیکھتے"۔[4] "پیسہ اخبار" نے مختلف موقعوں پر ہجرت کی مخالفت کا فریضہ ادا کیا۔ اس کا کسی قدر تفصیلی ذکر الگ باب میں کیا جائے گا۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو، مہاجرین کا آٹھواں قافلہ پشاور سے

---

۱ ناظم حزب الاحناف لاہور۔ تحذیر الحنفیہ عن عقائد النجدیہ۔ حزب الاحناف لاہور، مطبوعہ مطبع کریمی لاہور، س ن، صفحہ آخر (۳۴)

۲ محمد جلال الدین قادری، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، مکتبہ رضویہ لاہور، طبع اول مئی ۱۹۸۰ء ص ۳۵

۳ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۸ مئی ۱۹۷۵ء

۴ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء ص ۲

روانہ ہو چکا تھا اور مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین کی آمد آمد کا غلغلہ تھا۔ یعنی ہجرت کا بہت زور ہو رہا تھا۔ ایسے میں مولوی محبوب عالم نے ایک اداریہ بعنوان "مہاجرین کے قافلے" میں لکھا۔ "کیا مسئلہ خلافت کے لیڈروں کا فرض نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی ہر قافلہ کے ساتھ جائے اور مہاجرین کے لیے وطن کے حالات اور ان کے کام، قیام رہائش اور گزارہ کی کیفیت سے اطلاع دے۔ آیا اور کتنے مہاجرین کی وہاں گنجائش ہے اور جو لوگ ترک وطن کر رہے تھے، ان کے لئے آبادکاری کے کافی اور موزوں وسائل وہاں ہیں اور جو لوگ ادنیٰ قسم کے لوگ جا رہے ہیں، آیا یہ افغانستان میں جا کر وہاں کھیتی باڑی کر کے پیٹ پال سکیں گے ..... جو لوگ وطن عزیز چھوڑ کر جا رہے ہیں، انھوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ان کی اس کارروائی سے ان کے محبوب مسئلہ خلافت پر کیا اثر پڑے گا اور خدانخواستہ اگر مسئلہ خلافت پر کوئی اثر نہ پڑا تو ان کا اپنے وطن اور زادیوم کے اندر رہ کر آئندہ ایجی ٹیشن کرنا مفید ہے یا ایک ملک سے منفی ہو کر اس مسئلہ کے لحاظ سے بالکل معدوم ہو جانا ..... ہندوستان میں مسلمانوں کی ترقی کے جو سامان حاصل ہو سکتے ہیں وہ ہندوستانیوں کے لیے افغانستان میں حاصل کرنے مشکل ہیں۔ ہندوستان ہمارا زادبوم ہے۔ اس کا ہم پر حق ہے اور ہمارا اس پر حق ہے۔ ہمیں چاہیے کہ یہیں ڈٹے رہیں"۔[1]

ابوالمعانی منشی تاج الدین احمد تاج (عرفانی) سابق ایڈیٹر ہنٹر نے لکھا:

سینکڑوں مشکلیں حائل ہیں سر راہ غریب
مولوی دیتے ہیں فتوے مجھے ہجرت کے لیے
اس جگہ خوب تڑپنے کا مزہ آئے گا!
مقتل ہند ہی موزوں ہے شہادت کے لیے[2]

سچی بات یہ ہے کہ ہجرت کے ان مخالفین نے اپنی اپنی سطح پر، اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنی بات کو پھیلایا، اور ان کی وجہ سے زیادہ تر مسلمانوں نے ہجرت کے مبلغین کی باتوں پر کان نہ دھرا، ورنہ جانے کیا ہو جاتا۔

---

۱ "پیسہ اخبار" ۸ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۲ ۲ "پیسہ اخبار" ۲ جون ۱۹۲۰ء صفحہ اول

عازمینِ ہجرت کی پذیرائی

تحریکِ ہجرت کے متاثرین جس راستے سے گزرتے تھے، لوگ ان کے جذبۂ اسلام کی پذیرائی کے طور پر ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے رہے، لوگوں نے بعض جگہوں پر انھیں کھانا پیش کیا، کہیں انھیں مہمان ٹھہرایا، عام طور سے نقدی اور پھل وغیرہ کی صورت میں انھیں تحائف پیش کئے، ان کے اس جذبے کی تعریف و توصیف کی کہ وہ محض اسلام کی خاطر اپنے وطنِ عزیز کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔ جہاں جہاں سے عازمینِ ہجرت نے قافلوں کی صورت میں سفر کیا، راستے بھر میں ان کی پذیرائی کی گئی۔ مہاجرینِ سندھ کا پہلا قافلہ شیخ جان محمد جونیجو بیرسٹر ایٹ لاء اور مولانا تاج محمود امروٹی کی قیادت میں چونکہ ایک سپیشل ٹرین کی صورت میں چلا، اس کی پذیرائی اور خیرمقدم کے بھی بہت سے مظاہر سامنے آئے۔

اطلاع تھی کہ مہاجرینِ سندھ کی سپیشل ٹرین ۱۰ جولائی ۱۹۲۰ء کو شام ۸ بجے لاہور پہنچے گی، چنانچہ انھیں کھانا کھلانے کے علاوہ مسلمانانِ لاہور کی طرف سے ان کی خدمت میں "ایڈریس" پیش کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔[1]

یہ ٹرین کچھ گھنٹے کی تاخیر سے رات کے ۲ بجے بادامی باغ سٹیشن پر پہنچی۔ اس دوران میں مولانا ظفر علی خاں اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے علاوہ ایک اور صاحب پُرشور وعظ"

[1] "پیسہ اخبار" ۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۶

کرتے رہے۔" بعض ہندوؤں نے برف آب اور خوشبودار پانی کی سبیلیں جابجا لگائی ہوئی تھیں۔۔۔۔ پلیٹ فارم پر مہاجرین کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا گیا، پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے گئے۔ پھر تمام مہاجرین کو سٹیشن سے باہر لا کر کھانا کھلایا گیا۔ اہلِ لاہور کی طرف سے ۵ ہزار روپیہ کی پہلی قسط بطور ایک مختصر نذرانہ کے، جناب مولانا تاج محمود صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے بعد اہلِ امرتسر کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب نے ایک سپاسنامہ پیش کیا اور ۵ سو روپے کی ایک قلیل نذر کی۔ مسلمانانِ لائلپور کی طرف سے حکیم نوردین صاحب نے ڈیڑھ سو روپے سے زائد رقم پیش کی۔"[1] اخبار "اہلحدیث" امرتسر نے لکھا: "دس جولائی کو سندھی قافلہ ایک سپیشل ٹرین پر لاہور سے گزر کر پشاور کو گیا۔ امرتسر سے سینکڑوں آدمی اس کے استقبال کے لیے لاہور گئے اور امرتسری مسلمانوں نے ایک سپاسنامہ بھی دیا۔"[2]

سیکرٹری خلافت کمیٹی پنجاب (مولانا ظفر علی خاں) نے ۱۲ جولائی کو وزیرِ ہند کو ایک تار بھیجا، جس میں سپیشل ٹرین کی لاہور آمد اور اس کے استقبال کے حوالے سے ترکی کے ساتھ دوستانہ فیصلے کی تجویز پیش کی، تار میں انھوں نے لکھا: "باشندگانِ شہر پچاس ہزار کی تعداد میں ان (مہاجرینِ سندھ) کو الوداع کہنے کے لیے جمع ہوئے۔"[3] تاج الدین احمد تاج عرفانی (سابق ایڈیٹر ہنٹر) نے خیرمقدم میں جو اشعار پڑھے وہ "ہجرت اور شاعری" کے باب میں دیئے جا چکے ہیں۔[4]

مسلمانانِ امرتسر کی طرف سے مہاجرینِ سندھ کو جو سپاسنامہ مولانا ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر "اہلحدیث" نے پڑھا، اس کا متن یہ تھا:

"۱۰ جولائی ۱۹۲۰ء۔ مولانا تاج محمود صاحب و مسٹر جان محمود (محمد) وغیرہ برادرانِ اسلام

السلام علیکم!

حضرات! آج جو حالت اسلام پر آئی ہے، اس کی مثال صدرِ اول ہی میں ملتی ہے کہ

[1] "پیسہ اخبار" ۱۲ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۱۰

[2] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۱۰

[3] "پیسہ اخبار" ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء صـ ۶

[4] "پیسہ اخبار" ۱۷ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

مسلمانوں کا ایک گروہ مہاجر ہے اور ایک انصار، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم بھی بذاتِ خود مہاجرین کے قافلہ سالار تھے، اس لیے مہاجرین کو جاء و فخر ہے۔

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست

کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

اور انصار ان مہاجرین کے خادم ہیں۔

اسلام کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک مکی، دوسرا مدنی۔ مکی زندگی میں اسلام تکلیف میں رہا، مدنی میں ترقی پذیر ہوا مگر ہجرت کا پل عبور کر کے۔ آج جس تکلیف میں اسلام گزر رہا ہے، یہ مکی زندگی سے مشابہ ہے۔ الحمد للہ کہ اعلیٰحضرت جلالت مآب امیر امان اللہ خاں غازی خلد اللہ ملکہ کی توجہ سے ہجرت کا پل تیار ہو گیا اور آپ کے سارے صوبوں میں صوبہ سندھ ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے اسی نے اسلام کی قدم بوسی کا فخر حاصل کیا تھا۔ اسی کا اثر ہے کہ آج ہم اس صوبہ میں اسلامی نشہ باقی صوبوں سے زیادہ پاتے ہیں۔

حضرات! آپ برادران گو ہم سے جدا ہو رہے ہیں، لیکن باور کرنے کا مقام ہے کہ ہمارے قلوب آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ حضرات کو ایک تکلیف دینے کی اجازت چاہتے ہیں کہ ہمارے برادران مہاجرین اور برادران افغان انصار کو دلی تپاک سے ہمارا سلام مسنون پہنچا دیں۔ اور جلالت مآب خلد اللہ ملکہ کی خدمت میں عرض کریں کہ جملہ مسلمانوں خصوصاً مہاجرین کی مذہبی اور اخلاقی اصلاح کا خیال مقدم رکھیں۔

...... حکومت سے درخواست کریں کہ مہاجرین کے لیے ایک خاص شیخ الاسلام مقرر کرے ......

ہم ہیں آپ کے دعاگو

(مولوی) نور احمد — (مولوی) ابو الوفا ثناء اللہ، اڈیٹر "اہلحدیث"

(مولوی) محمد داؤد غزنوی — (مولوی) عطاء اللہ شاہ

محمد اسمٰعیل مشتاق وغیرہ — پیر امام الدین — مسلمانان امرتسر[1]

[1] ہفتہ وار اخبار "اہلحدیث" امرتسر، ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء (۲۸ شوال ۱۳۳۸ھ) صہ ۱۴

مہاجرین سندھ کا چوتھا قافلہ جس میں کم و بیش ۸۰ (اسی) مرد عورتیں اور بچے شامل تھے ۱۸ اگست کو دوپہر ایک بجے لاہور سٹیشن پر پہنچا...... "سٹیشن پر شیخ عبد الغنی صاحب والنٹیئر اور عبد العزیز صاحب والنٹیئر نے اپنے دیگر ساتھیوں سمیت مہاجرین سندھ کا استقبال کیا۔ ایک گھنٹہ میں مہاجرین کو کھانا کھلا دیا گیا...... دوپہر کو آرام کرنے کے بعد ۵ بجے شام مہاجرین کا ایک جلوس نکالا گیا۔ یہ جلوس موچی دروازہ میں داخل ہو کر سنہری مسجد سے ہوتا ہوا چوک وزیر خاں میں پہنچا...... مہاجرین شام کی نماز وزیر خاں مسجد میں ادا کر کے...... محمڈن ہال میں تشریف لائے۔ مولوی ظفر علی خاں نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں انھوں نے ہجرت کا صحیح مفہوم بتایا۔"[1]

۱۹ اگست کو رات نو بجے کراچی سے تیس مہاجر لاہور پہنچے، اسی دن مولانا ابو الکلام آزاد بھی لاہور پہنچے تھے، اور خلافت کے رضاکار ان کے ساتھ جلوس میں تھے، اس لیے سٹیشن پر مہاجرین کا استقبال نہ ہو سکا، لیکن شہریان لاہور نے انھیں رات اپنے پاس ٹھہرایا اور دوسرے دن پشاور کی گاڑی پر سوار کرا دیا۔[2]

مہاجرین کی راستے میں تو پذیرائی ہوتی تھی، جس گاؤں یا شہر سے تارکین وطن کا کوئی قافلہ جاتا تھا، وہاں کے لوگ بھی انھیں نہایت عقیدت و احترام سے رخصت کرتے تھے۔ خود عازمین ہجرت کے گھر والے بھی انھیں خوش دلی سے رخصت کرتے تھے۔ ۲۹ جون کو امرتسر کے تین مہاجروں نے عزم سفر باندھا تو عبد الحمید زرگر کے بارے میں خبر چھپی کہ ان کے "والدین نے بطیبِ خاطر رخصت کیا، ہمشیرہ و بھائی نے دعا کی۔"[3] ان تینوں مہاجروں کی رخصت کی منظر کشی یوں کی گئی: "سٹیشن پر رخصت کرنے والوں کی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ ان کے گلوں میں پھولوں کے ہار پہنائے گئے تھے۔ رخصت کرنے والوں میں مولوی ابو الوفا ثناء اللہ، مولوی معراج الدین ایم۔ اے اور مولوی محمد الدین (منشی فاضل) کا نام نامی

[1] "زمیندار" ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء، صہ ۲/۳
[2] "زمیندار" ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء، صہ ۴
[3] "پیسہ اخبار" ۹ جولائی ۱۹۲۰ء، صہ ۹

قابلِ ذکر ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب گاڑی روانہ ہوئی۔ اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے اور جب تک گاڑی سٹیشن سے رخصت نہیں ہوئی متواتر نعرۂ توحید کی صدا گونجتی رہی۔" [1]

لال کرتی بازار سیالکوٹ سے دو مرد، دو بچے اور ایک خاتون مہاجر پشاور کو روانہ ہوگئے جن کو سٹیشن پر کئی ہندو مسلمان معززین نے ہار پہنائے [2]

۲۲ جولائی کو بھوپال سے مہاجرین کا قافلہ روانہ ہوا تو ہندو مسلمان کثیر تعداد میں ان کو سٹیشن پر رخصت کرنے آئے۔ گو مہاجرین کے پاس خرچ کافی تھا، لیکن اس پر بھی لوگوں نے علاوہ پھولوں کی بارش کے، ان کو روپے نذر کئے یہاں تک کہ مسلمان مہاجرین کی جیبیں اور رومال بھر گئے تو ان کو روپے باندھنے کے لیے دوسروں سے رومال عاریتاً لینے پڑے۔ مالی امداد اس وقت تک بند نہ ہوئی جب تک کہ خود مہاجرین نے اس کے سیلاب کو نہیں روکا [3]

منگی ضلع پشاور سے اسی مہاجرین کا ایک قافلہ شبقدر کے راستے عازم کابل ہوا تو تقریباً پانچ سو اشخاص گاؤں سے ۲ میل باہر تک انھیں چھوڑنے آئے [4] اس سے پہلے ۲۰ جولائی کو ڈیڑھ سو مہاجرین کا ایک قافلہ عازم کابل ہوا تو "عبداللہ خاں نے بہت سا روپیہ نذر گزارا۔ تین سو آدمی الوداع کہنے دو میل تک ساتھ گئے۔" [5]

دھام پور سے دو نوجوان محمد عبدالقیوم خاں و شاکر حسین کابل کو روانہ ہوئے تو "مسلمانانِ دھام پور نے اپنے عزیز برادران کو رخصت کرتے ہوئے حبِ اسلامی اور جوشِ عقیدت کا نہایت گرم جوشی سے اظہار کیا۔" [6]

---

[1] "پیسہ اخبار" ۶ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۸

[2] "پیسہ اخبار" ۵ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

[3] "پیسہ اخبار" ۷ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

[4] "زمیندار" ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۳

[5] "زمیندار" ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۳

[6] "پیسہ اخبار" ۴ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۳

مہاجرین سندھ کی لاہور میں پذیرائی کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ سپیشل ٹرین کے دوسرے سٹیشنوں پر پہنچنے پر بھی لوگوں نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ مہاجرین سندھ کی یہ ٹرین گوجرانوالہ سٹیشن پر پہنچی تو مسلمانوں نے انھیں سلامی دی۔ خلافت کمیٹی نے روپوں کی تھیلی سالارِ قافلہ کو پیش کی۔ مولانا تاج محمود امروٹی نے ہجرت پر ایک مدلل وعظ کیا۔ لوگ زار زار رو رہے تھے۔ پانچ آدمیوں نے گوجرانوالہ سے مہاجرین سندھ کا ساتھ دیا [1]

یہ ٹرین جب گجرات پہنچی تو اللہ اکبر کے نعروں سے زمین و آسمان گونج اُٹھے۔ شربت سے مہاجرین کی تواضع کی گئی، کئی ٹوکرے مٹھائی مہاجرین کی نذر کئے گئے اور ۵ سو روپے کی ایک تھیلی پیش کی گئی...... گجرات نے یہ تیاری دو روز میں کی تھی اور اس کی کامیابی کا سہرا سیٹھ چراغ دین کے سر بندھتا ہے۔ سٹیشن پر سیٹھ صاحب کے علاوہ شیخ عطاء اللہ وکیل (اور) کئی دیگر اصحاب موجود تھے۔" [2]

یہ ٹرین جب خانپور (ریاست بہاولپور) پہنچی تھی تو...... "پلیٹ فارم پر ہر طرف سے رونے ہی کی آواز آتی تھی۔" ایسے میں ایک شخص نے جان محمد جونیجو سے استدعا کی کہ انھیں بھی ساتھ لے چلیں۔ انھوں نے کہا کہ ٹرین میں جگہ نہیں، مگر وہ سخت بے تاب تھا اور رو رہا تھا۔ آخر کار مولانا امروٹی کے کہنے پر اسے بھی ساتھ لے لیا گیا [3]

یہ قافلہ بہاولپور پہنچا تو مسلمانانِ بہاولپور نے سات سو روپے کی تھیلی پیش کی اور تمام اہلِ قافلہ کو کھانا کھلایا۔ گاڑی وہاں بیس منٹ ٹھہری رہی۔" [4]

یہ قافلہ جب لاڑکانہ سے چلا تو "لاڑکانہ گزٹ" کی رپورٹ کے مطابق "ہر ایک مسلمان کا چہرہ روشن تھا، لیکن ہندوؤں کے چہرے اپنے مسلمان بھائیوں کی جدائی سے مرجھائے ہوئے تھے، دکانیں بند تھیں۔ سندھ کے کونے کونے سے لوگوں کا ہجوم لاڑکانہ میں جمع ہو

---

[1] "پیسہ اخبار" ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ اوّل

[2] ایضاً

[3] "زمیندار" ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۵

[4] "زمیندار" ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۵

گیا تھا۔[1] ڈاکٹر عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں: "سندھ، پنجاب اور سرحد کے مختلف اسٹیشنوں پر مسلمانوں نے مہاجروں کا پرجوش استقبال کیا۔ ہر اسٹیشن پر مہاجروں کو کھانا کھلایا اور تحائف پیش کئے گئے اور لوگ گلے مل کر رو دئے"۔ ڈاکٹر سندھی نے ایک مہاجر اللہ نو بخش کے خط کے حوالے سے لکھا کہ پشاور اسٹیشن پر ایک لاکھ آدمیوں کا ہجوم تھا۔[2]

لاڑکانہ کے ایک شاعر شیر محمد شیر بھی مہاجروں کے اس قافلے میں افغانستان گئے تھے۔ انھوں نے لکھا: "لاہور اسٹیشن پر جب ہم پہنچے تو مسلمانوں نے ہمارا شاندار استقبال کیا اور کھانا کھلایا۔ اس طرح ہر جگہ ہماری پذیرائی ہوئی"۔[3] خود نواب جان محمد جونیجو نے کہا: "پنجاب کے تمام ریلوے اسٹیشنوں پر شاہانہ طریق سے اس اسپیشل ٹرین کا خیر مقدم کیا گیا، چنانچہ ہر ایک مہاجر اس کی تصدیق کرے گا۔ لوگوں نے مٹھائی کے ٹوکرے پیش کئے ..... آم ڈھیلیوں کی طرح شمار کئے گئے اور مٹھائی کے فالتو ٹوکرے پشاور کے لوگوں میں تقسیم کئے گئے"۔[4]

"قافلہ مہاجرین لاہور بسرکردگی مولانا مولوی احمد علی صاحب پریذیڈنٹ خلافت کمیٹی لاہور مسافر ٹرین میں (۲۵ جولائی کو) ۸ بج کر ۴۰ منٹ پر کیمبلپور (اب اٹک) پہنچا ..... ملک محمد امین خان رئیس شمس آباد کی طرف سے وسیع پیمانہ پر دعوت کا انتظام تھا ..... خلافت کمیٹی کو افسوس ہے کہ گاڑی کم ٹھہری اور وہ کھانا نہ دے سکے"۔[5]

تحصیل صوابی سے ڈیڑھ ہزار اشخاص کا قافلہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ روانہ ہو گیا جس کی مختلف مواضعات میں خوب خاطر مدارات کی گئی"۔[6] مہاجرین تحصیل مانسہرہ ضلع

---

[1] مجلہ برگ گل، ہجرت نمبر ۱۴۰۱ ہجری (مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی)

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] "پیسہ اخبار" ۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۳

[5] "زمیندار" ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء ص ۶

[6] "پیسہ اخبار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء ص ۵

ہزارہ کا قافلہ ہری پور ریلوے سٹیشن سے گزرا تو خلافت کمیٹی کے اراکین اور دیگر مسلمانوں نے ان کا استقبال کیا اور دس روپے کی مصری اور تیس روپیہ نقد سالار قافلہ کو نذر کی"۔[1] بھوپال سے ۱۳ مہاجرین کا دوسرا قافلہ چلا تو "ریلوے سٹیشن پر ان کو ہندو مسلمانوں نے پرجوش طریقے سے رخصت کیا۔ دہلی میں مہاجرین کمیٹی نے ان کو ۵۰ روپیہ اور کئی ٹوکریاں میوہ جات کی دیں"۔[2]

پشاور اور اس کے نواح کے علاقوں ہی سے زیادہ لوگوں نے ہجرت کی اور ان علاقوں سے گزرنے والے عازمین ہجرت کی بہت خدمت بھی کی گئی۔ مدیر "اہلحدیث" امرتسر نے لکھا: "پشاور میں دو سو سے آٹھ سو تک مہاجرین روزانہ آتے ہیں۔ اہل پشاور نے کمال ایثار کا ثبوت دیا ہے"۔[3]

عزیز ہندی کہتے ہیں کہ پشاور میں ہجرت کمیٹی بنانے میں سید آغا افضل خان (پشاور خلافت کمیٹی والنٹیئر کور کمانڈر) نے سب سے زیادہ کام کیا۔ ٹھیکیدار حاجی جان محمد کمیٹی کے صدر قرار پائے۔ حاجی علی اکبر خان سیکرٹری چنے گئے۔ حاجی جان محمد خان نے اپنی ایک سرائے مہاجرین کے لیے وقف کر دی اور ۳۰ ہزار روپے بھی ہجرت کمیٹی کو دیئے۔[4]

قافلہ ششم کے ایک مہاجر چنگیز نے پشاور سے ایک خط لکھا، جس میں پشاور والوں کی کارکردگی کو خراج تحسین پیش کیا: "مسلمانان پشاور کے انتظام دیکھیے کہ دو والنٹیئر ہلال لگائے ہوئے وہاں (سٹیشن پر) موجود تھے۔ انھوں نے فوراً مجھے ڈھونڈ نکالا، نہایت حسن اخلاق سے پیش آئے، مجھے اپنے ہمراہ لے کر دفتر میں پہنچے جو ملک منڈی میں واقع ہے ..... حاجی جان محمد صاحب مہاجرین کے سرپرست ہیں ..... ماہ رمضان ہے، لوگ زیادہ تعداد میں آ رہے ہیں، چنانچہ ابھی تک کھانے کا انتظام جناب حاجی صاحب

---

[1] "پیسہ اخبار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء ص ۳

[2] "پیسہ اخبار" ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶

[3] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۶ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶

[4] رئیس احمد جعفری ندوی ایڈیٹر۔ اوراق گم گشتہ ص ۴۹۲

موصوف اپنی جیب خاص ہی سے کرتے ہیں، وہ مکان بھی جہاں مہاجرین آرام کر رہے ہیں، حاجی صاحب ہی کا دیا ہوا ہے۔ غرض مہاجرین کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔"[1] پچھلے قافلے ہی کے ایک اور مہاجر محمد یحییٰ خاں نے بھی اپنے ایک دوست کو سفر کی ہدایات کے متعلق ایک خط میں پشاور میں مہاجرین کی خاطر مدارات کی تعریف کی۔[2] ایک اور مہاجر آغا ریاض بازار حکیماں لاہور نے اپنے برادر خورد کے نام خط میں انصار پشاور کی مہاجر نوازی کی تحسین کی۔[3]

جب مہاجرین لاہور کی گاڑی پشاور سٹیشن پر پہنچی تو مسلمانان پشاور نے اہل قافلہ سے درخواست کی کہ سب لوگ اپنا سامان جوں کا توں چھوڑ کر باہر نکل آئیں۔ پشاور کے مسلمان انھیں تانگوں پر بٹھا کر جلوس کی صورت میں مجوزہ قیام گاہ تک لے گئے۔ اور قافلے کی خوراک اور رہائش کا کام ہر لحاظ سے قابل ستائش تھا۔[4] یہ قافلہ پشاور سے روانہ ہوا تو "سالار قافلہ" کے آگے باجے پر ترانۂ ہجرت پشتو میں گایا جاتا رہا۔ قافلہ چھاؤنی سے گزرا تو خانساموں اور بیروں نے شربت سے تواضع کی۔[5]

مولانا ثناء اللہ امرتسری افغانستان میں مہاجرین کی حالت زار بیان کرتے ہوئے پشاور کا ذکر خیر ان الفاظ میں کرتے ہیں: "ہجرت کا مضمون لکھتے لکھتے بے اختیار دل میں آیا کہ افغانستان نے انصار مدینہ کی ریسیں جو کیں، وہ تو مہاجرین کی زبانی معلوم ہوئی ہیں لیکن اہالی پشاور نے جو خدمت مہاجرین کی کی ہے، اس میں شک نہیں، کہ ثابت کر دیا کہ انصار مدینہ کے سچے جانشین ہیں تو اہل پشاور ہیں۔ دعا ہے، خدا ان کے مال و اولاد میں برکت دے اور ہمیشہ توفیق خیر بخشے۔"[6]

---

[1] "زمیندار" ۱۶ جون ۱۹۲۰ء صہ ۵
[2] "زمیندار" ۲۷ جون ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل
[3] "زمیندار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۱، ۲
[4] عبدالمجید خاں "مرد مومن" فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ س ن۔ صہ ۸۵
[5] "پیسہ اخبار" ۵ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶
[6] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۷ ستمبر ۱۹۲۰ء صہ ۱۱

"پیسہ اخبار" کے بقول اس نے افغانستان سے واپس آنے والے ایک "ثقہ اور معتبر مسلمان مہاجر" کا بیان شائع کیا۔ اس میں تھا: "اہل پشاور کی جانفروشی حد بیان سے باہر ہے۔۔۔۔ اسی طرح پورا اور مکمل ایک ایک چیز کا انتظام اہل جہانگیرہ ضلع پشاور نے کر رکھا تھا۔۔۔۔ اہل تورڈھیر کا بھی یہی طریق تھا۔ اہل کونڈہ کا بھی یہی شیوہ تھا۔ الغرض پشاور کے اطراف میں ہر تین چار کوس کے فاصلہ پر عمدہ انتظام کے ساتھ ایک مہمان خانہ مقرر تھا۔ اسی طرح آفریدیوں نے جمرود سے لے کر لنڈی کوتل تک کا انتظام کیا ہوا تھا۔ آفریدی غریبوں نے اپنے اموال سچے دل سے قربان کر دیے۔ یہی حال مہمندوں کا تھا۔"[1]

مہمندوں کے ایثار کا حال ملاحظہ ہو۔ ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء کو مختلف فرقوں کے مہمند خوانین نے قلعہ شبقدر ضلع پشاور میں ایک جلسہ کیا اور ذیل کے ریزولیوشن پاس کیے گئے:

(۱) شبقدر کرڑاپا کے راستے سے جو مہاجرین کابل کو جائیں، ان کے واسطے چونکہ راستہ میں گرمی ہے اور پانی نہیں مل سکتا، پانی کا انتظام کیا جائے۔ اس ریزولیوشن کے پاس ہونے کے ساتھ ہی اس کار خیر کے لیے آٹھ ملازم پندرہ پندرہ روپیہ ماہوار پر قوم کی طرف سے مقرر کیے گئے۔

(۲) دو آدمی بطور رہبر مہاجرین کے ساتھ جایا کریں تاکہ ان کو راستہ میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔"[2]

"مردان میں خدام مہاجرین کی ایک کمیٹی قائم کرنے کی تجویز ہے جو ان کے استقبال و خورد و نوش کا انتظام کرے۔"[3]

اللہ بخش یوسفی نے افغانستان میں مہاجرین کی پریشانیوں کی ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ ہر مہاجر کو یقین تھا کہ جس طرح ان کی آؤ بھگت پشاور میں ہو رہی ہے، اسی طرح افغانستان میں ہو گی۔[4] سرحد کے کردار کو ایک فقرے میں انھوں نے یوں بیان کیا ہے: "مذہبی

---

[1] "پیسہ اخبار" ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحۂ اوّل
[2] "زمیندار" ۳۱ جولائی ۱۹۲۰ء صہ ۵
[3] "پیسہ اخبار" ۵ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶
[4] اللہ بخش یوسفی۔ سرحد اور جدوجہد آزادی صہ ۲۱۹

جذبات کی رو میں مسلمان بہنا شروع ہوئے تو باشندگانِ سرحد نے "مہاجر و انصار" دونوں فرائض ادا کیے۔"

پشاور اور پشاور سے لے کر سرحدِ افغانستان تک مہاجرین کی خوب خاطر مدارات کی جاتی رہی۔ ۱۲ اگست کے "پیسہ اخبار" کی ایک خبر ملاحظہ ہو: "بروز ہفتہ گیارہ ہزار مہاجرین جمرود پہنچے۔ راستہ میں ان کی دعوت کے لیے آفریدیوں نے گائیں اور بھیڑیں ذبح کیں۔ دیہاتیوں نے سڑک پر شربت سے خاطر مدارات کی۔" [1]

افغانستان سے واپس آنے والے چند مہاجرین نے اخبارات کے نمائندوں کو افغانستان میں رہائش اور مشقت کے بارے میں دلسوز حکایات سنائیں، لیکن کہا: "لنڈی کوتل عبور کرنے تک تو اچھی طرح آؤ بھگت کی جاتی ہے۔" [2] مہاجرین کا قافلہ چارم عباس خاں ولد شہباز خاں رئیس اتمان زئی (پشاور) کی سرکردگی میں پشاور سے روانہ ہوا، تو "ذرۂ خیبر کے قدم قدم پر نہایت جوش و خروش کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ مہاجرین کو آفریدیوں کی طرف سے جا بجا شربت اور کھانا پیش کیا گیا۔" [3]

مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں: "خبر ملی ہے کہ جو قافلہ جاتا ہے، جلال آباد تک (جو افغانستان کا سرحدی بڑا شہر ہے) راستے کی دیہاتی آبادی خاطر تواضع سے پیش آتی ہے۔" [4]

تحصیل صوابی ضلع پشاور کا تیسرا قافلہ ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں روانہ ہوا تو زیدہ، کھوشرہ، اخبار، لاہور، جنگی ڈھیر، ترڈھیر اور جہانگیر وغیرہ دیہات کے باشندوں نے نہایت جوش و اخلاص کے ساتھ استقبال کیا اور خاطر مدارات میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی۔ [5] "انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار نے اطلاع دی کہ "محاصل کو اخیل اور محمد اکبر خاں سردارانِ لالپورہ مہمند کے علاقہ سے مہاجرین کے گزر جانے میں بہت عمدہ امداد کر رہے ہیں۔ .... لال پورہ کے خان جو غازیوں کی وضع میں ہیں، اس پر آمادہ ہوئے ہیں کہ ان لوگوں (مہاجرین)

[1] "پیسہ اخبار" ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

[2] "پیسہ اخبار" ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

[3] "زمیندار" ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۴

[4] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء [5] "زمیندار" ۷ اگست ۱۹۲۰ء

کی ڈگر اور اس کے درمیان میں مہمانی کریں۔" [1]

ایک مہاجر فیض محمد نے اپنے بھائی کے نام ایک خط میں لکھا کہ "جب ہمارا قافلہ لنڈی کوتل پہنچا تو آفریدی قبیلہ نے ہماری دعوت کی ..... ہم جس گاؤں میں پہنچتے ہیں، وہاں کے لوگ شربت وغیرہ سے ہماری تواضع کرتے ہیں۔ کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں۔" [2]

پشاور کے علاوہ صوبہ سرحد کے دیگر مقامات پر سے سرحد عبور کرنے والوں کی تواضع میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی تھی۔ بنوں اور وزیرستان کی تاریخ (پشتو) میں لکھا ہے کہ ہندوستان سے کچھ قافلے بنوں کے راستے نوڈیرو اور داؤد شاہ کے راستے افغانستان جا رہے ہیں۔ بنوں ہجرت کمیٹی کے صدر حاجی عبدالرحمان خاں داؤد شاہ میں مہاجرین کے کیمپ کے انچارج تھے۔ وہاں حاجی صاحب نے زمین خریدی اور مہاجرین کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا۔ وہاں عازمینِ ہجرت کی تین چار دن تک خلوص کے ساتھ خدمت کی جاتی اور بعد ازاں افغانستان سرحد تک پہنچا دیا جاتا۔ [3]

حاجی فیض محمد تحریکِ ہجرت کے متعلق اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں: "ہم دیرسے پیدل روانہ ہو کر براول پہنچے۔ وہاں ہماری خوب خاطر تواضع ہوئی۔ آخر میں میزبانوں نے ایک آدمی ہمارے ساتھ کر دیا تاکہ وہ ہمیں منزل پہنچائے۔ جب ہم آصف کورکے ہاں پہنچے تو میں نے شاہ جہان خاں کا خط ان کے حوالے کیا۔ انھوں نے بھی ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔" [4]

[1] "پیسہ اخبار" ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۴

[2] "پیسہ اخبار" ۸ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

[3] گل ایوب خان سیفی "بنوں او وزیرستان تاریخ" نذیر سپیڈیکل سٹور، انجمن شہر ۱۹۶۹ء صفحہ ۲۳۵

[4] دربار علی شاہ، سید (مؤلف) ہجرتِ افغانستان، صہ ۲۳

افغانستان کی طرف سے مہاجرین کا خیر مقدم

جن دنوں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا فتوائے ہجرت سامنے آیا، انہی دنوں افغانستان کے امیر امان اللہ خاں کی ایک تقریر کا یہ حصہ سامنے آیا کہ "افغانستان بہمہ وسعتِ خود آمادہ است کہ مہاجرین ہندی را پناہ دہد۔" (افغانستان سارے کا سارا ملک ہندوستانی مہاجروں کو پناہ دینے پر تیار ہے[1]) جانباز مرزا لکھتے ہیں: "فتوے کا شائع ہونا تھا کہ والی افغانستان غازی امان اللہ خاں نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ افغانستان ہندوستانی مہاجروں کو اپنے ہاں پناہ دینے کے لیے تیار ہے[2]" ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں: "اپنی ایک تقریر میں جو انہوں نے (امیر امان اللہ خاں نے) کابل میں اپنے والد کی برسی کے موقع پر ۲۰، ۲۱ فروری ۱۹۲۰ء کو کی تھی، ہندوستانیوں کو افغانستان آنے کی عام اجازت دیدی[3]۔"

اس پر ایم غلام محمد عزیز (عزیز ہندی) نے سردار محمود طرزی رئیس مشن افاغنہ (منصوری) کو تار ذیل بھیجا: "ہز مجسٹی امیر افغانستان نے ہندوستانی مسلمانوں کی نسبت جو بطور مہاجرین ہجرت کا ارادہ رکھتے ہیں، جس مہمان نوازی پر آمادگی ظاہر فرمائی ہے، اس کی ہم تشکر و امتنان کے ساتھ پورے طور پر قدر کرتے ہیں۔ براہ عنایت ہمارا یہ عاجزانہ پیغام امیر افغانستان تک پہنچا دیجیے[4]۔"

[1] ظفر حسن ایبک، آپ بیتی حصہ اول، منصور بک ہاؤس لاہور، س ن، صفحہ ۲۱۔ [2] جانباز مرزا، حیات امیر شریعت صفحہ ۹۴
[3] تحریکات ملی، صفحہ ۲۰۶۔ [4] پیسہ اخبار، ۲۹ راپریل ۱۹۲۰ء، صفحہ ۹

پراونشل خلافت کمیٹی اودھ کا اجلاس یکم، ۲ مئی کو فیض آباد میں ہوا جس کی صدارت مشیر حسین قدوائی نے کی۔ اجلاس میں یہ تجویز منظور ہوئی: "یہ کانفرنس ہز مجسٹی سراج الملت والدین امیر امان اللہ خاں امیر افغانستان کی بارگاہ میں مسلمانان ہند کی طرف سے دلی طمانیت و شکر گزاری کا اظہار کرتی ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امیر حبیب اللہ خاں مرحوم و مغفور کی برسی کے موقع پر جو تقریر فرمائی، اس میں مسئلہ خلافت اور اماکن مقدسہ کے بارے میں مسلمانان عالم کی پوری ہم آہنگی فرمائی اور مسلمانان ہند کو بصورت ہجرت پوری اسلامی محبت و اخوت کے ساتھ افغانستان میں پناہ دینے کا وعدہ فرمایا[1]۔"

"پیسہ اخبار" نے "اگل اخبار" کے حوالے سے لکھا: "اس جذبہ جدید کی گنجائشوں اور وسعتوں کو امیر افغانستان خلد اللہ ملکہ نے یہ کہہ کر اور بھی بڑھا دیا کہ میرا ملک اپنی وسعت کے ساتھ ہندوستانی مہاجرین کے خیر مقدم کے لیے تیار ہے[2]۔" پروفیسر رشبرک ولیمس کہتے ہیں: "شروع شروع بظاہر افغانستان کی نظر عنایت آمیز معلوم ہوئی[3]۔" افغانستان سے واپس آنے والے ایک عالم مہاجر نے اپنے ایک خط میں لکھا: "بے شک پہلے امیر صاحب کی طرف سے ایما ہوا تھا کہ ہندوستان کے مہاجرین ان کے ملک میں آ کر پناہ حاصل کر سکتے ہیں[4]۔"

انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحد کی طرف سے ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ کو اس انجمن کے قیام کا اعلان جاری ہوا۔ آغاز میں لکھا گیا: "ہجرت کی بابت اعلیٰحضرت ہمایوں والا غیاث الدنیا والدین امیر المعظم غازی امان اللہ خاں خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کا پیغام مبارک اخبارات کے ذریعے سے پڑھتے ہی صوبہ سرحد کے جوشیلے باشندوں نے آپس کے مشورے کے بعد ایک انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحد کی بنیاد قائم کر کے مقام مردان کو صدر مقام تجویز کیا[5]۔" اعلان میں مزید کہا گیا: "ہمارے ایجنٹ متعینہ درہ خیبر کو باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اگر ایک طرف مہاجرین کی استعانت کے لیے

[1] پیسہ اخبار، ۱۴ مئی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۴۔ [2] پیسہ اخبار ۲۳ مئی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۵
[3] رشبرک ولیمس، پروفیسر، مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء (ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی) صفحہ ۲۰
[4] پیسہ اخبار، ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲
[5] زمیندار، ۷ مئی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱

افغانستان میں "سلطان صلاح الدین ثانی" موجود ہے تو دوسری طرف ہندوستان کے دروازے کے قریب ہی ایک ایسی ہستی بھی ہے جو شب و روز دنیائے اسلام کے فلاح و بہبود اور حضرت خالدؓ کے کارنامہ کو زندہ کرنے کے واسطے تیار اور کمر باندھے ہوئے ہے۔ وہ بہادر جرنیل ہز ایکسی لینسی جرنیل محمد نادر خاں صاحب سپہ سالار افواج افغانیہ ہیں جو ہر طرح سے مہاجرین کی دستگیری فرمائیں گے۔[1]

زمیندار نے اپنے "اینگلو انڈین ہمعصر سول اینڈ ملٹری گزٹ کی ایک "دُرفشانی" پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "ہندی مہاجرین کی خاطر و مدارات، آرام و آسائش اور خاص حقوق کے متعلق اعلیٰ حضرت امیر افغانستان کے خاص احکام صادر ہو چکے ہیں...... یہ احکام اس قدر صاف اور صریح ہیں کہ ان کے متعلق دیدہ و دانستہ بدظنی اور بدگمانی پھیلانے سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔"[2]

امیر امان اللہ خاں نے مہاجرین ہند کے لیے جو "نظام نامہ" جاری کیا وہ "ستارہ مشرق" جلال آباد کے حوالے سے زمیندار میں (مع ترجمہ) چھپا۔[3] "پیسہ اخبار" نے بھی "ترجمہ نظام نامہ مہاجرین ہندی" شائع کیا۔

(۱) جو شخص افغانستان میں آنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ پشاور میں یا سرحد پر افغانستان کا پروانہ راہداری حاصل کرے۔ جونہی وہ افغانستان کی سرزمین میں داخل ہوگا، اس کے حقوق افغانستان کی رعیت کی مانند سمجھے جائیں گے اور اس وقت سے وہ شرع شریف کا پابند اور افغانستان کے قوانین کا تابع و محکوم قرار دیا جائے گا۔

(۲) جو شخص افغانستان کی سرزمین میں داخل ہوں گے اور دولت افغانستان کی اطاعت قبول کریں گے، ان میں سے مجرد کو ۲۰ کنال اور عیالدار کو ۳۶ کنال مزروعہ دی جائے گی۔ نابالغ بچوں اور بے شوہر لڑکیوں کو زمین نہیں دی جائے گی۔

(۳) جب تک ان کی فصل تیار نہ ہو جائے، ہر بالغ کو پانچ سیر کابلی ماہوار اور ہر نابالغ کو چھ سال

[1] زمیندار، ر مئی ۱۹۲۰ء، ص ۳ [2] زمیندار، ۲ رجون ۱۹۲۰ء، ص ۲

[3] زمیندار، ۲ رجون ۱۹۲۰ء، ص ۲

کی عمر سے کم سن بلوغ تک تین سیر کابلی (آٹا) حق مہمانی کے طور پر دیا جائے گا۔ لیکن جب ان کی فصل تیار ہو کر کٹ جائے گی، یہ نقد و جنس تقاوی تین سال کی مدت گزر جانے کے بعد آئندہ تین سال میں بالاقساط وصول کیا جائے گا۔

(۵) مہاجرین ہندی کو جو زمین دی جائے گی، اس کا مالیہ تین سال تک معاف رہے گا۔ چوتھے سال سے نظام نامہ مالیہ کے قواعد کے مطابق زر مالیہ وصول کیا جائے گا۔

(۶) مہاجرین ہند افغانستان کے مصالح ملکی کے بغیر سیاسی کاموں میں حصہ نہ لے سکیں گے۔

(۷) جو اشخاص تعلیم یافتہ ہوں گے یا کوئی ہنر جانتے ہوں گے اور سلطنت افغانستان ان کی خدمات ملازمت کو ضروری سمجھے گی، انہیں ان کے حسب منشا ملازمت پر فائز کیا جائے گا اور بقدر لیاقت تنخواہ وغیرہ دی جائے گی۔ باقی اشخاص جو نوکری، کھیتی، دست کاری کرنا چاہیں انہیں اختیار ہے۔

(۸) پہلے پہل جب مہاجرین ہندی سرزمین افغانستان میں داخل ہوں گے، ان کے قیام گاہ اور ان کے امور ضروری کا دفتر ایک ماہ سے دو ماہ تک جبل المعراج (جبل السراج) رہے گا۔ اس کے بعد سلطنت کی مصلحت کے مطابق جہاں لازم ہوگا، انہیں زمینیں بھی دی جائیں گی۔ ان کے گزارے کے مطابق مکانات سرکاری عمارات میں دیے جائیں گے۔ اور اگر قلعہ نہ ہوگا تو اور عمارت بنا دی جائے گی۔"[1]

"اہل حدیث" نے افغانستان کی طرف سے مہاجرین کی پذیرائی کا ذکر یوں کیا: "جو لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان میں جائیں گے، انہیں حکومت افغانستان کی طرف سے بصورت مجرد ۶ جریب زمین ملے گی، اور بصورت عیالدار ۸ جریب۔ کاشت کے لیے غلہ آلات کشاورزی کی خرید کے لیے پانچ روپے فی جریب بطور تقاوی دیے جائیں گے۔ جب تک فصل تیار ہو، گزارہ کے لیے ۲۷ سیر آٹا فی کس جوان ۱۲ سیر ۶ سال کی عمر سے تا بلوغت ملے گا۔ مالگزاری تین سال تک

[1] پیسہ اخبار، ۳ رجون ۱۹۲۰ء، ص ۶۔

معاف ہوگی۔ زرِ نقادی تین سال کے بعد بالاقساط ادا کرنا ہوگا۔ اگر کوئی شخص زمینداری ترک کرنا چاہے اور اپنے طور پر کوئی کام کرنا چاہے تو جو کام وہ کرنا چاہے، کرنے کی اجازت ہوگی[1]۔"

"نظام نامۂ مہاجرینِ ہندی" میں سیر کابلی اور جریب کے الفاظ آئے تھے، ان کی وضاحت "زمیندار" نے یوں کی۔ "نظام نامۂ مہاجرینِ ہندی میں جریب اور سیر کابلی دو ایسے الفاظ آئے ہیں جنھیں شاید عامۃ الناس نہ سمجھ سکیں۔ اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ ایک جریب ساڑھے چار کنال کے قریب ہوتی ہے۔ اور ایک سیر کابلی ہندوستان کے ساڑھے سات سیر کے برابر ہوتا ہے[2]۔"

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا: "...... اعلیٰحضرت امیر امان اللہ خاں غازی والیٔ سلطنت افغانستان خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ نے اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو انصار کا رتبہ دے کر مہاجرین کو اپنے ہاں بلایا ہے[3]۔" "اتحادِ مشرقی" جلال آباد کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی۔ "حضرت ظلِ سبحانی امیر امان اللہ خاں غازی خلد اللہ ملکہٗ کا عطیۂ خسروانہ۔ اعلیٰحضرت شہریارِ دولتِ خداداد افغانستان نے بکمال مرحمتِ خسروانہ اپنی جیبِ خاص سے ۲۰ ہزار روپیہ ہندوستانی مہاجرین کے آرام و آسائش کے لیے عطا فرمایا ہے۔ بیت المال سے جو کچھ مہاجرین پر خرچ ہو رہا ہے، وہ اس کے علاوہ ہے[4]۔"

"اتحادِ مشرقی" کے حوالے سے ملکی اخبارات میں ایک اور خبر شائع ہوئی۔ "باشندگانِ جلال آباد نے (کل) ۱۵ر رمضان المبارک کو ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ہر طبقہ کے نمائندے شریک ہوئے۔ مرزا محمد شاہ خاں صاحب سررشتہ دار پوست خانہائے سمت مشرقی نے مسلمانانِ ہند کی مصیبت ناک حالت پر نہایت دردانگیز تقریر کی اور بالاتفاق یہ قرارداد منظور ہوئی کہ جو مہاجرین جلال آباد میں وارد ہوں، ان کی خاطر مدارات بحدِ امکان باشندگانِ جلال آباد کی طرف سے کی جائے تاکہ

۱۔ ہفتہ وار اہلِ حدیث امرتسر۔ ۱۱ر جون ۱۹۲۰ء۔ صہ ۱۴ ۲۔ زمیندار۔ ۲ر جون ۱۹۲۰ء صہ ۳

۳۔ اہلِ حدیث امرتسر۔ ۱۸ر جون ۱۹۲۰ء، صہ ۹ ۴۔ زمیندار ۲۲ر جون ۱۹۲۰ء صہ ۳ / پیسہ اخبار ۲۳ر جون ۱۹۲۰ء، صہ ۶

مہاجرین کو معلوم ہو کہ صرف حکومتِ افغانیہ ہی مہاجرین کی خاطرداری نہیں کرتی، بلکہ اہلِ افغانستان بھی اخوتِ اسلامی کی زندہ تصویر ہیں۔ کابل میں بھی مہاجرین کے استقبال اور خاطر مدارات کا بہت جوش و خروش پھیل رہا ہے۔ معززینِ شہر نے فیصلہ کیا ہے کہ روزانہ تین رات جب تک مہاجرین کابل میں رہیں، باری باری انھیں اپنے گھروں میں لے جا کر نہایت اعزاز و احترام سے ان کی ضیافت کریں گے۔ ۲۰ر رمضان المبارک کو باشندگانِ کامہ کا ایک جلسہ منعقد ہوا اور مہاجرینِ ہند کے لیے زرِ اعانت جمع کیا گیا۔ عورتوں، مردوں اور بچوں تک نے نہایت شوق سے چندہ دیا۔ باشندگانِ ننگرہار نے تحصیلِ چندہ میں بے حد سرگرمی کا ثبوت دیا[1]۔"

وسط جولائی ۱۹۲۰ء میں "امیر کابل کا فرمان" کے عنوان سے چھپا: "اے بہادر اقوام افغان!... ہمارے ہندوستانی بھائیوں کو قبل ازیں یہ حوصلہ نہ پڑتا تھا کہ وہ آیۂ شریفہ والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ پر عمل کر کے ہجرت کے حکم کی متابعت کرتے۔ جب دولتِ افغانستان نے ابنائے وطن کی مردانگی اور شہید غازیوں کی جاں نثاری سے آزادی حاصل کر لی تو برادران کو ہر کام میں اپنا یار و مددگار سمجھا۔ اور ان اقوام نے افغانستان کی طرف رُخ کیا، جو ہمیشہ اسلام کے غم میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان عزیز مہمانوں، ان باایمان مسلمانوں، ان دین کے فدائیوں، ان وطن سے آوارہ بھائیوں سے ہمدردی اور رعایت کرنا اور ان کی مہمانی کے تمام لوازم کو پورا کرنا افغانستان کے ہر فرد و بشر کا فرض ہے۔ افغانوں کو چاہیے کہ وہ مہاجرین کے یار و غمگسار بنیں۔ دولتِ عالیہ افغانستان کی طرف سے ان عزیز مہمانوں کی خدمت کا سامان مہیا کر دیا گیا ہے اور ان مہاجرین کے لیے جو صرف کلمۂ پاک کی بقا کے لیے ہجرت کر کے آئے ہیں، تمام ضروری سامان موجود ہے۔ دولتِ افغانستان اپنے ان بھائیوں کو نہایت خوشی سے خوش آمدید کہتی ہے۔ افغانوں کی دیندار و بہادر اقوام پر جو فرض ادا ہوتا ہے، اس کو ادا کرو اور تاریخِ اسلام کے ان روشن ایام کو یاد کرو کہ جب ہر خطۂ عالم سے جو کفار کے قبضہ میں تھا مسلمان ہجرت کر کے دارالاسلام میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حضور میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان کی اصل اور جد کی خاطر مدارات

۱۔ زمیندار۔ ۷ر جولائی۔ صہ ۳ / پیسہ اخبار۔ ۸ر جولائی ۱۹۲۰ء۔ صفحۂ اوّل

ہو کر حق۔ تمہارا فرض ہے کہ جو کچھ ہمارے پیشوا کیا کرتے تھے، وہی کرو تاکہ خدائے جل شانہٗ اور رسول
مقبولؐ کے دربار میں روز قیامت مقبول ٹھہرو۔ فی الحال لازم ہے کہ جب مہاجرین کا کوئی قافلہ
کسی گاؤں کے پاس پہنچے تو اس کے تمام آدمی ان کے استقبال کے لیے نکلیں اور مصافحہ و معانقہ کی
رسم ادا کریں۔ ایک رات ان کو مہمان رکھیں اور مہمانی ان ہدایات کے موجب ہو جو حیات کے
خانوں اور بزرگوں کے نام قبل ازیں جاری ہو چکی ہیں۔ دوسرے دن ان کو رخصت کریں اور ان کے ہمراہ
جائیں۔ حتیٰ کہ اگلے گاؤں کے لوگ ان کے استقبال کو پہنچیں اور یہی حالت جاری رہے حتیٰ کہ مہاجرین
کابل اور جبل السراج میں داخل ہوں۔ اے غیور مسلمانو، ان مہاجرین کے پیارے انصار بنو۔ ان
مظلوموں کے حامی بنو تاکہ انصار کے لیے جو جزائے آخرت مقرر ہے، خدائے رحیم و رسول کریمؐ
کے نزدیک قیامت کے دن اس کے مستحق ٹھہرو۔“[1]

”اہلحدیث“ نے اتحاد مشرقی کے حوالے سے افسر انتظام مہاجرین کو امیر صاحب کا ۱۵۔ اسد ۱۲۹۹
کا فرمان بالفاظہٖ درج کر دیا اور اپنی طرف سے لکھا۔ ”مختصر مطلب اس کا یہ ہے کہ ہندیوں نے بحکم
فانفروا جمیعا، ہجرت اختیار کی ہے تو ہم افغانوں کو لازم ہے کہ ان کی خاطر کریں چنانچہ بحکم جاھدوا
باموالکم وانفسکم میں بذات خود اپنی مخصوص اراضی میں سے پندرہ ہزار جریب مہاجرین کی خدمت
کے لیے دیتا ہوں۔[2]“

اسی شمارے میں اہلحدیث نے ہجرت کے التوا کی خبر بھی چھاپی ہے۔ ”زمیندار“ اور ”پیسہ اخبار“
نے امیر افغانستان کی ۱۵ ہزار جریب زمین کی قیمت بھی بتائی ہے، ۵۰ لاکھ روپیہ اور لکھا ہے کہ اسی میں
کو مہاجرین آپس میں تقسیم کر لیں گے۔[3]

اس قسم کی خبریں پڑھ کر مسلمانانِ ہند میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا رہا، عازمین ہجرت میں اضافہ ہوتا رہا

۱۔ پیسہ اخبار۔ ۱۵ جولائی ۱۹۲۰ء۔ ص ۱
۲۔ ہفت روزہ اہل حدیث۔ امرتسر۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء۔ ص ۱۔
۳۔ زمیندار۔ ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۳ ۔ پیسہ اخبار ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۵

اور مبلغین خود ہجرت نہیں کرنا چاہتے تھے، محض ہجرت کی تبلیغ و تحریک کا فریضہ ادا کرنے میں
مصروف تھے، ــــ وہ زور شور سے یہ کام کرتے رہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا: ”مسئلہ
ہجرت اسلام میں ایک مشروع بلکہ مسنون بلکہ بعض صورتوں میں فرض واجب تک پہنچتا ہے۔ زمانہ
کا انقلاب ہے۔ کل ایک بات کا خواب و خیال نہیں ہوتا، آج اس کا عام چرچا ہو جاتا ہے۔
جناب امیر صاحب کابل کے دل میں خدا جانے کیا بات آئی کہ انہوں نے اپنے ملک کا دروازہ ہندوستانیوں
کے لیے کھول دیا اور انصار مدینہ کا درجہ پایا۔ اخبار اتحاد مشرقی جلال آباد (کابل) لکھتا ہے کہ اعلیٰ
حضرت امیر صاحب نے بعد نماز عید الفطر تقریر فرمائی۔ جس میں عالم اسلام کی حالت زار کا نقشہ دکھا
کر اور ان افغان کو غیرت اسلام دلا کر متوجہ کیا کہ آج تمہارا فرض کیا ہے۔ ہندوستانی مہاجرین کے حال
پر نظر عنایت کرتے ہوئے فرمایا ان لوگوں کی ویسی خاطر کرو جو انصار مدینہ نے مہاجرین کرام کی کی تھی
تاکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سرخرو ہو جاؤ۔“[1]

امیر کابل کی تقریر کے بعد مولانا ثناء اللہ نے مزید لکھا: ”خبر ملی ہے کہ جو قافلہ جاتا ہے، جلال آباد
تک (جو افغانستان کا سرحدی بڑا آباد شہر ہے) راستے کی دیہاتی آبادی خاطر تواضع سے پیش آتی
ہے۔ جلال آباد پہنچ کر جبل السراج مقام پر جو سابق امیر حبیب اللہ خاں کے رہنے کا مقام ہے،
مہاجرین کو اتارا جاتا ہے جو بہت بڑا پُرفضا مقام ہے۔ جس میں قریباً لاکھ آدمی رہ سکتے ہیں۔
قافلہ جب جاتا ہے تو امیر صاحب خود کابل سے تشریف لا کر مہاجرین کو زیارت کراتے ہیں اور ایک
وقت کا کھانا بھی ان کے ساتھ مل کر تناول فرماتے ہیں اور مناسب الفاظ میں خیر مقدم اور ہدایات
فرماتے ہیں۔[2]“ پیسہ اخبار میں خبر چھپی کہ امیر افغانستان ہر روز دو مرتبہ جبل السراج پر جو ہندوستانی
مہاجرین کی قیام گاہ ہے، تشریف لے جاتے ہیں۔[3]

۱۔ اہل حدیث امرتسر ۲۰ جولائی ۔ ص ۱
۲۔ ایضاً
۳۔ پیسہ اخبار ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۵

۱۰ اگست کو مہاجرینِ ہند کے آخری قافلے نے زبردستی سرحد پار کی۔ امیر افغانستان نے مہاجرین کی آمد کو روک دیا تھا۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے اخبارات میں مندرجہ ذیل اعلان شائع ہوا۔

اعلان واجب الاذعان

مہاجرین ہندی پر مراحم خسروانہ کی بارش

اعلیٰحضرت امیر غازی کا فرمان

انجمن مہاجرین نے (جو مہاجرین ہندی کے انتظام و انصرام کے لیے مقرر ہوئی ہے۔) اعلیٰحضرت شہریار افغانستان کی خدمت بابرکت میں ایک عریضہ پیش کیا تھا اور پھر اس پر چند فقرات بڑھائے تھے ان پر اعلیٰحضرت نے منظوری کے احکام صادر فرمائے اور ان مہاجرین کے لیے جو اب تک کابل پہنچ چکے ہیں، ازراہ مراحم خسروانہ بہت سے خاص انتظامات بھی کیے ہیں۔ اس عریضے، فقرات اور فرمان حضور والا کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

عریضہ | چونکہ بار بار ان مہاجرین ہندی اس دستور العمل اور حلیہ نامے پر جو ان کے داخلۂ افغانستان کے متعلق صادر کیا گیا تھا، غور نہ کر کے مختلف راستوں سے وارد افغانستان ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ موجودہ مہاجرین جن کی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے، موسم سرما سے پہلے ان ٹھکانوں پر پہنچ جائیں تاکہ انہیں آسائش و آرام میسر ہو۔ اس بنا پر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جب تک افغانستان میں پہنچے ہوئے مہاجرین کا انتظام مکمل نہ ہو جائے، اس وقت تک افغانستان میں مزید مہاجرین کا داخلہ تا احکام ثانی بند کر دیا جائے۔ کیونکہ جتنے مہاجرین آ چکے ہیں، ان کا انتظام بوجوہ احسن نہایت ضروری ہے۔ جب یہ انتظام مکمل ہو جائے گا تو اس کے بعد اطلاع دی جائے گی کہ مہاجرین اس قدر تعداد میں اور آ جائیں۔ اگر کوئی شخص خلاف قاعدہ نظام نامہ آئے گا تو اسے افغانستان میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔

اس کے بعد چند مزید فقرے قانون سابق میں بڑھا دیے گئے۔

فقرہ اول | مہاجرین کو چاہیے کہ پشاور میں فقیر محمد خان ملازم دولت افغانیہ سے حلیہ نامہ حاصل کریں۔

فقرہ دوم | ہجرت کمیٹی پشاور جناب فقیر محمد خان صاحب کے توسط سے سر افسر جلال آباد کو اطلاع دے کہ اس قدر اشخاص افغانستان میں آنے کی خواہش رکھتے ہیں چنانچہ افسر جلال آباد ان کے لیے انتظام و اہتمام کر کے اطلاع دیں گے کہ اس قدر آدمی فلاں راستے سے اپنے قافلوں میں روانہ کر دو۔

فقرہ سوم | فقرہ اول میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جو مہاجرین ہندی افغانستان میں آئیں گے، ان کا مرکز جبل السراج ہو گا۔ جبل السراج کے اطراف کی ساری زمین مہاجرین سے پُر ہو چکی ہے اور اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اس کے بعد جتنے مہاجرین پہنچے ہیں یا آئندہ بموجب قواعد پہنچیں گے، انہیں افغانستان کی حدود ترکستان کی طرف زمین دی جائے گی۔

فقرہ چہارم | جن اشخاص کو ان کی رضامندی سے خدمت فوجی (رپا) متعین کیا جائے گا، انہیں جس جگہ اور جس مقام پر حکومت افغان مناسب سمجھے گی، بھیج دے گی۔ اور وہ حکومت افغانیہ کے قوانین کے ماتحت ہوں گے۔ چنانچہ جو آدمی اس سے پہلے چلے جا چکے ہیں، وہ بھی انہیں قوانین کے پابند ہیں۔

فقرہ پنجم | جو مہاجرین ہندی افغانستان میں داخل ہوں گے، وہ سب افغانستان کی رعایا سمجھے جائیں گے۔ لہٰذا اگر افغانستان سے باہر جانے کا ارادہ کریں گے تو دولت افغانستان کی اجازت اور پروانۂ راہداری کے بغیر نہ جا سکیں گے۔

مندرجہ بالا پانچ فقرے انجمن مہاجرین کی طرف سے حضور لامع النور امیر افغانستان کی خدمت میں ارسال کیے گئے۔

(دستخط انجمن مہاجرین)

ڈاکٹر عبدالغنی معتمد۔ محمد اقبال شیدائی بی اے۔ مسٹر جان محمد جونیجو بیرسٹر ایٹ لا سندھ۔ عبدالکریم۔ حکیم محمد اسلم مہاجر۔ محمد زکریا۔ عبدالغفار اتمان زئی۔ شیر محمد خان غوری۔ محمد اکبر مہاجر یوسف زئی۔ شیخ عبدالرحیم قصوری۔ شیخ عبدالحق ملتانی۔ محمد صلاح عباسی سندھی۔

سید قاسم رضا ارباب پشاوری - پیر عثمان شاہ کوہاٹی - محمد افضل سینئر کیمبرج متعلم - فقیر غلام محمد
خادم المہاجرین - عبداللہ سابق ناظم نظارۃ المعارف دہلی - فقیر عبدالرحیم بشیر وکیل مہاجرین - پرادرو
ایم اے پی ایچ ڈی سابق ایڈیٹر بھارت فلاسفر بنارس - پروفیسر امریکہ مولوی شمس القمر - حاجی
مولوی احمد علی عفی عنہ سابق صدر خلافت کمیٹی لاہور۔

احکام حضور والا | انجمن مہاجرین کا اعلان اور پانچ فقرے ملاحظہ سے گزرے فقرات مندرجہ بالا کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔

دستخط مبارک اعلیٰ حضرت

انجمن مہاجرین کے مجوزہ فقرے جو حضور والا کی منظوری کے بعد مرتب ہوئے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دارالسلطنت کابل میں مہاجرین سے تین کندک نظامی ان کی رضامندی سے لیے جائیں گے۔ اور ان کے لیے تنخواہ حسب قوانین اضافی دی جائے گی۔

۲۔ مہاجرین کے نوجوان صاحبزادے جنگی مدرسے میں داخل کیے جا سکیں گے اور فارغ التحصیل ہو کر بقدر ضرورت مہاجرین ہند کے لشکر میں مقرر کیے جائیں گے۔ مرتبوں میں کوئی امتیاز نہیں ہوگا۔ مہاجرین ہندی ہندو ہوں یا مسلمان، البشرط خدمت افغانوں کے ساتھ برابر اور مساوات کا حق رکھتے ہوں (ہیں)

۳۔ معلم، ڈاکٹر یا کاریگر اپنے اپنے صیغہ کی نظارت کی صلاح و مشورہ سے بطور ملازمت رکھے جائیں گے۔ اور ان کو افغانوں کے برابر تنخواہیں دی جائیں گی۔

۴۔ اغراض اسلامی اور ہندوستان کے مفاد کے لیے اناطولیہ جانے کی غرض سے مہاجرین میں سے ایک جماعت مقرر کی جائے گی۔ تاکہ پہلے وہاں جا کر راستے کے حالات اور خدمت کے طریقوں کے متعلق معلومات بہم پہنچائے۔ اس کے بعد حکومت افغانیہ کی منظوری سے مہاجرین کو اجازت دی جائے گی کہ وہاں جا کر خدمت اسلام بجا لائیں۔

۵۔ مہاجرین کو قطغن (جہاں مہاجرین کو زمین دی جائے گی) پہنچانے کا انتظام اور ان کی

تعداد کا تعین انجمن مہاجرین کے ذمے ہوگا اور جو اشخاص مفلس نادار ہوں گے یا کسی معقول عذر کی بنا پر پیدل نہ جا سکیں گے ان کے متعلق انجمن سفارش کرے گی۔ اور سرکار بھی اس قسم کے مہاجرین کے لیے ۳۰ ہزار روپیہ کا عطیہ منظور فرماتے ہیں۔

۶۔ حکومت افغانستان مہاجرین کی نوآبادی کے اخراجات کے لیے لکڑی لوہا اور کپڑا عطا کرے گی اور اس مقام کے حاکم اعلیٰ کے نام سامان مذکور مہیا کرنے کے احکام صادر کیے جائیں گے۔

۷۔ مہاجرین کی فصلیں تیار ہو جانے تک انہیں سرکار کی طرف سے نظام نامہ کے مطابق رسد دی جائے گی۔ لیکن تقسیم رسد اس وقت ہوگی جبکہ مہاجرین سرزمین نوآبادی میں پہنچ جائیں گے۔

۸۔ مہاجرین ہندی کو حق حاصل ہوگا کہ اپنی انجمن کے ذریعے سے احکام افغانی کے انتظام و نگرانی کے ماتحت رہ کر اپنے اپنے پیشے مثلاً تجارت و صنعت و حرفت و تعلیم کو اختیار کریں۔

۹۔ نوآبادی میں بھی مہاجرین کو افغان افسروں اور معلمین کے ماتحت تعلیم فوجی دی جائے گی۔ مگر فوجی تعلیم حاصل کرنے والے مہاجرین کو تنخواہ نہیں ملے گی بلکہ وہ رضاکار ہوں گے۔

۱۰۔ چونکہ مشرقی و جنوبی اطراف میں سرکاری زمین نہیں ہے اس لیے مہاجرین کی آبادی قطغن (قطغین) میں قائم کی جائے گی کہ یہ زمین نہایت عمدہ اور اس کی آب و ہوا اچھی ہے۔

۱۱۔ مہاجرین کی دو انجمنیں منظور کی گئی ہیں۔ ایک تو نوآبادی میں ہوگی اور ایک دارالسلطنت کابل میں۔ تاکہ اس انجمن کے ذریعے مہاجرین اپنی معروضات حضور والا پادشاہ اسلام کے سمع مبارک تک پہنچا سکیں۔

۱۲۔ صدر انجمن دارالسلطنت جناب ایشک اقاسی صاحب وزیر خارجیہ سابقہ اور ان کے مددگار عالی جاہ غلام صدیق خاں مستشار سابقہ سفیر افغانیہ و عالی جاہ امین اللہ خاں

نگران مہاجرین مقرر کیے گئے ہیں۔

دستخط مبارک اعلیٰ حضرت ہمایونی دامت سلطنتہٗ

مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کی طرف سے سفیر کابل شملہ کو خط لکھا گیا کہ ہندوستان کے مہاجرین کے لیے ہم آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ سفیر موصوف نے جواب دیا ہے کہ افغانستان سے امیر صاحب کا حکم نامہ پہنچا ہے کہ ہجرت کے متعلق ممانعت کا حکم کوئی نہیں تھا۔ صرف التوا بغرض انتظام تھا، سو ہو گیا۔ اس لیے مہاجرین کو افغانستان جانے کی اجازت ہے[1]۔

عزیز ہندی اپنے گیارہ ساتھیوں کے ساتھ امیر امان اللہ خاں کے بجائے پغمان پہنچے جو عہد امانیہ میں حکومت کا گرمائی مستقر تھا۔ وہ کہتے ہیں: ہم ابھی آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ تورخم کی سرحد سے فون آیا۔ امان اللہ خاں نے ٹیلی فون رکھتے ہوئے مجھے مبارک باد دی کہ سرحد دار نے مجھے بتایا ہے کہ کل بارہ بجے سے تورخم کا سرحدی ڈنڈا نیچے نہیں ہوا بلکہ اوپر ہی کو اٹھا ہوا ہے۔ مہاجرین کا ایک دریائے ذخار ہے کہ درہ خیبر سے افغانستان میں امڈا چلا آ رہا ہے۔ سرحدار نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اس قافلے کا ایک سرا ابھی تک جمرود میں ہے اور دوسرا سرا جلال آباد پہنچ چکا ہے۔ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ مبارک باد تو ہم سب کے لیے جب ہے کہ یہ مہاجرین افغانستان میں سما جائیں۔ اس نے میری بات کو سمجھ کر ایک شاہانہ انداز اور لاپرواہی کے ساتھ جواب دیا کہ جس قدر مہاجرین بھی آئیں، خواہ ان کی تعداد لاکھوں ہی کیوں نہ ہو، ہم ان کو اس سرزمین میں نہایت آسانی کے ساتھ آباد کر سکیں گے۔ میں نے اس پر کہا کہ اس کے لیے ایک اچھے خاصے انتظام کی ضرورت ہے جس پر انھوں نے فرمایا کہ میں عنقریب اس کا خاطر خواہ انتظام کر دوں گا[3]۔

---

[1] پیسہ اخبار ۲۷ راگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۵ (اس خبر کا ایک حصہ ۱۹ راگست ۱۹۲۰ء کے پیسہ اخبار (صفحہ ۳ کالم ۴) میں بعنوان "امیر افغانستان کا فرمان در بارۂ ہجرت" چھپا)۔ [2] ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۵ راکتوبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۱ — [3] اوراق گم گشتہ صفحہ ۸۱۹

"تحریک ہجرت کی تاریخ" میں عزیز ہندی مزید بتاتے ہیں کہ سردار محمود خاں طرزی جو منصوری میں افغانستان کے مشن استقلال کی سربراہی کر رہے تھے، چند دنوں کے لیے اپنے وفد کے ساتھ واپس کابل آ گئے۔ انھوں نے آتے ہی مہاجرین کو ایک دعوت دی۔ اس میں تمام قابل ذکر مہاجرین نے شرکت کی۔ میں نے اس دعوت کی ابتدا میں ایک نہایت زبردست تنقیدی تقریر کی اور کہا کہ افغانستان کو اپنا وہ قول نبھانا چاہیے کہ "ہمارے پاس ایک مٹھی روٹی ہے جس میں سے آدھی ہم کھائیں گے اور آدھی اپنے مہاجر بھائیوں کو دیں گے"[1]۔

شروع شروع میں عازمین ہجرت کے قافلوں کے افغانستان پہنچنے کی جو خبریں ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوئیں، ان میں بھی بتایا جاتا تھا کہ وہاں مہاجرین کی بہت پذیرائی ہو رہی ہے[2] اور یہ خبریں اتحاد مشرقی کے حوالے سے چھپتی تھیں۔ مہاجرین کے پہلے دو قافلے وہاں پہنچے تو خبر آئی کہ وہ جلال آباد کے مہمان خانہ مہاجرین میں دو روز رہ کر بعافیت کابل کو روانہ ہو گئے ہیں[3]۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور پانچویں قافلے کے پہنچنے کی خبر آئی[4]۔ ساتویں قافلے کی مہمان نوازی کی خبریں "زمیندار" میں دو دن چھپتی رہیں[5]۔ نویں قافلے کے جلال آباد میں زمانہ قیام میں مہاجرین کی تواضع کے سلسلے میں خاص طور پر عالیجاہ میرزا دلاور خاں منشی حضرت جلالت مآب سردار اعلیٰ صاحب غازی ناظر حربیہ کا نام سامنے آیا[6]۔ قافلہ دہم کی جلال آباد میں تین روز کی مہمانداری مرزا محمد شاہ خاں، ملا احمد اللہ خاں اور ملا محمد رفیق خاں نے کی[7]۔ مہاجرین کے بارھویں قافلے کا خیر مقدم شاہی رسالے نے جو اس وقت جلال آباد میں مقیم تھا، بڑی دھوم دھام سے کیا اور مختلف دعوتیں دے کر اظہار اتحاد کا ثبوت دیا[8]۔

---

[1] اوراق گم گشتہ۔ صفحہ ۸۲۰ء [2] زمیندار ۲ رجون ۱۹۲۰ء
[3] پیسہ اخبار ۱۰ رجون ۱۹۲۰ء [4] زمیندار ۱۷ رجون ۱۹۲۰ء صفحہ ۳ / زمیندار ۱۸ رجون ۱۹۲۰ء صفحہ ۵ [5] زمیندار ۳ رجون ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
[6] پیسہ اخبار ۸ رجولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ / زمیندار ۸ رجولائی صفحہ ۲ [7] پیسہ اخبار ۲۳ رجولائی صفحہ ۶

جلال آباد میں مہاجرین کی پذیرائی کی خبریں عام تھیں۔ عبدالرحیم قصوری اور ان کے ساتھی ۲۲ شوال کو کابل پہنچے۔ انھوں نے اپنے ایک خط میں لکھا: "جلال آباد میں محمد نادر خاں سپہ سالار سے ملے۔ وہ تعلیم یافتہ لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔۔۔ اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں کی طرف سے مہاجرین کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔"[1]

مولانا شوکت علی نے سندھ خلافت کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں ۲۴ جولائی ۱۹۲۰ء کو لوگوں کو بتایا: "آپ یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ کس عزت اور احترام کے ساتھ سرحد قبائل نے ہمارے محترم بھائی جان محمد جونیجو اور اس کے مصاحب کا خیر مقدم کیا۔ جان محمد کا خیر مقدم کابل میں ایک خواب کا سا تھا اور ۲۵ ہزار آفریدی خیر مقدم کرنے کے لیے جمع ہوئے۔"[2]

شیخ جان محمد جونیجو بابا پیٹ لا کے ایک ساتھی مہاجر شیر محمد شیرل نے اپنے منظوم سفر نامۂ ہجرت میں لکھا کہ "امیر صاحب (والیٔ افغانستان) نے مولانا عبیداللہ سندھی (جو ریشمی رومال کی تحریک کے زمانے سے کابل میں رہ رہے تھے) کو بلوا کر ہم سے ملوایا۔ ہماری عزت افزائی کی، دعوت کھلائی اور رہنے کا انتظام کیا۔"[3]

جان محمد جونیجو، حکیم احمد اخترشاہ اور میر رحمت اللہ ہالیوں الف مہاجرین ہند کی صورت میں افغانستان سے ہندوستان آئے تاکہ مہاجرین کے لیے چندہ اکٹھا کریں۔ سیٹھ چھوٹانی کی صدارت میں مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کا ۲۹ اکتوبر کو اجلاس ہوا۔ اس میں میر رحمت اللہ ہالیوں نے ایک مضمون پڑھا جس میں امیر امان خاں کے بارے میں بتایا کہ انھوں نے "ایک کثیر رقم جیب خاص سے مہاجرین کے لیے مناسب خوراک اور مکانات کا انتظام کرنے کو عطا فرمائی"[4]۔ خان عبدالغفار خاں اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں: "امان اللہ خاں ان لوگوں کو زمینیں دیتا تھا، لڑکیاں دیتا تھا اور تنخواہ

---

[1] زمیندار، ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء، ص ۶۔ [2] پیسہ اخبار ۳۱ جولائی ۱۹۲۰ء

[3] مجلہ برگ گل۔ جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ (مضمون "سندھ میں خلافت تحریک")

[4] زمیندار ۹ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۳

میں حصہ بھی دیتا تھا۔"[1] اسی جلسے میں مولانا شوکت علی نے بھی امیر افغانستان کے مہاجرین کے ساتھ رویے کی تعریف کی۔[2]

نواب جان محمد جونیجو نے اپنی ایک تقریر میں کہا: "جہاں کہیں امیر کابل کے احکام پہنچ چکے تھے اچھا انتظام کیا گیا تھا۔ امیر صاحب افغانستان نے حکم دے رکھا تھا کہ ان مقامات پر مہاجرین کو مفت خوراک دی جائے۔"[3]

اخبار "انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار کی اطلاع کے مطابق "مہاجرین کے تین قافلوں کی آمد پر جلال آباد میں اظہار مسرت کیا گیا اور ان سے شیریں وعدے کیے گئے۔۔۔"[4]

"پیسہ اخبار" میں "کابل سے واپس آئے ہوئے مہاجرین کی داستان" کے عنوان سے بتایا گیا کہ "مہاجرین کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ کابل پہنچنے پر ان کو تین دن سرکاری خرچ پر خوراک دی گئی۔ اس کے بعد۔۔۔"[5] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نامہ نگار نے ایک کلرک مہاجر کے حالات بتائے کہ جبل السراج کے راستے میں آفریدیوں نے مختلف مقامات پر مہاجرین کی شربت وغیرہ سے تواضع کی۔ اس کلرک نے یہ بھی بتایا کہ امیر صاحب نے مہاجرین کے لیے ۳۰ ہزار روپیہ دیا تھا جس میں سے سب کو چھٹے روز ایک سیر آٹا مفت ملتا تھا۔[6]

محمد صالح (ایک سابق سب انسپکٹر) مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین میں افغانستان گئے تھے، انھوں نے بتایا: "تیسرے دن ہم جلال آباد پہنچے جہاں جنرل نادر خاں نے امیر کے حکم سے میرا اور جان محمد جونیجو کا عزت سے استقبال کیا۔"[7]

۱۱ اگست کو التوائے ہجرت نے عملی صورت اختیار کر لی۔ ۱۰ اگست کو مولانا شوکت علی نے

---

[1] عبدالغفار خاں، آپ بیتی۔ ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ۔ دہلی ص ۴۷

[2] زمیندار ۱۴ نومبر ص ۱ [3] پیسہ اخبار ۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۳

[4] پیسہ اخبار ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء ص ۶ [5] پیسہ اخبار ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء

[6] پیسہ اخبار ۴ ستمبر ص ۱ [7] پیسہ اخبار ۱۲ ستمبر ص ۶

مرکزی خلافت کمیٹی کی طرف سے سفیر افغانستان کی خدمت میں ایک مراسلہ بھیجا جس میں بتایا گیا کہ مرکزی خلافت کمیٹی (دہلی) نے اپنے ۱۵ راگست کے جلسے میں فیصلہ کیا کہ ہندوستان میں تحریک ہجرت کو اپنی نگرانی میں لے لے۔ اس پر پنجاب خلافت کمیٹی کے سیکرٹری مولانا ظفر علی خاں نے بھی سفیر افغانستان اور اخبارات کو ایک خط بھیجا۔ جس میں دوسری باتوں کے علاوہ لکھا "اس میں کچھ شک نہیں کہ افغانستان ایک اسلامی ملک ہے اور اس حیثیت سے مسلمانوں کو پناہ سے محروم نہیں کرسکتا اور یہ وہ حق ہے جو اعلیٰ حضرت شہریار افغانستان (خدا انہیں دیر گاہ سلامت رکھے) نے اپنے متعدد اعلانات میں عطا کیا ہے۔"[1]

یوں یہ بات واضح ہو گئی کہ والیٔ افغانستان نے ہند کے عازمین ہجرت کو اپنے ملک میں پناہ دینے کا اعلان کیا، انہیں زمین اور مکانات فراہم کرنے کا وعدہ کیا، افغانوں کو انصار مدینہ کی تقلید کرنے کا حکم دیا۔ اس صورت حال کو مبلغین ہجرت نے ہندوستان میں بہت اچھالا۔ اخبارات نے ایسی خبریں شائع کیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ افغانستان میں مہاجروں کی بہت آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ ہجرت کرنے والوں نے پشاور یا جلال آباد سے خط لکھے کہ ان کی بہت خاطر تواضع کی جا رہی ہے۔ پھر ہجرت رک گئی۔ مہاجر لٹے پٹے واپس آنا شروع ہو گئے تو بھی ہجرت کے مبلغین اپنی تبلیغ میں مصروف رہے۔ خلافت کمیٹی نے ہجرت کو اپنے ہاتھ میں لینے کا اعلان کیا اور سفیر افغانستان سے خط و کتابت کرنا چاہی۔ افغانستان اور مہاجرین ہندی کی طرف سے بھی یہی خبریں چھپیں کہ ہجرت جاری رہے گی، وقتی طور پر انتظامات کے لیے ملتوی کی گئی ہے۔

۱؎ زمیندار۔ ۲۰ راگست صفحہ ۲۔

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ

یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے کہ عازمین ہجرت کا آخری قافلہ ۱۲ راگست کو افغانستان میں داخل ہوا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے کوئی تین ہفتے قبل ہی موسم گرما کی صعوبتوں کی بنا پر تارکین وطن کو روکنے کی سعی کی گئی تھی۔ "اتحاد مشرقی" جلال آباد کی ۴ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۱ رجولائی ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں یہ اطلاع شائع کی گئی "آنے والے مہاجرین! آپ ضروری طور پر نقل و حرکت بند کر دیں اور باقیماندہ موسم گرما کے لیے جس سے ہماری مراد ماہ اسد اور ماہ سنبلہ ہے اور جو اگست و ستمبر کے مطابق ہے، ارادۂ ہجرت ترک کر دیں۔ آپ کو گرمی کے ان ایام میں اپنی جان مصیبت میں نہیں ڈالنی چاہیے۔

المشتہر: امین اللہ خاں منتظم مہاجرین ہند"[1]

یہ تلقین تو تمام عازمین ہجرت کو ان کی اپنی بہتری کے لیے کی گئی تھی۔ اس سے بھی پہلے "اتحاد مشرقی" نے ہندوستان کے علما اور مصلحین کو ہدایت کی تھی کہ وہ محض دینی خدمت کے لیے ہجرت کرنے والوں کو آنے دیں۔ ان دینداروں کے پیروؤں اور محض دیکھا دیکھی ہجرت کرنے والوں کو اس اقدام سے روکیں کیونکہ وہ ذرہ برابر تکلیف سے چیخنے لگ جاتے ہیں۔[2]

۱؎ پیسہ اخبار۔ ۱۲ راگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۶
۲؎ اہل حدیث امرتسر۔ ۲۳ رجولائی ۱۹۲۰ء (۶ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ) صفحہ ۱۴

پیسہ اخبار نے یہ خبر "پانیر" کے حوالے سے صفحۂ اول پر شائع کی: "معلوم ہوا ہے کہ جلال آباد میں ایک اعلان شائع کیا گیا ہے۔ اس میں ہجرت کمیٹی کو ہدایت کی گئی ہے کہ غیر ضروری اور غیر مطلوب مہاجرین کو افغانستان آنے سے روکا جائے۔ اعلان میں کہا گیا ہے کہ ابھی تک آنے والے مہاجرین میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو خالص مذہبی جذبہ کے لیے گئے ہیں۔ دوسرے وہ جو قسم اول میں شمار ہونے کا اظہار کرتے ہیں لیکن اپنے اس فعل پر رنجیدہ ہیں اور وطن آنے کے خواہشمند ہیں۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو صرف شرارت کے خیال سے یہاں آئے تھے۔ ہندوستان اور مذہب کے نام کو بدنام کرتے ہیں۔[1]" پیسہ اخبار نے اپنی اشاعت میں "مہاجرین ہند اور اعلانِ دولت افغانستان" کے زیر عنوان اداری شذرے میں اس اعلان کے حوالے سے یہ لکھتے ہوئے کہ یہ اعلان خلافت کمیٹی پر زور ڈالنے کے لیے شائع کیا گیا ہے کہ وہ ناخواستہ قسم کے لوگوں کے افغانستان میں داخلے کو روکے، ــــ لکھا ہے:

"ابتدا ہی سے آثار نظر آرہے تھے کہ غیر منظم تحریک ہجرت سے بدمزگی اور مشکلات رونما ہوں گی۔[2]"

اس طرح یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ افغانستان نے جولائی کے وسط ہی سے مہاجرین کی آمد کو کسی نہ کسی طرح روکنے کی بات شروع کر دی تھی۔ پھر ۹ اگست (۲۳ ذی قعدہ) کو امیر امان اللہ خاں کی منظوری سے ایک اعلان شائع ہوا جس میں کہا گیا کہ "مہاجرین قریب ۴۰ ہزار سو پہنچ چکے ہیں تا وقتیکہ ان کا خاطر خواہ انتظام نہ ہولے، اور مہاجرین نہ آئیں۔[3]" ڈاکٹر معین الدین عقیل نے بھی لکھا ہے: "۹ اگست ۱۹۲۰ء کو امیر افغانستان نے ایک فرمان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ صرف ان مہاجرین کو افغانستان میں قبول کیا جائے گا جو آچکے ہیں۔ مزید مہاجرین کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔[4] ...... بالآخر اس افغان حکومت نے ۱۲ اگست کو اپنی سرحدیں مہاجرین کے لیے بند کر دیں۔[5]" سرحدیں بند کرنے کے متعلق صحیح صورتحال یہ ہے کہ ۱۲ اگست کو جو قافلہ سرحد پر پہنچا، اس کو بتایا گیا کہ ہجرت روک دی گئی ہے اور سرحد بند کی جا چکی

---

۱ - پیسہ اخبار - پنجم اگست ۱۹۲۰ء ۲ ایضاً - صـ۲
۳ اہل حدیث امرتسر - ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء (۲ - ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ) صـ۱۲
۴ تحریکات ملی صـ۲۲۱
۵ تحریکات ملی - صـ۲۲۳

ہے لیکن اس قافلے میں شامل لوگ ہنگامہ کرتے رہے، سفیر افغانستان متعینہ پشاور خود گیا مگر انھوں نے اس کی بے عزتی اور اسے پتھر مار کر واپس کر دیا۔[1] آخر سرحدی دار ڈگر نے ٹیلی فون کے ذریعے جرنل نادر خان سے بات چیت کر کے کہا کہ "اچھا جو لوگ اپنا خرچ ادا کر سکتے ہیں، انہیں ہی جانے کی اجازت دے سکتا ہوں۔[2]" چیف کمشنر صوبہ سرحد کے اعلان کے مطابق جب امیر کابل کا فرمان دربارہ "التوائے کل" ہوا، سات ہزار سے زیادہ مہاجرین کا ایک قافلہ ۱۲ اگست کو پشاور سے جمرود کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔[3] اس سے واضح ہوتا ہے کہ افغان حکومت نے اپنی سرحدیں مہاجرین کے لیے ۱۲ اگست کو بند کر دی تھیں اور ۱۲ اگست کو جو آخری قافلہ سرحد پار گیا، وہ ان احکام کی خلاف ورزی کر کے گیا تھا۔ ڈپٹی کمشنر لاہور کے نوٹس میں بھی یہی کہا گیا تھا کہ "ہز مجسٹی امیر کابل نے ہندوستان سے افغانستان جانے والے تمام اشخاص کے داخلے کی ۱۲ اگست سے ممانعت کر دی ہے۔[4]"

ایاز خاں نامی ایک مہاجر اس وقت جلال آباد سے واپس آگیا جب ۲۰ ہزار افراد پر مشتمل ایک قافلہ پشاور سے جمرود کی طرف روانہ ہونے کو تیار تھا۔ ایاز خاں نے ایک مطبوعہ اعلان خلافت کمیٹی کے سپرد کیا اور بتایا کہ وہ جلال آباد کی "مجلس منتظمہ مہاجرین" کی طرف سے بطور قاصد خصوصی آیا ہے۔ اشتہار میں بقول "زمیندار" بادی النظر میں وہ تمام مراسم بالاحتیاط پورے کیے گئے تھے جو اس اعلان کے منجانب افغانستان ہونے کے مؤید تھے۔ البتہ امیر امان اللہ خاں غازی کے دستخط یا مہر مبارک کے بجائے سربرآوردہ مہاجرین مثلاً شیخ جان محمد جونیجو بیرسٹر ایٹ لا، ارباب رضا خاں و عبدالغفار خاں رئیس اتمان زئی وغیرہ قریب بیس ایک کے چھپے ہوئے نام لکھے ہوئے تھے۔ اعلان میں امیر صاحب خلد اللہ ملکہ کی طرف سے بالعموم تہدید آمیز لہجے میں ظاہر کیا گیا تھا کہ مہاجرین کافی تعداد میں پہنچ چکے ہیں۔ اکثر ان میں سے ایسے ہیں جو سرکار افغانستان پر بار ہونے کے سوا کچھ مفید کام نہیں کر سکتے۔ جبل السراج میں جگہ کی بے حد قلت ہے، زمستان سر پر ہے، مکان تیار نہیں، بہت سے مہاجرین ایسے ہیں

---

۱ - پیسہ اخبار - ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء صـ۱ ۲ ایضاً ۳ ایضاً
۴ پیسہ اخبار - ۱۵ اگست ۱۹۲۰ء - صـ۲

جو پروانۂ راہداری نہیں رکھتے جو عالی جاہ عزت ہمراہ فقیر محمد خاں سکنہ پشاور سے مل سکتا ہے۔ لہٰذا بذریعہ فرمان اعلان کیا جاتا ہے کہ مہاجرین اب تاحکم ثانی نہ آئیں۔ اور جو اشخاص بغیر پروانۂ راہداری کے آئیں گے ان کو اسی طرح سرحد سے واپس کر دیا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ[1]۔"

زمیندار نے اس اشتہار کو فریب قرار دیتے ہوئے اس کے اثرات کا ذکر یوں کیا "اس حیرت انگیز فریب کاری اور ابلیسی مکر و ریا کا فوری اثر جمہور پر بہت کچھ پڑا۔ شہر میں ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ امیر امان اللہ غازی کی طرف سے ایک مایوسی کی لہر دلوں میں چھا گئی۔ مسلمانوں کی قوتِ اجتماعی کا شیرازہ ایک لمحہ کے لیے منتشر ہوتا نظر آیا۔ دلوں کے ولولے کم ہو گئے۔ جذبات کی ٹھنڈے پڑ گئے[2]۔"

یہ ایسا وقت تھا کہ ۱۰ راگست کے آخری قافلے کی تفصیلی خبریں بھی چھپ چکی تھیں۔ اس قافلے کو چار دن ہو چکے تھے۔ مہاجر واپس آ رہے تھے لیکن ہجرت کے ایسے مبلغین جن کے نزدیک دوسروں کے لیے ہجرت فرض تھی، خود ان کے لیے نہیں، وہ ہجرت کے تبلیغ کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خاں اپنے اس اداریے کے آخر میں لکھتے ہیں "کیا یہ عظیم الشان الٰہی تحریک ان فریبوں سے رک سکے گی، کیا اللہ پاک کا بلند کیا ہوا شعلہ پھونکوں سے بجھ سکے گا، یہ رکاوٹیں جو راستہ میں حائل کی جا رہی ہیں، لاکھوں مسلمانوں کے شعلۂ عشق کو آسمان سا کر دیں گی۔ ومکروا ومکر اللہ۔ واللہ خیر الماکرین۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون[3]۔"

اس کے مقابلے میں "پیسہ اخبار" نے اپنی ۱۵ راگست ہی کی اشاعت میں "مہاجرین کے لیے نہایت ضروری اطلاع" کے عنوان سے اپنے ادارتی شذرے میں پولیٹیکل ایجنٹ کے نام سردار کی چٹھی اور ڈپٹی کمشنر لاہور کے نوٹس کے حوالے سے لکھا: "جو اصحاب عازم ہجرت ہوں، اس اعلان کو نہایت غور سے پڑھیں اور اس پر عمل پیرا ہو کر تکالیف سے بچیں[4]۔"

---

[1] ۔ زمیندار ۱۸ راگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ اداریہ بعنوان "التوائے ہجرت" [2] زمیندار، ۱۸ راگست ۱۹۲۰ء، [3] ایضاً۔ [4] پیسہ اخبار۔ ۱۵ راگست ۱۹۲۰ء۔ صفحہ ۲

بعد میں ڈپٹی کمشنر لاہور نے خلافت کمیٹی پنجاب کے سیکرٹری مولانا ظفر علی خاں کو ۱۰ راگست کے ایک حکم کے ذریعے کہا کہ وہ سندھ سے آنے مہاجرین کو اطلاع دیں کہ افغانستان کی سرحد بند ہے۔ اس وقت مہاجرین سندھ کا چوتھا قافلہ جو ۳۰۰ افراد پر مشتمل تھا، لاہور آیا ہوا تھا اور یہاں مولانا ظفر علی خاں محمدن ہال میں ان کے اعزاز میں ہونے والے جلسے میں تقریر کر چکے تھے۔ لیکن مولانا ظفر علی خاں نے ڈپٹی کمشنر لاہور کے محولہ بالا حکم نامے یا سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کے ۱۴ راگست کے اطلاع نامے کے باوجود مہاجرین سندھ تک یہ خبر پہنچانا بھی گوارا نہ کی کہ سرحد بند ہے، وہ نہ جائیں[1]۔ حالانکہ زمیندار خود پولیٹیکل ایجنٹ خیبر کے نام سرحد دار کے مراسلے کے حوالے سے خبر چھاپ چکا تھا کہ افغانستان کی سڑکیں کثرت آمد و رفت کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں اور مہاجرین کے لیے انتظام ممکن نہیں ہو سکا۔ مزید مہاجرین کی روانگی سر دست ملتوی کر دی جائے[2]۔

میاں جان محمد سیکرٹری ہجرت کمیٹی پشاور نے امیر کابل کا فرمان وصول ہونے پر اخبارات کو لکھا کہ امیر کا ارشاد ہے کہ تا احکام ثانی مہاجرین کا داخلہ ملتوی کر دیا جائے[3]۔ "اہلحدیث" نے امیر کابل کے فرمان اور صوبہ سرحد کی گورنمنٹ کے حکم نامے کے حوالے سے "مہاجرین کو روکنے کے احکام" کے عنوان سے تفصیلی خبر شائع کی[4]۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار کے حوالے سے "زمیندار" نے شائع کیا۔ ... "افغانستان کی طرف سے یہ تحریک روک دی گئی ہے کیونکہ اقتصادی وجوہ سے امیر صاحب اس امر پر مجبور ہو گئے ہیں کہ مفلس و نادار مہاجرین کی جماعتوں کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیں[5]۔"

امیر افغانستان نے بوجوہ مہاجرین کی اپنے ملک میں آمد کو روک دیا۔ اس سلسلے میں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، پہلے "غیر ضروری اور غیر مطبوع" افراد کو روکنے کی بات کی گئی، پھر موسم گرما

---

[1] ۔ زمیندار ۔ [illegible] راگست ۱۹۲۰ء ۔ صفحہ [illegible] ۔ [2] زمیندار ۔ ۱۵ راگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

[3] ۔ پیسہ اخبار ۔ ۱۸ راگست ۱۹۲۰ء ۔ [4] اہل حدیث امرتسر ۔ ۲۰ راگست (۴ ۔ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ) صفحہ ۱۰

[5] ۔ زمیندار ۔ ۱۸ راگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۳ ۔

سے ڈرایا گیا۔ پھر پہلے مہاجرین کے لیے خاطر خواہ انتظامات ہو جانے تک رک جانے کو کہا گیا، اور ہندوستان کی حکومت اور خلافت کمیٹی کو اور سرحد کے محافظوں کو حکم دیا گیا کہ مہاجروں کو افغانستان میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

افغانستان میں تارکین وطن پر کیا گزری، ملاحظہ فرمائیے: "مہاجرین کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں واپس آرہی ہیں اور لنڈی کوتل کو عبور کرنے کے بعد سخت مصائب کی داستان بیان کرتی ہیں[1]۔ مہاجرین کی جو جماعت اناطولیہ جانے کی خواہاں تھی، اس کو صاف طور پر بتا دیا گیا کہ وہ بغیر امیر صاحب کے سخت احکام اور دیگر قواعد کی پابندی کے، اناطولیہ نہیں جا سکتے[2]۔" بعض مہاجرین نے درخواست کی کہ ان کو شمال کی جانب یا کہیں اور خدمتِ اسلام کے لیے جانے دیا جائے مگر اجازت نہ ملی۔ البتہ وہ کتغن (قطغن)، واقع ترکستان آباد ہونے کے لیے بھیجے جائیں گے۔ وہ جگہ ہندوستانی نو آبادی کہلائے گی اور اس کا انتظام افغانی افسروں کے ہاتھ میں ہوگا[3]۔

"پیسہ اخبار" نے اپنے ایک اداریے بعنوان "مہاجرین اب کہاں جائیں گے؟" میں لکھا: "کہاں تو امیر صاحب کا شوق سے مہاجرین کا خیر مقدم کرنا اور کہاں اب دفعۃً انہیں اپنے ملک میں داخل ہونے سے روک دینا۔ کہاں تو امیر صاحب کا اپنی افغان رعایا کو تاکید کرنا کہ مہاجرین سے برادرانہ سلوک کریں اور جو کچھ ان کے پاس ہو اس سے ان کی تواضع کریں اور کہاں اب ان کے منہ پر افغانستان کا راستہ بند کر دینا، یہ کوئی مزید ڈپلومیٹک حکمت ہے[4]۔"

"اہل حدیث" نے بھی یہی بات کی: "..... خدا کی شان تھوڑے ہی دنوں بعد سننے میں آیا کہ مہاجرین کی واپسی شروع ہو گئی۔ کیوں؟ وہاں انتظام نہیں، کوئی پرسانِ حال نہیں۔

کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو؟

حیرانی تھی کہ ایک والی با اختیار بادشاہ باتباع انصار مدینہ رضی اللہ عنہم دعوت دے اور

۱۔ پیسہ اخبار۔ ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء ۲۔ پیسہ اخبار۔ ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء
۳۔ ایضاً ۴۔ پیسہ اخبار۔ ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء

پھر انتظام نہ ہو۔ ایں چہ بوالعجبی ست[1]:

بادشاہ کی بات آگئی ہے تو یاد رہے کہ مولانا اسلم جیراجپوری نے لوگوں کو ہجرت سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا تھا۔ افغانستان میں شخصی حکومت ہے۔ جس کی بھلائی برائی کا دار و مدار بادشاہ کی شخصیت پر ہوتا ہے وہ اچھا ہے تو آرام ہے، نہیں تو تکلیف۔ اس کی حالت بالکل اموات کی سی ہوتی ہے، کبھی جنت اور کبھی دوزخ۔ اسی لیے یہ ڈر ہے کہ خدانخواستہ وہاں مصیبت پیش آئی تو کہاں جائیں گے۔ بقول شاعر ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے[2]

"اہل حدیث" امرتسر نے افغانستان کے اس سلوک پر لکھا: "ابھی کل کا ذکر ہے کہ افغانستان سے خبر آئی تھی کہ جو لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنا چاہیں، وہ افغانستان میں آجائیں۔ ہم افغان مثل انصار مدینہ رضی اللہ عنہم ان کے خدمت گزار ہوں گے۔ چنانچہ ہزاروں جوشیلے مسلمان ملکوں کی جائدادیں چھوڑ کر وہاں پہنچے، پھر وہاں کیا ہوا؟

کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو
ایک ہو یا ڈیڑھ سو یا پون سو

..... مہاجرین کو نہ ٹھہرنے کی جگہ، نہ سامان اتارنے کا مکان۔ برتن ہاتھ میں لے کر مہاجر کوئی چیز خریدنے کو بازار میں جاتا ہے تو بازاری دکاندار کہتے ہیں (بے فروشی!) ہیچا ہے! آخر کار تنگ آکر مہاجرین میدانِ عیدگاہ میں ڈیرہ لگاتے ہیں۔ نہ ان کو کوئی مشغل دیا جاتا ہے، نہ کام۔

..... اے افغانستان! ہندوستان تجھ کو ایک قابل برادر جانتا تھا اور باوجود بڑا ہونے کے اپنی بے کسی میں تجھ سے امداد کی امید رکھتا تھا۔ مگر تو نے وہی کیا جو برادران یوسف نے کیا تھا۔ اب

۱۔ اہل حدیث امرتسر۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۰ء۔ (۳ محرم ۱۳۳۹ھ) صفحہ ۱۱
۲۔ پیسہ اخبار ۱۲ جون ۱۹۲۰ء / پیسہ اخبار۔ ۱۷ جون / پیسہ اخبار ۱۹ جون ۱۹۲۰ء

تو مہاجرین کے لیے بجز حرف امداد کچھ نقد بھی دے تو تجھے یہی جواب ملے گا۔

گر صد ہزار لعل و گہر اگر مے دہی چہ سود
دل ما شکستہ کہ نہ گوہر شکستہ [1]

جانباز مرزا اس صورت حال کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں: ”جن مہاجرین کی آمد پر افغانستان فرش راہ تھا، آج مہاجروں کے لیے کابل کے بام و در کوچہ و بازار اپنا دامن سکیڑ رہے تھے۔“[2]

سندھ میں خلافت تحریک کے مضمون نگار ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں: ”بعد میں افغان حکومت نے اپنی سرحد میں مہاجرین کا داخلہ بند کر دیا اور مہاجرین کے ساتھ بے رخی اور سنگدلانہ رویہ اختیار کیا۔ اسی وجہ سے سندھ کے مسلم مہاجرین بڑے جانی اور مالی نقصان کے بعد وطن واپس آگئے۔ ان حالات کا ذکر شیر آل (شیر محمد شیر آل، ایک مہاجر سندھی شاعر) نے اپنے اشعار میں اس طرح کیا ہے: ”امیر کے لیے یہ بات شایان شان نہیں تھی کہ انہوں نے مہاجرین کو واپس کر دیا۔ وہ مہاجروں کے کھانے پینے کے انتظام سے ڈر گئے، اور انہوں نے خدا پر توکل نہیں کیا۔ یہ باتیں دل کو جلا رہی ہیں۔“[3]

صلاح الدین ناسک نے لکھا: ”ایک اندازے کے مطابق تقریباً ۱۸ ہزار مسلمان افغانستان کی سرحد پر پہنچ گئے لیکن انہیں وہاں بھی امان نہ مل سکی۔ ان کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی کہ افغانستان کی مسلمان حکومت انہیں خوش آمدید کہے گی۔ افغان حکومت نے انہیں سرحدوں ہی پہ روک لیا۔“[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸ ہزار کی تعداد میں لوگوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ افغانستان جا نہ سکے، انہیں سرحد ہی پر روک لیا گیا — حالانکہ قارئین جانتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں: ”مہاجرین کو بامر مجبوری واپس آنا پڑا اور انہوں نے جو جو

---

[1] اہل حدیث۔ امرتسر۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ صفحہ ۱۱

[2] جانباز مرزا۔ حیات امیر شریعت صفحہ ۵۴ [3] مجلہ برگ گل۔ جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ

[4] صلاح الدین ناسک۔ تحریک آزادی۔ صفحہ ۳۲۲

صعوبتیں برداشت کیں، ان کا شمار کرنا محال ہے۔“[1] کتاب ”مارشل لا سے مارشل لا تک“ میں ہے ”مہاجرین کے ریلے افغانستان کی سرحد پر روک دیے گئے۔ مہاجرین کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔“[2]

ظفر حسن ایبک نے افغانستان میں مہاجرین کی حالت زار کے بارے میں لکھا: ”بے چاری پردہ پوش عورتیں وہاں سخت مشکلات میں مبتلا ہوئیں۔ بعض بد اخلاق کابلیوں نے ان پر دست اندازی بھی کی۔ بعض لوگوں نے تو روٹی اور کھانا خریدنے کے لیے اپنا اثاث البیت بھی فروخت کرنا شروع کیا جس کو کابلیوں نے آدھے دام بھی نہ دیا۔ . . . . یہ سب ایسی مصیبتیں تھیں جن کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے ان کو خود دیکھا اور ان کا سامنا کیا ہو۔“[3]

”بنوں اور وزیرستان تاریخ“ (پشتو) میں ہے کہ جرنل نادر خان کے ذریعے سے امیر امان اللہ خان نے شیخ غلام سرور اور حاجی عبدالرزاق کو بلا کر ان سے بات کی۔ شیخ غلام سرور نے پوچھا کہ آپ نے ہجرت کرنے والوں پر پابندی کیوں لگائی ہے۔ اس نے کہا۔ میں نے تو کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، فقط مہاجرین کا آنا معطل کیا ہے، اس لیے کہ ایک دن میں ۲۵ ہزار مہاجر کابل شہر میں داخل ہوئے۔ اور ان کی رہائش کھانے پینے کا انتظام بہت مشکل ہوا۔ اتنی زیادہ تعداد میں مہاجرین کو سنبھالنا اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ اس لیے سرحد کو بند کر دیا گیا ہے۔ شیخ صاحب نے ان سے کہا کہ میں ان انتظامات اور مہاجرین کی خدمت کے لیے بنوں سے آدمی منگوا لیتا ہوں لیکن اس نے اجازت نہیں دی اور کہا کہ میں اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق یہ بندوبست خود کروں گا۔“[4]

---

[1] جاوید اقبال ڈاکٹر۔ زندہ رود، حیات اقبال کا وسطی دور صفحہ ۲۵۰

[2] لز احمد سعید۔ مارشل لا سے مارشل لا تک۔ صفحہ ۲۹

[3] ظفر حسن ایبک۔ آپ بیتی حصہ اول صفحہ ۲۱۲

[4] گل ایوب خان سیفی۔ بنوں اور وزیرستان تاریخ۔ صفحہ ۲۳۵، ۱۹۹۶ء اس کتاب کے ترجمے میں پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور کے جناب شاہ [illegible] نے مؤلف کی مدد کی۔

ہندوستان کے تارکین وطن کے دل میں اپنے وطن کو آزاد کرانے کا جذبہ موجود تھا۔ اس وجہ سے وہ مار دھاڑ کے لیے تیاری کی بات بھی کرتے ہوں گے۔ کچھ جاسوس بھی مہاجرین کے ساتھ چلے گئے ہوں گے لیکن افغانیوں نے مہاجرین پر عمومی طور پر اعتماد کم کیا۔ "پیسہ اخبار" میں "بم بنانے والے مہاجرین" کے عنوان سے چھپا کہ "امیر کابل نے سربرآوردہ مہاجرین سے کئی ملاقاتیں کیں، جن میں انھوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ مجھے تمہارے معاملہ میں ذرا سی بھی ہمدردی نہیں۔ مجھے ان مہاجرین سے سخت خطرہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم بم بنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہندوستان کی طرح افغانستان میں بھی انقلاب سلطنت پیدا کرنے کے لیے خوفناک ثابت ہوں گے۔ جو لوگ اپنے آقاؤں کے وفادار نہ رہے، میں کیسے یقین کر لوں کہ وہ ایک غیر ملکی کام لینے والے کے وفادار ملازم ثابت ہوں گے۔[1]"

جاسوسی کے الزام میں کچھ مہاجرین کو شروع ہی میں افغانستان سے نکال دیا گیا۔ "عجیب خبر ہے کہ افغانستان کے مہاجرین میں سے ۶ مہاجرین کو حکومت افغانستان سے (رنے) باستثنار (۱) جاسوسی گرم پیسہ سے سرین پر داغ لگا کر واپس کر دیا۔[2]" "اہلحدیث" ان دنوں افغانستان کی حکومت کے خلاف کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اس خبر پر یوں تبصرہ کیا۔ "قرآن شریف میں تو ناک پر داغ لگانے کا ذکر ہے سنسمہ علی الخرطوم۔ سرین پر کون دیکھے گا۔[3]"

پیسہ اخبار نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے حوالے سے خبر دی کہ واپس آنے والے مہاجرین نے بتایا ہے کہ کابل میں تقریباً ۴ ہزار مہاجرین جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیے گئے۔[4]

اسی اشاعت میں انگلش مین کے حوالے سے ہے کہ "امیر نے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ مہاجرین پولیٹیکل اغراض سے اور افغانستان میں بدنظمی پھیلانے کے لیے آ رہے ہیں۔ چار سو

[1] ۔ پیسہ اخبار ۔ ۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۵

[2] اہل حدیث امرت سر ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء ۔ صفحہ ۱۴

[3] ۔ ایضاً [4] ۔ پیسہ اخبار ۸ اگست ۱۹۲۰ء ۔ صفحہ ۱

مہاجرین جو جاسوس قرار دیے گئے ہیں، وہ کابل میں مقید ہیں۔[1]"

درہ خیبر سے واپس آنے والے ان (تقریباً ۱۰ ہزار) مہاجرین نے اپنے قیام افغانستان میں دردانگیز داستان بیان کی اور کہا کہ "سفر میں کسی جگہ کوئی رہائش یا پناہ نہیں مہیا کی گئی اور ان کے ہاتھ سے پکائی ہوئی ایک روٹی کی قیمت چار آنے دینی پڑی۔ (یاد رہے کہ ۱۹۲۰ء میں) اور بعض جگہ تو پینے کا پانی مول لینا پڑا ...... واپسی پر ایک افغان سپہ سالار نے ہمارا راستہ جلال آباد سے اوپر روک لیا اور اس کے خلاف ناراضگی ظاہر کرنے پر ایک مہاجر کو گولی سے مار دیا گیا۔ سرحد دار نے ڈکہ میں ہر مہاجر سے چار روپیہ ٹیکس وصول کیا۔[2]"

عزیز ہندی کہتے ہیں کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے امیر امان اللہ خان کو یقین دلا رکھا تھا کہ اگر وہ انگریزوں کے خلاف لڑے تو تمام ہندوستان اس جہاد میں شریک ہو کر انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا۔ کہتے ہیں: "یہ تو ہجرت کی تحریک نے میدان میں آ کر مولانا عبید اللہ سندھی کا پردہ رکھ لیا، ورنہ وہ "صلح عارضی" کے واقعے سے لے کر "تحریک ہجرت" کے شروع ہونے کے وقفے تک افغان نوجوانوں میں ملعون ہو چکے تھے۔ کیونکہ انھوں نے جو انگریزوں کے برخلاف بغاوت و انقلاب برپا ہونے کی سنہری نوید افغان نوجوانوں کو دے رکھی تھی، وہ پوری نہ ہوئی اور نوجوان گھور گھور کر دیکھ رہے تھے کہ اس مولانا نے تو ہمارا ملک ہی تباہ کروا دیا تھا۔[3]"

[1] پیسہ اخبار ۔ ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ [2] ۔ پیسہ اخبار ۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء [3] اوراق گم گشتہ صفحہ ۸۱۵

(عزیز ہندی نے مولانا سندھی کے بارے میں مزید لکھا ہے ...... کوئی شک نہیں کہ مولانا عبید اللہ سندھی ایک اونچے پیمانے کا سازشی دل و دماغ رکھتے تھے۔ ان کا طریق کار بھی خفیہ تھا اور وہ ضدی اور مستبد بھی تھے۔ اگرچہ میرا تجربہ اور علم ان سے تھوڑا تھا۔ تاہم میں نے پہلی ہی ملاقات میں انھیں بھانپ لیا تھا ...... میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے برسبیل تذکرہ ان (مولانا سندھی) سے کہا کہ میں نے ہجرت سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو وہ معاً فرمانے لگے کہ مولانا آزاد اور شوکت علی اور محمد علی تو میرے نام کا کلمہ پڑھتے ہیں، پر میں نے بے ساختہ جواب دیا کہ میں تو صرف محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھتا ہوں پھر میری آپ کی کیسے نبھے گی؟

(اوراق گم گشتہ صفحہ ۸۱۶)

وہ ہندی مہاجرین کی افغانستان سے بیزاری کا ذکر یوں کرتے ہیں۔ "جب مہاجرین نے افغانستان کی سرزمین پر قدم رکھا تو انہوں نے نہ اپنا جیسا جوش و خروش وہاں کے لوگوں میں پایا اور نہ ہی حالات ہی وہ انہیں اچھے نظر آئے۔ لہٰذا ان میں بددلی پھیل گئی اور وہ افغانستان میں رہنے سے بیزار ہو گئے۔"[1]

ظفر حسن ایبک کی "آپ بیتی" کے مقدمے میں شریف الحسن لکھتے ہیں: "حیرت در حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے زعما اور علما، اس عہد کے افغانستان سے دور راز کار حسن ظن اور لا حاصل امیدیں رکھتے تھے۔"[2] آگے صفحے پر پھر وہ ہندی مسلمانوں کی سادہ لوحی اور خود فریبی کے ساتھ ساتھ پڑھے لکھے لوگوں اور نام نہاد قائدین ملت اور زعمائے امت کی فکر پر استعجاب کا اظہار کرتے ہیں۔[3]

افغانیوں کی مہاجرین کے بارے میں بدگمانیوں ہی کی وجہ سے افغان حکومت نے راہداری کے حصول کو عازمین ہجرت کے لیے لازمی قرار دیا۔ اگرچہ شروع ہی سے افغان حکومت نے اعلان کر دیا تھا کہ ہجرت کر کے آنے والے پشاور سے فقیر محمد خان سے پروانۂ راہداری حاصل کر کے آئیں لیکن پہلے تو لوگوں کو پروانۂ راہداری کے بغیر بھی ملک میں داخل ہونے دیا گیا مگر بعد میں ایک تو بہت زیادہ تعداد کے ہجرت کر کے آنے کی وجہ سے اور دوسرے جاسوسی وغیرہ کے شبہے میں یہ اعلان کیا گیا کہ "آئندہ جو شخص بغیر راہداری کے سرحد افغانستان میں داخل ہوگا، واپس بھیج دیا جائے گا۔ اگر اس صورت میں کوئی تکلیف اٹھانی پڑے تو اس کو اپنی غلطی پر محمول کیا جائے۔"[4] یہ اعلان سردار محمد ہاشم خان نائب سالار ملکی و نظامی سمت مشرق کی طرف سے جاری ہوا۔ اور "اتحاد مشرقی" جلال آباد کے حوالے سے ہندوستان کے اخبارات میں چھپا۔

"انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی کہ پندرہ سو واپس آنے والے مہاجرین میں سے چند کے ساتھ گفتگو ہونے پر معلوم ہوا کہ وہ بے سروسامان تھے اور

[1] اوراق گم گشتہ۔ صہ ۶۱۰

[2] ظفر حسن ایبک۔ آپ بیتی حصہ اول صہ م [3] ایضاً۔ صہ ن

[4] پیسہ اخبار۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶۔ زمیندار۔ ۱۱ اگست۔ صہ ۲

خوراک کے لیے ان کو کپڑے وغیرہ فروخت کرنے پڑے۔ اور کابل و ڈکہ کے درمیان غذا ملی ہی نہیں۔ ۲ سو مہاجرین نے ترکستان جانا قبول کیا ہے۔ امیر نے ان کے ساتھ کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی اور نہ وہ کبھی جبل السراج میں تشریف لائے۔"[1] "پیسہ اخبار" نے ایک اور اشاعت میں بتایا کہ "جو مہاجرین کابل پہنچ چکے ہیں، وہ تنہائی کی زندگی سے سیر ہو گئے ہیں۔ گویا وہ جبل السراج میں مقید ہیں۔"[2]

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں ایک کلرک مہاجر کے حالات شائع کیے گئے جو مہاجرین سندھ کی پہلی کیمپ کے ساتھ کابل گیا تھا۔ اس نے بتایا: "قافلہ پشاور سے لنڈی کوتل، ڈکہ، جلال آباد، گلبرگ وغیرہ سے ہوتا ہوا کابل پہنچا۔ یہاں امیر صاحب نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ کابل سے قافلہ جبل السراج پہنچا۔ جبل السراج ایک پہاڑی اور غیر آباد علاقہ ہے۔ اس میں ایک پرانا قلعہ ہے۔ جس میں قریباً ۲۰ سو آدمی رہ سکتے ہیں۔ افغانستان کی سرزمین میں انہیں ۱۵ پیسے (یعنی پونے چار آنے) فی روز (۱۹۲۰ء میں) اور قلعہ ٹیکس فی کس ادا کرنا پڑا جس کی انہیں کوئی رسید نہ دی گئی۔۔۔۔ امیر صاحب نے مہاجرین کے استقبال اور خیر مقدم کے لیے کوئی انتظام نہ کیا تھا۔ سب کو پچھلے روز ایک سیر آٹا مفت ملتا تھا۔"[3]

۴ ستمبر کے "پیسہ اخبار" میں چھپا: "مہاجرین کے متعلق جو تازہ خبر موصول ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاجرین کی وہاں نہایت افسوسناک حالت ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اول اول جب مہاجرین کابل پہنچے تو امیر صاحب نے ان کو مختلف دیہاتوں میں تقسیم کرنا شروع کیا تھا۔ مگر انہوں نے اس تجویز کو صرف اس لیے رفت گزشت کیا تھا کہ کہیں وہ وہاں جا کر بد امنی پیدا نہ کریں۔ اس پر امیر صاحب نے فیصلہ کیا کہ ان سب کو افغانستان کے ایک دور دراز کے علاقہ میں بھیج دیا جائے جو کوہ ہندوکش کے پار واقعہ ہے۔ وہاں پر لوگ امیر صاحب کو کوئی نقصان نہیں

[1] پیسہ اخبار۔ ۲۵ اگست ۱۹۲۰ء۔ [2] پیسہ اخبار۔ ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء

[3] پیسہ اخبار۔ ۴ ستمبر ۱۹۲۰ء۔ صہ ۱

پہنچا سکتے۔ چند مہاجرین اس علاقہ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ اب امید نہیں ہے کہ وہاں پہنچنے کے بعد وہ پھر کبھی ہندوستان کا منہ دیکھیں گے[1]۔

قطغان (یا قطغین) کے متعلق پیسہ اخبار میں یہ معلومات شائع ہوئیں: "امیر افغانستان کا اعلان مشرقی میں قطغان میں مہاجرین ہند کی نو آبادی قائم کرنے کا جو اعلان کیا گیا تھا، ممکن ہے کہ اس سے اہل ہند نے اس علاقہ کو دودھ و شہد کا ملک سمجھا ہو۔ ایک شخص کے چشم دید حالات اس کے متعلق یہ ہیں کہ قطغان مضر صحت ہے اور موسم سرما میں وہاں بہت سردی ہوتی ہے۔ وہ بہت مرطوب ہے اور دلدلوں سے محصور۔ وہ خود افغانوں کی سکونت کے لیے موزوں نہیں ہے اس لیے اسے ازبکوں کو دیا گیا ہے۔ اس علاقہ کی وادیوں اور جھاڑیوں سے بخار پیدا ہوتا ہے اور موسم گرما میں وہاں بے حد گرمی ہوتی ہے[2]۔"

اس قسم کی بہت سی خبریں سامنے آئیں کہ مہاجرین کے ساتھ افغانستان میں کیا ہو رہا ہے لیکن ایسی خبریں "زمیندار" میں نہیں چھپتی تھیں۔ "مہاجرین کی ہندوستان کی طرف واپسی سے جنرل نادر خاں کو افسوس ہوا اور اس کی جگہ اس کا بھائی جلال آباد میں متعین ہوا۔ اس نے مہاجرین کو خوراک و پانی کے انتظام کی درخواستوں پر التفات نہیں کیا۔ بہت سے مہاجر ملک میں جا بجا واپسی کے لیے بھیک مانگ رہے ہیں[3]۔"

"مہاجرین کی لوٹ" کے عنوان سے ایک خبر دیکھیے: "گرداب کے سردار خاں نے مہاجرین کو پناہ دے کر کھانا کھلایا مگر تین دن بعد ان کا تمام مال لوٹ کر ان کو نکال دیا اور میلوں تک ان کا تعاقب اپنے آدمیوں سے کرایا۔ راستے میں گاؤں والے ان کو ستاتے۔ وہ بد تمیز مردوں، عورتوں اور بچوں کو لوٹ لیتے ہیں[4]۔"

۱۲ اگست کو مہاجرین کا آخری قافلہ روانہ ہو کر افغانستان گیا۔ لیکن ۹ اگست کی ایک خبر

۱۔ پیسہ اخبار ۲ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۶ ۲۔ پیسہ اخبار ۳۱ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۳۔ پیسہ اخبار ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء ۴۔ ایضاً

میں تھا: "چند مہاجرین کابل سے واپس آ رہے ہیں۔ وہ وہاں کی رہائش اور مشقت کے متعلق نہایت دلسوز حکایات بتاتے ہیں..... پشاور میں افواہ ہے کہ امیر صاحب کی سابقہ مہاجرین کی مہمان نوازی اور الطاف خسروانہ اب یکایک سختی اور غصہ میں تبدیل ہو گیا ہے[1]۔" "مہاجرین کی قابل رحم حالت" کے عنوان کے تحت خبر چھپی: "باقی مہاجرین کی افغانستان میں قابل رحم حالت ہے۔ ان میں سے بعض فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ ان کو شکایت ہے کہ انہیں افغانوں اور سرحدی لوگوں نے لوٹ لیا۔ امیر اور اس کے آدمیوں نے قطعی طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ہندوستانیوں کی اپنے ملک میں آمد کے خواہاں نہیں اور جن لوگوں کو وہاں جانے پر راغب کیا گیا تھا، ان میں سے زیادہ تر واپس آ رہے ہیں۔ ان کو ناقابل بیان تکالیف کا سامنا ہو رہا ہے[2]۔"

عزیز ہندی "تحریک ہجرت کی تاریخ" میں کہتے ہیں: "سردار محمود طرزی کے واپس (منصوری) لوٹنے کے بعد سے حکومت افغانستان کے انداز مہاجرین کے حق میں بدلنے شروع ہوئے۔ سب سے پہلا وار مولانا عبیداللہ سندھی پر ہوا۔ انہوں نے جو "عارضی حکومت ہند" بنا رکھی تھی، امیر امان اللہ خاں نے سب سے پہلے اسے لغو قرار دیا۔ دوسرا وار ایک اعلان کی صورت میں تحریک ہجرت پر کیا گیا جس میں کہا گیا کہ جو مہاجرین اب تک افغانستان میں وارد ہو چکے ہیں، ان کی آبادکاری کا پہلے بندوبست ہو جائے، پھر دوسرے مہاجرین آئیں۔ یعنی تا حکم ثانی ہجرت کے بند کیے جانے کا اعلان کر دیا۔ تیسرا وار مہاجرین کی ایذا رسانی کی صورت میں کیا گیا۔ یہ وار کابل کی ناخواندہ اور جاہل پبلک کی طرف سے تھا۔ مہاجرین ہزاروں کی تعداد میں کابل سے باہر عیدگاہ کے وسیع میدان میں ڈیرے ڈالے پڑے ہوئے تھے۔ لوگ ادھر ادھر اطراف شہر سے آتے اور ہمدردانہ انداز میں مہاجرین کے گروہوں سے مل کر کہتے کہ انہوں نے نیاز پکائی ہے۔ کسی کو برتن وغیرہ دے کر ان کے ساتھ کر دیں کہ ہم ان میں کھانا ڈال کر بھیج دیں اور جب ایسے لوگ ان کے ساتھ جاتے تو وہ آدھی آدھی رات گئے روتے پیٹتے واپس کیمپ میں پہنچتے اور کہتے کہ انہیں ایک کوچہ بندی کے سرے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ہم ابھی اندر گھر سے کھانا

۱۔ پیسہ اخبار ۴ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۹ ۲۔ پیسہ اخبار ۱۰ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۴

آپ کے برتنوں میں ڈال دیتے ہیں۔ لیکن نہ کھانا ہی آیا اور نہ برتن ہی واپس ہوئے..... اسی طرح بعض لوگوں نے ان سے نقد روپے پیسے بھی بٹورنا شروع کر دیے تھے..... لوگ ان (مہاجرین) کے پاس آتے اور اپنا سکہ دے کر ان سے ارزاں داموں پر ہندوستانی کلدار خریدتے۔ بعض ہندو صراف نے بھی اس طریق سے اپنے ہاتھ خوب رنگے تھے۔[1]

"..... مہاجرین جس جوش و خروش سے آئے تھے، ان کا استقبال ویسے ہی متقابل جوش و خروش کے ساتھ نہ ہوا بلکہ اکا دکا مہاجرین کے لٹنے کی وارداتیں بھی ہوئیں۔[2]" واپس آمدہ مہاجرین کے بارے میں پیسہ اخبار کی ایک اور خبر یہ تھی: "خیبر واپس آکر چھ سو مہاجرین نے بیان کیا کہ ان کے متعلق افغانستان میں کوئی انتظامات نہیں کیے گئے۔ ان کے ساتھ سختی اور ظلم کیا گیا۔ واپس آمدہ مہاجرین نے کئی دردناک باتیں بیان کی ہیں۔ یہ مہاجرین کھلے طور پر ملاؤں اور ہجرت کمیٹیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ ایک رپورٹ مظہر ہے کہ افغانستان سے پانچ سو مہاجر لنڈی کوتل واپس آ رہے ہیں جو اس سلوک سے برداشتہ خاطر ہیں جو ان سے افغانستان میں کیا گیا۔[3]"

۱۲ اگست کے "پیسہ اخبار" میں خبر تھی (یعنی ابھی "الترکِ ہجرت" کی باقاعدہ خبر نہیں آئی تھی) "صرف چار سو کو زراعت کے لیے زمین دی گئی ہے۔ باقی لوگ یا تو فوج میں بھرتی ہونے کا انتظار کر رہے ہیں اور اگر انھیں ہندوستان واپس آنے کی اجازت نہ ملی تو وہ شمال کی طرف ہجرت کر جائیں گے۔[4]"

مولوی عبدالقادر سابق مدرس اول مدرسہ مسجد سادھواں لاہور کابل گئے۔ اڑھائی ماہ کابل اور جبل السراج میں ٹھہر کر دیگر بہت سے مہاجرین کے ہمراہ پشاور آ گئے۔ انھوں نے اخبار میں لکھا: "نواحی کابل میں مہاجرین کے لیے کسی قسم کا انتظام نہیں تھا۔ پشاور وغیرہ میں جو بے دین لوگوں نے مشہور کیا ہوا تھا کہ امیر کابل کی طرف سے اعلیٰ سواری کا انتظام ہے، یہ افواہ بالکل بے اصل تھی۔ کھانے پینے کا کوئی طریق نہیں تھا۔ جبل السراج میں محض آنے کا حکم تھا۔ کابل میں آکر امتحان دیا گیا

۱۔ اوراق گم گشتہ۔ صفحہ ۸۲۲-۸۲۳۔ ۲۔ اوراق گم گشتہ صفحہ ۸۲۰

۳۔ پیسہ اخبار ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۹ ۴۔ پیسہ اخبار۔ ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء۔ صفحہ ۶

ہونے کے بعد بوجہ عدم المحل والحاجۃ کے اپنا خرچ کرتے تھے۔ ایک وقت کے سوا کسی قسم کی پرسش نہیں تھی۔ غیر آباد علاقہ کو آباد کرنے کے لیے امیر صاحب کا حکم ہوا تھا جس سے فائدہ کی امید نہیں تھی..... مہاجرین کی جماعت تعداد اور شمار سے باہر تھی۔ سب کو جواب دیا گیا کہ جہاں چاہو وہاں چلے جاؤ، اب وہ یہاں نہیں سما سکتے۔ مہاجرین مجبوراً واپس آ گئے۔[1]"

کابل سے واپس آئے ہوئے مہاجرین کی داستان "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور میں چھپی کہ کابل پہنچنے پر ان کو تین دن سرکاری خرچ پر خوراک دی گئی۔ اس کے بعد حکام اور عام لوگوں نے کسی دن کھانا کھلایا۔ لیکن طعام و قیام کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ کئی دن شہر سے باہر اور سڑکوں پر گزارنے پڑے۔ اس کے بعد امیر کا حکم ملا کہ ہمیں اپنے کھانے کا انتظام خود اپنے خرچ سے کرنا چاہیے۔ روپیہ ختم ہونے پر اپنے کپڑے بیچنے پڑے اور چند دن کے لیے ہم خوراک حاصل کر سکے۔ اس ذریعۂ معاش کے ختم ہونے پر ہمیں کابل ہجرت کمیٹی سے درخواست کرنی پڑی..... ہجرت کمیٹی نے مدد کرنے میں ناقابلیت کا اظہار کر کے کہا کہ امیر سے درخواست کی جائے۔ چنانچہ ایک درخواست دی گئی جس میں بتایا گیا کہ ہم آپ کے فرمان کی تعمیل میں آئے ہیں اور اب فاقے کر رہے ہیں۔ چار دن بعد یہ درخواست وزیر خارجہ کی معرفت اس حکم کے ساتھ واپس ملی کہ خزانۂ افغانستان ہماری پرورش کے لیے ناکافی ہے اور یہ کہ ہمیں افغانستان میں کوئی پیشہ کر کے اپنا گزارا کرنا چاہیے..... ہم نے امیر کو دوسری درخواست دی..... کہ ہمیں ایشیائے کوچک میں کفار کے خلاف جہاد کرنے کی غرض سے جانے کی اجازت دی جائے۔ اگر یہ اجازت نہ ملے تو ہمارے گھروں کو واپس جانے کی اجازت ملنی چاہیے۔ امیر صاحب کا جواب ظالمانہ تھا۔ یعنی یہ کہ اس کے پاس ہمارے لیے نہ روپیہ ہے، نہ سامان اور یہ کہ ہمیں امیر کی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں، جانے کی اجازت ہے۔[2]"

محمد صالح سابق سب انسپکٹر پولیس سندھ سے سپیشل ٹرین میں گئے تھے۔ انھوں نے واپسی پر بیان کیا کہ "کابل میں کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ پانی کمیاب تھا..... ہم گھنٹوں پانی کے لیے

۱۔ پیسہ اخبار۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء۔ ۲۔ پیسہ اخبار۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱

چلاتے تھے مگر کوئی انتظام نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ دو مردہ مہاجرین کو دریا کابل میں پھینک دیا گیا تھا۔
جلسوٹ میں بھی کوئی انتظام اکل و شرب کا نہیں تھا..... مسٹر جنجو (جنجوعہ) اور سید احمد اختر شاہ
کورکی، امیر کابل سے ملاقات ہوئی تو امیر نے کہا کہ آپ جبل السراج میں مقیم ہوں اور زرعی کام
کریں۔ ایک دن بعد ہم لوگوں کو کابل سے ہنکا دیا گیا۔[1]

ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ایک ثقہ اور معتبر مسلمان کی جو زمرۂ مہاجرین میں افغانستان کو چلا گیا
تھا، تحریر بھی شائع کی: "افغانستان کے لوگ بوجہ کمال افلاس کے، مسافر کو راستہ بغیر اجرت کے
نہیں بتا سکتے تھے ..... ایک پرانی واسکٹ اگر کسی سرکاری ملازم کو دے دی جائے، وہ ایک ماہ کامل
ہاتھ پاؤں چومتا رہے گا، ورنہ سلام کے جواب میں گالی دے گا۔ کابل سے لے کر جبل السراج تک
کل علاقہ میں یہی حال ہے۔ راستے میں جا بجا سوکھی روٹی پندرہ پیسے (پونے چار آنے) کو دیتے
ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ہم افغانستان کے مہمان ہیں، ہمارے ساتھ کچھ رعایت کرنی چاہیے، جواب اس
کا قریب لڑائی کے دیتے ہیں۔ کابل کی ایک ایک دکان کی یہی حالت ہے، بازار میں پانی کا گلاس
پیسہ اور دو پیسہ کو بکتا ہے، روٹی کی دکان سے روٹی کھائی جائے تو پانی ساتھ نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے
میری دکان روٹی کی ہے، پانی کی نہیں ہے..... افسران فوج ہم مسافروں سے طمع رکھتے تھے۔
اکثر ہمارے مسافر بھائی ان کی دعوت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اگر کوئی صاحب عازمین کابل
(مہاجرین) کی دعوت کرے تو روٹی برائے نام ہوتی تھی۔ کھانی اور نہ کھانی کا فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔
مسافرین کابل جب کابل پہنچے تو اہل پشاور کو جناب غلام رضا خاں صاحب لے گئے۔ ان کے
ڈیرے باغوں اور کھیتوں کے منڈیروں پر تمام ہوئے۔ پردہ نشین عورتیں بے پردہ ہوتیں۔ خوابگاہ
کے پاس ہی جائے ضرور ہوتا تھا۔ بے حجابی اور تنگی کی کوئی حد نہیں تھی۔ ارباب صاحب ہر وقت
دفع مشکلات کے لیے امیر صاحب سے درخواست کرتے تھے۔ شنوائی وہاں از جملہ محالات تھی...
وہاں رات کو اکثر چوری ہو جاتی تھی۔ صبح کو مسافر روتا پیٹا کرتا تھا۔ نہ کوئی ہمدرد تھا اور نہ کوئی غمگسار

[1] پیسہ اخبار - ۱۲ ستمبر ۱۹۲۰ء - صفحہ ۶

تھا..... باشندگان افغانستان کے دل میں کسی قسم کا رحم نہ آیا۔ روپیہ کے سامنے ان کا عہد دوستی
دشمنی سب کچھ گم ہو جاتا ہے۔"

خداوند کریم کا یہ فضل ہوا کہ کابل میں بارش نہیں ہوئی۔ ورنہ بوجہ سردی ہزاروں میں سے
ایک بھی زندہ واپس نہ آتا۔ امیر صاحب کابل نے تو واپسی کی اجازت دی لیکن وہاں کا ہر ایک
حاکم مدعی سلطنت کا ہے۔ ہر ایک پڑاؤ میں مسافر کو بند کر دیا کرتے تھے۔ بہت سی گالیاں
دے کر ایک دو دن کا فاقہ چکھا کر رخصت کیا کرتے تھے۔ جلال آباد سے مسافرین کے دو گروہ
ہوئے۔ ایک گروہ سیدھا سڑک پر درۂ خیبر کو آ گیا۔ دوسرا گروہ حاجی صاحب ترنگ زئی (ترنگزئی)
کی طرف چلا گیا۔ ان سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ روپیہ کپڑا بستر اسے صاف اور پاک کر گئے۔
جو نوجوان اور خوب صورت عورتیں تھیں، ان کو پٹھان جبراً اٹھا لے گئے۔ چند آدمیوں کو قتل اور
چند کو زخمی کر گئے۔ مہمند پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے تھے، مسافر نیچے تھے۔ ان کو اوپر سے گولیاں ماریں پھر
نیچے آ کر تلاشی لے کر سب کچھ لے گئے۔ چند ہزار کا قافلہ ایک مہمندی خان کے علاقے میں جا کر
منتشر ہو گیا۔ اس نے سب کو اپنے قلعہ میں بلایا۔ سب کو اچھی طرح روٹی کھلائی۔ پھر چلتے
وقت سب کو کہہ دیا کہ خالی ہاتھ چلے جاؤ، سامان کو بالکل ہاتھ نہ لگاؤ۔ روٹی دے کر ہزارہا
روپے لے لیے۔ اس قسم کے واقعات بہت ہیں۔ عبدالحق خاں ساکن تنگی والے کی گھوڑی عیدگاہ
کے میدان سے چرا لے گئے۔ یوسف زئی علاقے کا ایک شخص تھا، اس کا کل سامان نقدی پوشاک،
اس کا اور اس کی اہلیہ اور دیگر اطفال کا سب کچھ چرا لے گئے۔ صبح کو روٹی کا محتاج تھا..... اہل افغانستان
نہایت بدگمان لوگ ہیں۔ ہر ایک کو خطاب مخبر اور جاسوس کا دیتے ہیں۔ کابلی لوگ ہندی کو بے
ایمانی اور بے غیرتی کا خطاب عطا کرتے تھے۔ ایک جگہ ایک مسافر پیاس کے مارے گدھے
سے نیچے گر پڑا۔ گدھے والے کو کہا، پانی پلا۔ اس نے کہا، ایک روپیہ دو گے، تب پانی پلاؤں گا.....
بہت لوگ جوتی پگڑی فروخت کر کے ننگے سر اور ننگے پاؤں چلتے تھے۔ ہزارہا عورتیں پاپیادہ
آہ و فغاں کرتی ہوئیں مسافت طے کرتی تھیں۔ ہزارہا وضع حمل ہوتے۔ اس کا گناہ جھوٹے اخبار

ذلیلوں کے ذمہ ہے۔ امیر کابل نے کسی فردِ بشر کی ایک ہفتہ کی دعوت نہیں کی، کسی فردِ بشر کو ایک روپیہ نہیں دیا۔ یہ اخبار نویس تحریر کرتے تھے کہ دو ماہ امیر کابل دعوت دیتے تھے۔ دونوں وقت چاول ملتا ہے۔ دو روپیہ جیب خرچ ملتا ہے۔۔۔ یہ سب جھوٹ تھا۔ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین ثم لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین[1]

ہجرت کے سلسلے میں پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ ہر موقع پر "پیسہ اخبار" کا کردار مثبت رہا۔ اس نے قوم کو ہمیشہ یہ کہا کہ یہ حماقت نا اندیشانہ فعل ہوگا۔ پشاور سے آٹھواں قافلہ کابل کو روانہ ہو چکا تھا، مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین کی آمد آمد کا غلغلہ تھا، ہجرت ایک تحریک بن چلی تھی۔ ایسے میں پیسہ اخبار نے "مہاجرین کے قافلے" کے زیرِ عنوان اپنے اداریے "شذرے" کے آخر میں صاف لکھ دیا: "آج تک جو لوگ کسی نہ کسی راہ سے سرحدات شمال مغربی یا افغانستان کو گئے ہیں اور جب کبھی ہندوستان کو واپس آئے ہیں، انہوں نے وطن واپس آکر سجدۂ شکر ادا کیا ہے۔"[2]

---

[1] پیسہ اخبار - ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ [2] پیسہ اخبار - ۸ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
(چودھری عبد الحمید، مکتبہ کارواں لاہور نے مجھے بتایا کہ میاں عبد الباری مرحوم نے اپنے تجربات و مشاہدات ہی کی روشنی میں لوگوں کو تحریک ہجرت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ افغانستان ہو آئے تھے۔)

مہاجرین کی پریشانیاں

جن اشخاص نے مسلمانانِ ہند کو اسلام کے نام پر ملک چھوڑ دینے کا مشورہ دیا اور جن لوگوں نے اس کی مسلسل تبلیغ کی، عامۃ المسلمین کو ملک سے ہجرت پر اکسایا، اگر وہ مفتی اور مبلغ خود بھی ہجرت کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ ہجرت کے عزم سے لے کر ہجرت سے واپسی تک کے مراحل میں تارکینِ وطن پر کیا گزری۔ لیکن وہ تو شاید پہلے ہی ان مصائب و شدائد سے واقف تھے، اسی لیے انہوں نے دوسروں کو تو ہجرت پر آمادہ کیا اور ملک سے بھگا دیا لیکن خود اس "حرکت" کے مرتکب نہیں ہوئے۔

مہاجر مولانا

ان مفتیوں اور عالموں میں سے صرف مولانا احمد علی لاہوری نے ہجرت کی اور وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ انہیں افغانستان میں کسی تکلیف کا سامنا نہیں ہوگا۔ کابل میں مولانا احمد علی کے سسر مولانا عبید اللہ سندھی[1] اور دو سگے بھائی پہلے سے مقیم تھے اور وہ امان اللہ خاں امیر افغانستان کے مشیروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا احمد علی کی سوانح "مردِ مومن" میں ہے: "کابل میں حضرت کے دو چھوٹے بھائی مولانا سندھی کے ساتھ امیر امان اللہ خاں کی کوٹھی (معین الامارۃ) میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ شہزادگی کے زمانہ میں امان اللہ خاں نے یہ کوٹھی مولانا سندھی کو دے دی

---

[1] افغانستان کی حکومت مولانا عبید اللہ سندھی کا بہت خیال رکھتی تھی۔
(ہجرت افغانستان مؤلفہ سید مبارک علی شاہ - صفحہ ۳۳)

تھی۔ حضرت کے قافلہ کے کئی آدمی آپ سے پہلے ہی کابل پہنچ گئے تھے۔ اس لیے حضرت کی مع اہل و عیال، ہجرت کی خبر مولانا سندھی کو پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے حضرت کے پہنچنے سے پہلے ہی ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ حضرت نے کابل پہنچ کر اسی مکان میں اقامت اختیار کی۔ چونکہ مکان بہت وسیع تھا، اس لیے حضرت نے دو خادموں (شیخ میراں بخش اور میاں عبداللہ) کو بھی اسی مکان میں ٹھہرایا۔ حضرت بالائی منزل میں مقیم تھے اور نچلی منزل کے دونوں حصوں میں ان حضرات کے کنبے رہتے تھے۔[1]

ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں: "وہ (مولانا احمد علی لاہوری) بمعہ اپنے اہل و عیال کے، قبلہ مولانا صاحب (عبیداللہ سندھی) مرحوم کے پاس ٹھہرے۔[2] مولانا احمد علی کی ہندوستان واپسی کے بعد ان کا استقبال فتووں سے نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے لیے پہلے سے جواز تلاش کر لیا گیا تھا۔ بقول ظفر حسن ایبک "ان کے لیے ہجرت کی نیت توڑ کر دوسرے مہاجروں کی طرح واپس ہندوستان جانے کا بھی امکان نہ تھا۔ اس لیے قبلہ مولانا صاحب مرحوم (عبیداللہ سندھی) نے ان کو ہندوستان میں کام کرنے پر مقرر کیا اور اس طرح ان کو واپس جانے پر راضی کیا۔ اس سے ان کی ضمیر بھی ذرا مطمئن ہوئی کہ وہ ہجرت کی نیت نہیں توڑ رہے بلکہ اپنے بزرگ کے دیے ہوئے فرض کی ادائیگی کے لیے واپس لوٹ رہے ہیں۔[3]"

مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا عبیداللہ سندھی نے بھی افغانستان میں مہاجرین ہند کی کوئی قابل ذکر مدد نہ کی۔ ہاں، ان کے گروہ کے کسی فرد پر کوئی آفت آئی تو اس کے لیے انہوں نے بھاگ دوڑ ضرور کی۔ (اس کا ذکر مناسب مواقع پر ہوتا رہے گا)

جن علمائے کرام نے محض فتوے دیے اور اپنے آپ کو ان فتووں کی دستبرد سے محفوظ رکھا، انہیں تو کیا پریشانی ہوتی، مولانا احمد علی لاہوری نے مہاجرین پنجاب کے قائد کی حیثیت سے ہجرت کی،

---

[1] عبدالمجید خاں، مرد مومن، فیروز سنز لمیٹڈ، س ن (شاید ۶۳ - ۱۹۶۴) - صفحہ ۵۵ - ۵۶

[2] ظفر حسن ایبک - آپ بیتی حصہ اول، منصور بک ہاؤس، لاہور - س ن - صفحہ ۲۱۴

[3] آپ بیتی حصہ اول صفحہ ۲۱۴ - ۲۱۵

انہیں بھی افغانستان میں کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ البتہ جن مہاجرین کے یہ قائد تھے، ان میں سے کچھ مہاجرین کے بیانات اس باب کہیں بھی پیش کیے جائیں گے کہ ان پر کیا گزرتی رہی اور مولانا نے ان کی کسی پریشانی کو کم کرنے میں کچھ نہ کیا۔

پریشانیوں کا آغاز

اسلام کے نام پر قربانیاں دینے والے سادہ لوح مسلمانوں نے ہندوستان سے ہجرت کا عزم کیا تو مصائب نے ان کا سواگت کیا اور بعض صورتوں میں آخری دم تک اور بعض صورتوں میں وطن واپسی تک وہ تکالیف کا شکار رہے۔ مسلمان عازمین ہجرت کی جائدادیں برائے نام قیمت پر ہندوؤں نے خرید لیں۔ "دیہاتی علاقوں پر زیادہ اثر پڑا ہے اور بہت جگہوں پر مہاجر اراضیات اور فصل برائے نام قیمت پر ہجرت اختیار کرنے کی غرض سے فروخت کر رہے ہیں۔ حالت کو بعض چالاک لوگ جو اراضی اور فصل ارزاں قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں، زیادہ خراب بنا رہے ہیں۔[1]"

سفر کی پریشانیاں

مہاجرین اپنے گھروں سے چلے تو پشاور تک کے مسلمانوں نے ان کی واقعی پذیرائی کی۔ جگہ جگہ انہیں استقبالیے دیے گئے، کھانے کھلائے گئے، ہار پہنائے گئے، انہیں رقم پیش کی گئی لیکن بہرحال سفر کی صعوبتیں ان کا انتظار کر رہی تھیں اور انہوں نے انہیں گلے لگایا۔ لوگوں نے اسلام کے حکم پر لبیک کہی تھی کہ وہ سفر کی تکلیفوں کو کوئی وقعت دیے بغیر بڑھتے رہے۔ مثلاً مہاجرین سندھ کا دوسرا قافلہ جس میں اسی مرد، عورتیں اور بچے شامل تھے، ان کے متعلق "زمیندار" کی خبر ہے کہ "ایک ٹرین سندھ کی طرف سے آ رہی تھی اور اس میں مال گاڑیاں بھی لگی ہوئی تھیں۔ ان غریب مہاجرین کو انہیں مال گاڑیوں میں سوار کرا دیا گیا جن میں کہ آرام اور آسائش سے بیٹھنے کو کوئی تختے نہ لگے تھے۔ نہ اتنے طول طویل سفر میں رفع حاجت وغیرہ کے لیے کوئی سہولت تھی۔[2]"

خلافت کمیٹی کے محمد صفدر (سیالکوٹ) اور ملک لال خاں (گوجرانوالہ) اگست ۱۹۲۰ء میں

---

[1] پیسہ اخبار، ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۹ [2] زمیندار، ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

پشاور گئے اور انھوں نے ہجرت کے بارے میں جو رپورٹ پیش کی، اس میں افغانستان میں سفر کے متعلق لکھا: "مہاجرین کو سواری کے لیے بہت دقت کا سامنا ہوتا ہے ..... جلال آباد تک تقریباً ایک سو میل کا گرم اور وہاں سے کابل تک تقریباً اسی میل کا سرد راستہ ان سواریوں (ڈاک، بیل گاڑی، گدھا، خچر) میں طے کرنا آسان بات نہیں۔ ایک ہفتے کے قریب وقت خرچ ہوتا ہے بشرطیکہ راستے میں سواری لُٹ نہ جائے۔"[1]

پروفیسر رشبروک ولیمس لکھتے ہیں: "پشاور سے کابل والی سڑک بڈھوں، عورتوں اور بچوں کی قبروں سے اَٹ گئی جو مصائبِ سفر برداشت نہ کر سکے۔ بدقسمت مہاجرین نے واپسی پر اپنے کو بے زر اور بے گھر پایا۔ ان کی جائدادیں اب ان لوگوں کے قبضہ میں تھیں جن کے ہاتھ انھوں نے اصل قیمت کے دسویں حصہ پر مذہبی جوش سے بے خود ہو کر فروخت کر ڈالا تھا۔"[2]

ہندوستانی مہاجرین کے گیارھویں قافلے کے پانچ مہاجر گرمی اور بادِ سموم کی شدت کی وجہ سے بیمار ہو گئے تھے[3]۔ مہاجرین کا بارھواں قافلہ ۱۵ جولائی کو جلال آباد پہنچا۔ اس قافلے کے بھی پانچ چھ مہاجر گرمی اور لو سے بیمار ہو گئے[4]۔ مہاجرین سندھ کا قافلہ نواب جان محمد جونیجو بار ایٹ لا کی سرکردگی میں جلال آباد پہنچا تو راستے میں تمازتِ آفتاب سے تین مہاجر بیمار ہو کر فوت ہو گئے[5]۔ بعض عازمینِ ہجرت ان شدائد کو برداشت نہ کر سکے اور راستے ہی سے واپس آ گئے۔ "معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا ہے کہ مہاجرین کو کئی سختیاں برداشت کرنی پڑی ہیں۔ بعض تو ان تکلیفوں کی وجہ سے واپس آ گئے ہیں۔"[6]

عزیز ہندی کہتے ہیں: "معلوم ہوا ہے کہ خان عبدالغفار خاں اور مولوی عبدالحق ملتانی[7] کابل میں

---

۱ زمیندار، ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۵۔ ۲ رشبرک ولیمس، مرقع ہندوستان ۱۹۲۰ء، مترجم مولوی عبدالمجید دریابادی، طبع اول ۱۹۲۲ء، صفحہ ۶۱۔ ۳ پیسہ اخبار، ۱۷ جولائی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۶۔ ۴ پیسہ اخبار، ۲ جولائی ۱۹۲۰ء۔
۵ زمیندار، ۸ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۵؛ پیسہ اخبار، ۹ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۶۔ ۶ پیسہ اخبار، ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء۔
۷ انھیں بعد میں جاسوسی کے الزام میں پھانسی دے دی گئی تھی۔

تو ایک مہینے سے زائد ہو چکے ہیں مگر ابھی تک انھیں کسی نے پوچھا تک نہیں۔"[1] مزید کہتے ہیں: "جب مہاجرین نے افغانستان کی سرزمین پر قدم رکھا تو انھوں نے نہ اپنا جیسا جوش و خروش وہاں لوگوں میں پایا اور نہ قومی حالت میں وہ انھیں اچھے نظر آئے۔ لہٰذا ان میں بددلی پھیل گئی اور وہ افغانستان میں رہنے سے بیزار ہو گئے۔"[2]

باچا خان کا دریا کھیان

افغانستان میں مہاجرین کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، اس کے متعلق خان عبدالغفار خاں کہتے ہیں کہ اس کا باعث مہاجرین میں موجود انگریزوں کے جاسوس بنے: "انگریزوں کے جاسوسوں نے مہاجرین کے درمیان ایسا کام شروع کر رکھا تھا کہ توبہ بھلی۔ کابل میں بھی ہجرت کا مخالف ایک ایسا ہی گروہ موجود تھا وہ بھی چھپ چھپ کر ہجرت کو ناکامیاب بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگرچہ امان اللہ خان نے ان مہاجرین کو گرنے سے بچانے کی بہت زیادہ کوشش کی[3] لیکن وہ لڑھک ہی گئے اور ہجرت ناکام ہو گئی۔"[4]

مصائب برداشت نہ کر سکنا

مہاجرینِ ہند میں سے جو لوگ فوراً ہندوستان واپس نہیں آئے اور افغانستان ہی میں رہ گئے تھے، ان میں نواب جان محمد جونیجو[5]، حکیم احمد اختر شاہ اور میر رحمت اللہ ہمایوں افغانستان میں رہ جانے والے مہاجرین کے لیے امداد و تعاون حاصل کرنے ہندوستان آئے تو بمبئی میں خلافت کمیٹی کے ایک جلسے میں زیرِ صدارت حاجی سیٹھ جان محمد چھوٹانی، میر رحمت اللہ ہمایوں نے سفر کے مصائب برداشت کرنے کی طاقت نہ ہونے کو ہجرت کی ناکامی کا سبب قرار دیا اور اہلِ افغانستان کی طرف سے بدسلوکی کے الزامات کو بے بنیاد اور باطل قرار دیا۔[6]

---

۱ اوراقِ گم گشتہ، صفحہ ۱۸۰۔ ۲ اوراقِ گم گشتہ، صفحہ ۱۸۱۔ ۳ باچا خان امان اللہ خان کی اس کوشش کو کچھ کھل کر بیان نہیں کر سکے۔ ۴ عبدالغفار خاں، آپ بیتی، صفحہ ۴۰۔
۵ حضرت جونیجو اپنا گھر بار اور لاکھوں روپیہ کی زرعی جائداد اور فائدہ بخش بیرسٹری چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کر گئے تھے۔ ۶ زمیندار، ۹ نومبر ۱۹۲۰ء۔ ۷ زمیندار، ۹ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳۔

جبل السراج ۔ پُر فضا مقام

عبدالرحیم قصوری (واپس آنے والے ایک مہاجر) نے ایڈیٹر زمیندار کے نام اپنے ایک خط میں جان محمد جونیجو والے وفد کے مقصد کے متعلق لکھا۔ "وہ مہاجرین کے فائدے کے لیے ایک خاص مقصد سے گئے ہیں۔ اس مقصد میں سب سے مقدم بات مہاجرین کے لیے چندہ جمع کرنے کرانے کے لیے علمائے دین اور رہنمایان قوم کو توجہ دلانا ہے[1]۔ خود اس وفد کے رکن میر رحمت اللہ ہمایوں نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو مستان شاہ تالاب بمبئی میں ہونے والے مہاجر جلسے میں فرمایا: "اس ڈیپوٹیشن کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ان مہاجرین کی امداد کے لیے جو اس وقت تک افغانستان میں مقیم ہیں، ایک رقم کثیر حاصل کر سکے۔ انھوں نے اپنے بیان میں جبل السراج کے مقام کو بہ لحاظ آب و ہوا اور بہ لحاظ وسعت بے مثال اور پُر فضا مقام بتایا اور مہاجرین کی پریشانی کا سبب خود مہاجرین کے رویے کو قرار دیا[2]۔

وفد مہاجرین ہند کی رائے

مشکلات و مصائب سے گھبرا کر جو مہاجرین ہجرت واپس ہندوستان آ گئے، ان کا استقبال پھر مولویوں کے فتووں نے کیا[3]۔ اور جو مہاجرین افغانستان میں رہ گئے تھے، انھوں نے انھیں بھی اسلام کی راہ سے بھگوڑا قرار دیا۔ چنانچہ میر رحمت اللہ ہمایوں نے اپنے تحریری بیان میں کہا "میرے خیال میں ان مہاجرین کی واپسی در پردہ ایک رحمت ثابت ہوئی۔ جسم کا ایک عضو جو زہریلا ہو چکا تھا، کٹ کر علیحدہ ہو گیا لیکن اس سے باقی جسم صحیح و سلامت رہ گیا[4]۔"

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں: "مہاجروں کی فلاح و بہبود کے لیے رئیس جان محمد جونیجو ماہ اکتوبر میں ایک وفد لے کر مولانا محمد علی جوہر کی ملاقات کے لیے ہندوستان آئے..... رئیس مرحوم ان سے جا کر ملے اور ان کے ساتھ مختلف شہروں کا گشت کیا۔ ہر جگہ رئیس مرحوم نے خود کو افغان رعیت ظاہر کیا اور اپنی

[1] زمیندار ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء ۔ [2] زمیندار ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء، ص۱ [3] ایضاً
[4] سرحد اور جدوجہد آزادی ۔ ص ۱۲۲ / پیسہ اخبار ۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء ۔ ص۳ [5] زمیندار ۱۲ نومبر ۱۹۲۰ء ۔ ص۵ ۔

تقریریں فارسی زبان میں کیں[1] جو افغان حکومت کی سرکاری زبان تھی۔ انھوں نے اپنی تقریروں میں لوگوں کو ترغیب دی اور مہاجر بھائیوں کی مالی مدد کے لیے اپیل کی۔ اس طرح وہ چندہ جمع کر کے افغانستان بھیجتے رہے[2]۔"

زیادہ تر مہاجرین واپس ہندوستان آ گئے تھے، کچھ دوسرے ملکوں کی طرف نکل گئے جو اکا دکا مخلص مہاجرین افغانستان رہ گئے تھے ان سے کام لینے اور انہیں زندگی گزارنے کے لیے خرچ دینے میں بھی افغان حکومت ناکام ہو گئی۔ اسی لیے تو ان کے لیے ہندوستان سے چندہ اکٹھا کیا جاتا اور بھیجا جاتا رہا[3]۔ ایسے میں میر رحمت اللہ کا بیان درست معلوم نہیں ہوتا کہ امیر افغانستان نے مہاجرین ہند کو ہر قسم کی سہولتیں دی تھیں اور یہ خود ہی ٹھیک لوگ نہیں تھے۔

رئیس جان محمد جونیجو اور میر رحمت اللہ ہمایوں کا "وفد مہاجرین ہند" پھر واپس افغانستان نہ جا سکا کہ حکومت ہند نے انھیں اس کی اجازت ہی نہیں دی۔ اس پر باشندگان پشاور نے ایک جلسہ عام میں قرارداد کے ذریعے صدائے احتجاج بھی بلند کی اور حکومت ہند کی اس کارروائی کو مذہب اسلام میں صریح مداخلت قرار دیا[4]۔

افغانستان ۔ تجربے کی روشنی میں

مہاجرین کو بعض مفتیوں نے جن مشکلات و مصائب نے چھپا دیا تھا، ان کا اندازہ ۱۹۲۰ء کے سال اور افغانستان کے حالات سے ناواقف لوگ نہیں کر سکتے۔ لوگ جس جوش اور جذبے سے عازم ہجرت ہوئے تھے، وہاں سے واپسی پر ان میں سے بعض اسی طرح کے شدید ردِ عمل کا شکار ہوئے۔

[1] اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملا کہ وہ فارسی میں تقریریں کرتے رہے [2] مجلہ "برگ گل" جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ ۔ [3] حضرو (اٹک) میں مولانا ظفر علی خان نے مہاجرین ہند کے لیے ایک لاکھ روپے کے چندے کی تجویز دی۔ پہلی قسط کے طور پر دس ہزار بھیجے گئے (زمیندار ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء ص۳) مراد آباد میں مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسے میں پچاس ہزار روپے کی پہلی قسط سفیر افغانستان کی معرفت بھیجنے کی منظوری دی گئی۔ (پیسہ اخبار ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء ص۳) [4] روزنامہ سیاست لاہور ۱۹ فروری ۱۹۲۱ء ص۴

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی سوانح عمری "مہر منیر" میں ہے: "حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ایک ارادت مند مولوی صاحب نے ہزارہ سے لکھا کہ حضرت! ہم تو اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہے ہیں۔ آپ پیری مریدی سنبھال کر بیٹھے رہے۔" یہ صاحب اگلے مہینے ہی اشکِ ندامت بہاتے ہوئے واپس لوٹ آئے اور کہتے تھے کہ اگر کابل کی طرف قبلہ ہوتا تو ادائیگی نماز کے لیے اس طرف رُخ کرنے کو جی نہ چاہتا۔[1]

مولانا احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں: "دار الاسلام سے ہجرت عامہ کا حکم ہرگز شریعت مطہرہ نہیں فرماتی۔ نہ عادۃً وہ ممکن، نہ کچھ مفید کہ سب مسلمان اپنی جائدادیں یونہی نصاریٰ کے لیے چھوڑ جائیں یا کوڑیوں کے مول ہندوؤں کو دے جائیں اور خود یہ کروڑوں ننگے بھوکے اور ملک کے مسلمانوں پر ڈھئی دیں۔ ان کی عافیت بھی تنگ کریں یا بھوکے مر جائیں اور اپنی مساجد و مزارات اولیا پامالی کفار و مشرکین کے لیے چھوڑ جائیں۔ اور یہ سب کچھ اور بھی کیا جائے تو اس سے سلطنت اسلام کو کیا فائدہ اور اماکن مقدسہ کا کیا نفع؟ اور ہجرت بعض کا بے سود ہونا بھی عقلاً تو معلوم تھا ہی، اب تجربۃً مشہود بھی ہو گیا۔ سوا ان غریب مسلمانوں کی بے سروسامانی و آوارگی و پریشانی و حسرت و پشیمانی کے اور بھی کوئی فائدہ مرتب ہوا ہے؟"[2]

"مہر منیر" میں مندرج واقعے کی توثیق ڈاکٹر نور حسین صابر پنشنر جھنگ سیال کی تحریر سے ہوتی ہے "ہجرت کابل سے تلخ تجربہ ہو چکا ہے کہ لوگ خانماں ویران کر چکے، خوار ہوئے، دربدر مارے مارے پھرے۔ کئی مر گئے، کئی لُٹ گئے، بے عزت ہوئے اور عورتوں اور لڑکیوں تک کو برباد کر چکے۔ مکانات فروخت کر بیٹھے، آخر صفا ہو کر بیٹھے۔ جن جن لوگوں نے ہجرت کابل کا مزہ چکھا ہے وہ تو اپنی اولاد کو منع کر کے مریں گے کہ کابل کی طرف کبھی منہ بھی نہ کرنا۔"[3]

1۔ فیض احمد فیض، مولانا۔ مہر منیر۔ صفحہ ۴۷۹ 2۔ احمد رضا، امام۔ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ۔ سنی دار الاشاعت مبارک پور اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۸۱ء۔ صفحہ ۹۷، ۹۸ 3۔ پیسہ اخبار ۲۷ نومبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

"پاکستان کا اسلامی پس منظر" میں مہاجرین کی مشکلات کے بارے میں ہے: "اس آمد و رفت میں ہزاروں معصوم و مخلص جانیں بھوک و پیاس سفر کی تکالیف کو برداشت نہ کرتے ہوئے ہلاک ہو گئیں۔[1] تاریخ شاہد ہے، ترکِ وطن کر کے جانے والوں کا جو حال ہوا، وہ کسی طرح بھی قابلِ اطمینان نہیں تھا۔[2]

جذباتی تحریک کی ناکامی

ہجرت کی ناکامی کے اسباب اور مہاجرین کی تکالیف کے ذکر میں قاضی عبد الغفار لکھتے ہیں۔ افغانستان کی حکومت کے وسائل محدود تھے لہٰذا اتنی بڑی تعداد کے کھانے پینے اور رہائش کا بندوبست اس کے بس سے باہر تھا چنانچہ افغانی حکومت نے اپنے دروازے بند کر دیے۔ چنانچہ مجبوراً مسلمانوں کو واپس آنا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزارہا مسلمان جو پہلے ہی تکالیف اور مصائب برداشت کر کے افغانستان پہنچ پائے تھے ان کو دوبارہ پیاس اور بھوک کا سامنا کرنا پڑا۔ تحریک ہجرت ایک جذباتی تحریک تھی جس سے مسلمانوں کو شدید نقصان ہوا۔[3]

بے اعتنائی، عداوت اور نفرت

حاجی فیض محمد خان بھی مہاجرین میں سے ایک تھے انہوں نے اپنی یادداشتوں میں بتایا کہ گو شاہ امان اللہ خان، جنرل محمد نادر خان، سردار عبد العزیز خان اور سردار عبد الہادی خان مہاجروں سے کافی ہمدردی رکھتے تھے لیکن کابل کے دوسرے حکام کا سلوک عام طور پر مہاجرین سے اچھا نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ افغانستان کی حکومت نے مختلف مقامات یعنی جبل سراج، چاردہی، پنج شیر، مزار سخی، لوگر اور غزنی میں ہزاروں مہاجر زمینوں پر آباد کیے تھے، پھر بھی کابل میں سکونت رکھنے والے اکثر مہاجروں کی حالت بڑی خستہ تھی۔ وہ روزانہ مزدوری کر کے کسی نہ کسی طرح اپنا پیٹ پالتے تھے یا چھوٹے پیمانے پر خرید و فروخت کا کام کر کے بمشکل گزارا کرتے تھے۔ ... کابل کے بہت سے سردار امرا

1۔ آغا اشرف۔ پاکستان کا اسلامی پس منظر۔ مقبول اکیڈمی لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۸۳ء۔ صفحہ ۱۲۰

2۔ عبد الحکیم شرف قادری، محمد۔ تذکرہ اکابر اہل سنت۔ صفحہ ۴۴۰ 3۔ قاضی عبد الغفار۔ حیاتِ اجمل۔ علی گڑھ۔ ۱۹۵۰ء۔ صفحہ ۲۲۴

رہا بلکہ اکثر شہری بھی مہاجروں کے ساتھ کم و بیش بے اعتنائی سے کام لے رہے تھے۔ بلکہ ان میں سے بعض تو عداوت اور نفرت کا بھی اظہار کرتے تھے[1]

"ہجرت افغانستان" کے مؤلف سید زبار علی شاہ نے اپنے مرقومہ باب "تحریک خلافت" میں لکھا ہے "مہاجرین کو بڑی توقع تھی کہ حکومت افغانستان مالی طور پر اور اسلحہ و گولہ بارود سے ان کی امداد کرے گی جس سے کہ وہ انگریزوں کے خلاف موثر طور پر آزادی کی تحریک چلا سکیں گے۔ لیکن ان کو اس ارادہ کی تکمیل میں کامیابی نہیں ہوئی اور وہ سخت دل برداشتہ ہوئے...... جو مہاجر کابل میں ناموافق حالات کے باوجود مقیم رہے، وہ لا محالہ نہایت عسرت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے[2]"

پیسہ اخبار نے خبر شائع کی کہ "چند مہاجرین کابل سے واپس آ رہے ہیں، وہ وہاں کی رہائش اور مشقت کے متعلق نہایت دلسوز حکایات بتاتے ہیں[3]" اسی اخبار میں یہ خبر بھی ہے "مرزا یعقوب بیگ نے علی مسجد سے مولانا شوکت علی اور زمیندار اخبار کو تار دیا کہ "میں بذات خود واپس آمدہ مہاجرین سے ملا کہ جنہوں نے خوراک اور قیام کے متعلق شکایات کیں۔ براہ کرم سردست ہجرت کو بند کر دیں[4]"

کس مپرسی

"انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار کے حوالے سے پیسہ اخبار میں چھپا کہ "۱۵ سو واپس شدہ مہاجرین میں سے چند کے ساتھ گفتگو ہونے پر معلوم ہوا کہ وہ بے سروسامان تھے اور خوراک کے لیے ان کو کپڑے فروخت کرنے پڑے۔ اور کابل و ڈکہ کے درمیان غذا ملتی ہی نہیں۔ تین سو مہاجرین نے ترکستان جانا قبول کیا ہے۔ امیر نے ان کے ساتھ کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی اور نہ وہ کبھی جبل السراج پر تشریف لائے[5]"

[1] زبار علی شاہ، سید (مؤلف)، ہجرت افغانستان (حاجی فیض محمد خان صاحب مرحوم کی سرگزشت) تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی، ۱۹۷۷، صفحہ ۳۵ [2] ہجرت افغانستان ـ صفحہ ۱۴

[3] پیسہ اخبار ـ ۲۴ راگست ۱۹۲۰، صفحہ ۶ [4] پیسہ اخبار ۲۴ راگست ۱۹۲۰،

[5] پیسہ اخبار ـ ۲۵ راگست ۱۹۲۰،

مہاجروں کے پہلے تین قافلوں کی آمد پر تو جلال آباد میں اظہار مسرت کیا گیا اور ان سے شیریں وعدے کیے گئے۔ مگر پھر لوگوں کے جم غفیر کے باعث افغانستان کے تمام لوگوں میں ایک عام طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ صرف چار سو کو زراعت کے لیے زمین دی گئی ہے۔ باقی لوگ یا تو فوج میں بھرتی ہونے کا انتظار کر رہے ہیں اور اگر انہیں ہندوستان واپس آنے کی اجازت نہ ملی تو وہ شمال کی طرف ہجرت کر جائیں گے[1]۔

جبل السراج

وزیر ہندی کہتے ہیں کہ جبل السراج گئے تو مہاجرین نے اپنی شکایات ناظر امور خارجہ کے سیکرٹری کے سامنے پیش کیں جن میں سے ایک تو یہ تھی کہ انہیں وہاں خشک آٹا تو دیا جاتا ہے مگر نمک وغیرہ نہیں دیا جاتا اور ساتھ ہی آٹا پکانے کے لیے آگ کی ضرورت ہے مگر لکڑیاں نہیں مہیا کی جاتیں[2]۔ مزید کہتے ہیں "مہاجرین جس جوش و خروش سے آئے تھے ان کا استقبال ویسے ہی متقابل جوش و خروش کے ساتھ نہ ہوا بلکہ اکا دکا مہاجرین کے لٹنے کی وارداتیں بھی ہوئیں[3]"

"انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار کی خبر تھی۔ "جو مہاجرین کابل پہنچ چکے ہیں، وہ تنہائی کی زندگی سے سیر ہو گئے ہیں۔ گویا وہ جبل السراج میں مقید ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان واپس جائیں گے چاہے واپس جانے میں ان کو پھانسی پر چڑھنا پڑے۔ ان میں سے کچھ فوج میں ایسی قلیل تنخواہ پر بھرتی کیے گئے ہیں جو گزارے کے لیے ناکافی ہے[4]"

مولوی عبدالقادر سابق مدرس اول، مدرسہ مسجد سادھواں لاہور پورے اڑھائی ماہ کابل اور جبل السراج میں ٹھہر کر دیگر بہت سے مہاجرین کے ہمراہ واپس آ گئے۔ انہوں نے اخبار میں لکھا "سوائے کابل میں مہاجرین کے لیے کسی قسم کا انتظام نہیں تھا۔ پشاور وغیرہ میں جو بے دین لوگوں نے مشہور کیا ہوا تھا کہ امیر کابل کی طرف سے اعلیٰ سواری کا انتظام ہے، یہ افواہ بالکل بے اصل

[1] پیسہ اخبار ـ ۱۷ راگست ۱۹۲۰، صفحہ ۶ [2] اوراق گم گشتہ ـ صفحہ ۸۱۷، ۸۱۸

[3] اوراق گم گشتہ ـ صفحہ ۸۲۰ [4] پیسہ اخبار ـ ۱۹ راگست ۱۹۲۰، صفحہ ۲

تھی۔ سکھانے پڑھانے کا کوئی طریق نہیں تھا۔ جبل السراج میں محض آٹے کا حکم تھا۔ کابل میں آکر امتحان دیا، کامیاب ہونے کے بعد بوجہ عدم الحصول الحاجت کے اپنا خرچ کرتے تھے۔ ایک وقت کے سوا کسی قسم کی پرسش نہیں تھی۔۔۔ مہاجرین کی جماعت تعداد اور شمار سے باہر تھی۔ سب کو جواب دیا گیا کہ جہاں چاہو، وہاں چلے جاؤ، اب وہ یہاں نہیں سما سکتے۔[1]

مہاجرین کو آگے کر پیچھے ہٹنے والے

پیسہ اخبار کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم نے مولوی عبدالقادر کے بیان کے ساتھ اداریہ نوٹ میں لکھا: "جو لوگ افغانستان سے اب واپس آ رہے ہیں، ان کی تکلیف اور مصائب کی کوئی حد نہیں رہی ہے۔۔۔ قریب دو ماہ کا عرصہ گزر رہا ہے، میں نے مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار کو ایک روز لاہور کے ایک ہوٹل میں صلاح دی تھی کہ مسئلہ ہجرت کی حالت اس وقت نہایت مذبذب اور مشکوک ہے۔ اس لیے دو تین نہایت معتبر آدمیوں کا ایک وفد افغانستان کو بھیجنا چاہیے۔ جس میں ایک دو آدمی اس گروہ سے بھی ہوں جو افغانستان کے انتظام، آزمائش کی نسبت شک رکھتے ہیں تاکہ واپس آ کر جو رائے وہ دیں، اس پر سب لوگ عمل کریں۔ افسوس ہے کہ جن لوگوں نے مہاجرین کو اکسایا اور ان کی پیٹھ ٹھونکی، انہوں نے اس پہلو میں اپنا فرض کما حقہ ادا نہیں کیا۔"[2]

آپ بیتیاں

سول اینڈ ملٹری گزٹ کے حوالے سے پیسہ اخبار میں ایک کلرک مہاجر کے حالات شائع ہوئے جو ۲۴ر جون ۱۹۲۰ء کو ملازمت چھوڑ کر مہاجرین سندھ کے پہلے قافلے کے ساتھ افغانستان گئے۔ انہوں نے اپنے قافلے کے بارے میں بتایا کہ یہ قافلہ پشاور سے لنڈی کوتل، ڈکہ، جلال آباد، گندمک وغیرہ سے ہوتا ہوا کابل پہنچا۔ یہاں امیر صاحب نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ کابل سے قافلہ جبل السراج پہنچا۔ جبل السراج ایک پہاڑی اور غیر آباد علاقہ ہے۔ اس میں ایک پرانا قلعہ ہے۔ جس میں قریباً ۲۰ سو آدمی رہ سکتے ہیں۔۔۔۔

[1] پیسہ اخبار۔ ۹ر ستمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲ [2] ایضاً

افغانستان کی سرزمین میں انہیں دو پیسے فی روٹی اور ملعونہ ٹیکس فی کس ادا کرنا پڑا جس کے لیے انہیں کوئی رسید نہ دی گئی۔۔۔ امیر صاحب نے مہاجرین کے استقبال اور خیر مقدم کے لیے کوئی انتظام نہ کیا تھا۔ امیر صاحب نے مہاجرین کے لیے صرف ۳۰ ہزار روپیہ دیا۔ جس میں سے سب کو چھٹے روز ایک سیر آٹا مفت ملتا تھا۔ اس کلرک نے یہ بھی بتایا ہے کہ اب تک تقریباً ۲۰ ہزار مہاجرین واپس آ چکے ہیں۔ ان میں سے کئی رستے میں بھوک اور پیاس کی وجہ سے مر گئے۔۔۔ پٹھانوں نے مہاجرین سے کوئی رعایت یا نرمی کا سلوک نہ کیا۔ بلکہ مہاجرین سے انہوں نے بہت سا روپیہ کمایا۔"[1]

مہاجرین کے متعلق آخری خبر یہ آئی کہ اول اول جب مہاجرین کابل پہنچے تو امیر صاحب نے ان کو مختلف دیہاتوں میں تقسیم کرنا شروع کیا تھا مگر انہوں نے اس تجویز کو صرف اس لیے رفت گزشت کیا تھا کہ کہیں وہ وہاں جا کر بدامنی پیدا نہ کریں۔ اس پر امیر صاحب نے فیصلہ کیا کہ ان سب کو افغانستان کے ایک دور دراز کے علاقہ میں بھیج دیا جائے جو کوہ ہندوکش کے پار واقع ہے۔ وہاں پر لوگ امیر صاحب کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ چند مہاجرین اس علاقہ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ اب امید نہیں ہے کہ وہاں پہنچنے کے بعد وہ پھر کبھی ہندوستان کا منہ دیکھیں۔[2]

پیسہ اخبار نے لکھا کہ مہاجرین کی ہندوستان واپسی سے جنرل نادر خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ وہ بستر پر پڑ گیا ہے اور اس کی جگہ اس کا بھائی جلال آباد میں کام کر رہا ہے جسے اس کے خیالات سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اس نے مہاجرین کو خوراک رہائش کے انتظام کی درخواستوں پر التفات نہیں کیا۔ بہت سے مہاجر ملک میں جا بجا واپسی کے لیے بھیک مانگ رہے ہیں۔[3]

دس دن بعد اخبار نے لکھا۔ "خیبر واپس آ کر چھ سو مہاجرین نے بیان کیا کہ ان کے متعلق افغانستان میں کوئی انتظامات نہیں کیے گئے۔ ان کے ساتھ سختی اور ظلم کیا گیا۔ واپس آمدہ مہاجرین نے کئی دردناک باتیں بیان کی ہیں۔ یہ مہاجرین کھلے طور پر ملاؤں اور ہجرت کمیٹیوں کو گالیاں دیتے

[1] پیسہ اخبار۔ ۴ر ستمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱ [2] پیسہ اخبار۔ ۳ر ستمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۶

[3] پیسہ اخبار ۲۴ر اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۶

ہیں۔ ایک رپورٹ مظہر ہے کہ افغانستان سے ۵ سو مہاجر لنڈی کوتل واپس آ رہے ہیں جو اس ملک سے برداشتہ خاطر ہیں جو ان سے افغانستان میں کیا گیا۔[1]

مہاجرین کی ایک جماعت نے واپس آ کر بیان کیا کہ کابل پہنچنے پر انہیں تین دن سرکاری طور پر خوراک دی گئی۔ انہیں کئی دن شہر سے باہر اور سڑکوں پر گزارنے پڑے۔ اس کے بعد امیر کا حکم ملا کہ مہاجرین کو اپنے کھانے کا انتظام خود اپنے خرچ سے کرنا چاہیے۔ روپیہ ختم ہونے پر انہیں اپنے کپڑے بیچنے پڑے اور چند دن کے لیے وہ خوراک حاصل کر سکے۔ پھر انہوں نے امیر سے درخواست کی کہ ہم آپ کے فرمان کی تعمیل میں آئے ہیں اور اب فاقے کر رہے ہیں۔ چار دن بعد یہ درخواست وزیر خارجہ کی معرفت اس حکم کے ساتھ واپس ملی کہ خزانۂ افغانستان تمہاری پرورش کے لیے ناکافی ہے۔ دوسری درخواست دی تو امیر صاحب نے غائبانہ جواب دیا کہ اس کے پاس مہاجرین کے لیے نہ روپیہ ہے، نہ سامان اور یہ کہ انہیں امیر کی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں جانے کی اجازت ہے۔[2]

"پیسہ اخبار" نے ایک ثقہ اور معتبر مسلمان مہاجر کا ایک طویل بیان شائع کیا جس کے بعض اقتباسات یوں ہیں: "افغانستان کے لوگ بوجہ کمال افسوس کے مسافر کو راستہ بغیر اجرت کے نہیں بتا سکتے تھے۔۔۔۔ ایک پٹواری واسکٹ اگر کسی سرکاری ملازم کو دے دی جائے، وہ ایک ماہ کامل ہاتھ پاؤں چومتا ہے گا ورنہ سلام کے جواب میں گالی دے گا۔ کابل سے لے کر جبل السراج تک کل علاقہ میں یہی حال ہے۔ راستے میں جگہ جگہ سوکھی روٹی پندرہ پیسے کر دیتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ہم افغانستان کے مہمان ہیں، ہمارے ساتھ کچھ رعایت کرنی چاہیے، جواب اس کا قریب لڑائی کے دیتے ہیں۔ کابل کی ایک ایک دکان کی یہی حالت ہے۔ بازار میں پانی کا گلاس پیسہ اور دو پیسہ کو بکتا ہے۔ روٹی کی دکان سے روٹی نکالی جائے تو پانی ساتھ نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے، میری دکان

۱۔ پیسہ اخبار۔ ۲۲ اگست ۱۹۲۰ء ۲۔ پیسہ اخبار۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء۔ ص ا

۳۔ یعنی ۱۹۲۰ء کے پورے چار آنے۔

روٹی کی ہے، پانی کی نہیں ہے۔۔۔۔ افسران فوج ہم مسافروں سے طمع رکھتے تھے۔ اکثر ہمارے مسافر بھائی ان کی دعوت کیا کرتے تھے۔۔۔۔ مسافرین کابل جب کابل پہنچے تو اہل پشاور کو جناب غلام رضا خان صاحب لے گئے۔ ان کے ڈیرے باغوں اور کھیتوں کے منڈیروں پر قائم ہوتے۔ پردہ نشین عورتیں بے پردہ ہوتیں۔ خواب گاہ کے پاس ہی جائے ضرور ہوتا تھا۔ بے حجابی اور تنگی کی کوئی حد نہیں تھی۔ ارباب صاحب ہر وقت رفع مشکلات کے لیے امیر صاحب سے درخواست کرتے تھے، شنوائی وہاں از جملہ محالات تھی۔۔۔ وہاں رات کو اکثر چوری ہو جایا کرتی تھی۔ صبح کو مسافر روتا پیٹتا تھا۔ کوئی ہمدرد تھا اور نہ کوئی غمگسار۔۔۔۔ باشندگان افغانستان کے دل میں کسی قسم کا رحم نہ آیا۔ روپیہ کے سامنے ان کا عہد، دوستی، دشمنی، سب کچھ گم ہو جاتا ہے۔ امیر صاحب کابل نے تو واپسی کی اجازت دے دی لیکن وہاں کا ہر ایک حاکم اپنی سلطنت کا ہے۔ ہر ایک بڑا آدمی مسافروں کو بند کر دیا کرتے تھے۔ بہت سی گالیاں دے کر ایک دو دن کا فاقہ چکھا کر رخصت کیا کرتے تھے۔ جلال آباد سے مسافروں کے دو گروہ ہوئے۔ ایک گروہ سیدھا سڑک پر درۂ خیبر کو آ گیا۔ دوسرا گروہ حاجی صاحب ترنگزئی (ترنگ زئی) کی طرف چلا گیا۔ ان سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ روپیہ، کپڑا، بستر وہ سے صاف اور پاک لے گئے۔ جو نوجوان اور خوب صورت عورتیں تھیں، ان کو پٹھان جبراً اٹھا لے گئے۔ چند آدمیوں کو قتل اور چند کو زخمی کر گئے۔ مہمند پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے تھے، مسافر نیچے تھے۔ ان کو اوپر سے گولیاں ماریں، پھر نیچے آ کر تلاشی لے کر سب کچھ لے گئے۔ چند ہزار کا قافلہ ایک مہمندی خان کے علاقے میں جا کر منتشر ہو گیا۔ اس نے سب کو اپنے قلعہ میں بلایا، سب کو اچھی طرح روٹی کھلائی۔ پھر جاتے وقت سب کو کہہ دیا کہ خالی ہاتھ چلے جاؤ، سامان کو بالکل ہاتھ نہ لگاؤ۔ روٹی دے کر ہزارہا روپے لے لیے۔ اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں۔ عبدالحق خان ساکن تنگی والے کی گھوڑی عیدگاہ کے میدان سے چرا لے گئے۔ یوسف زئی علاقے کا ایک شخص تھا، اس کا کل سامان نقدی، پوشاک اس کا اور اس کی اہلیہ اور دیگر اطفال کا سب کچھ چرا لے گئے، صبح کو روٹی کا محتاج تھا۔۔۔۔ اہل افغانستان نہایت بدگمان

لوگ ہیں۔ ہر ایک کو خطاب مخبر اور جاسوس کا دیتے ہیں۔ کابلی لوگ ہندی کو بے ایمان اور بے دولا کا خطاب عطا کرتے تھے۔ ایک جگہ ایک مسافر پیاس کے مارے گدھے سے نیچے گر پڑا، گدھے والے کو کہا، پانی پلا۔ اس نے کہا، ایک روپیہ دو گے تب پانی پلاؤں گا۔۔۔۔۔ بہت لوگ جوتی پگڑی فروخت کر کے ننگے سر اور ننگے پاؤں چلتے تھے۔ ہزارہا عورتیں پاپیادہ آہ و فغاں کرتی ہوئیں مسافت طے کرتی تھیں۔ ہزارہا وضع حمل (!) ہوئے۔ اس کا گناہ جھوٹے اخبار نویسوں کے ذمہ ہے۔ امیر کابل نے کسی فرد بشر کی ایک ہفتہ دعوت نہیں کی، کسی فرد بشر کو ایک روپیہ نہیں دیا۔ یہ اخبار نویس تحریر کرتے تھے کہ دو ماہ امیر کابل دعوت دیتے ہیں۔ دونوں وقت پلاؤ ملتا ہے۔ دو روپے جیب خرچ ملتا ہے۔۔۔۔۔ یہ سب جھوٹ تھا۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین ثم لعنۃ اللہ علی الکاذبین[1]

قطغن

"زمیندار" نے تو مہاجرین کی مشکلات کا کبھی ذکر نہیں کیا اور جب ہجرت بند ہو گئی اور لوگ واپس آ رہے تھے، اس وقت تک "زمیندار" ہجرت کی تبلیغ میں مصروف رہا۔ لیکن "پیسہ اخبار" کا کردار ہجرت کے معاملے میں ہمیشہ درست رہا۔ ۱۹ راگست کے شمارے میں تھا کہ بعض مہاجرین نے درخواست کی کہ ان کو شمال کی جانب بھیجیں اور خدمت اسلام کے لیے جانے دیا جائے مگر اجازت نہیں ملی۔ البتہ وہ قطغن واقع ترکستان آباد ہونے کے لیے بھیجے جائیں گے۔ وہ جگہ ہندوستانی نوآبادی کہلائے گی اور اس کا انتظام افغانی افسروں کے ہاتھوں میں ہو گا۔"[2]

عزیز ہندی کہتے ہیں کہ انجمن مہاجرین ہند کے پہلے جلسے کے بعد حکومت افغانستان نے صدر انجمن کے ذریعے تجویز دی کہ مہاجرین کو قطغن (ترکستان) میں آباد کیا جائے۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور گورنمنٹ کے چند اور ہمنوا چاہتے تھے کہ اس تجویز پر فوراً عملدرآمد شروع کر دیا جائے مگر میں نے

[1] پیسہ اخبار - ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء - صفحہ ۱
[2] پیسہ اخبار ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء - صفحہ ۲

کسی انتظام کے بغیر فوری عملدرآمد کو معقول نہ سمجھا۔ کابل سے قطغن پورے ایک ماہ کا سفر تھا۔ ہم نے اندازہ کیا کہ ایک کروڑ افغانی کے مصرف سے یہ سفر ممکن تھا۔ ہمارے اندازے کی خبر افغانی حکومت تک پہنچی تو قطغن کی طرف مہاجرین کی حرکت کی تجویز پر اوس پڑ گئی۔ پھر بھی جن مہاجرین میں مالی استطاعت تھی، وہ تقریباً دس ہزار کی تعداد میں ہجرت کر کے اس سرزمین پر جا بسے۔[1]

قطغن یا قطغان کے بارے میں پیسہ اخبار نے لکھا: "امیر افغانستان اتحاد مشرقی" میں قطغان میں مہاجرین ہند کی نوآبادی قائم کرنے کا جو اعلان کیا گیا تھا، ممکن ہے کہ اس سے اہل ہند نے اس علاقہ کو دودھ و شہد کا ملک سمجھا ہے۔ ایک شخص کے چشم دید حالات اس کے متعلق یہ ہیں کہ قطغان مضر صحت ہے۔ اور موسم سرما میں وہاں بہت سردی ہوتی ہے۔ وہ بہت مرطوب ہے اور دلدل سے معمور ہے۔ خود افغانوں کی سکونت کے لیے موزوں نہیں ہے اس لیے اسے ازبکوں کو دیا گیا ہے۔ اس علاقہ کی وادیوں اور جھاڑیوں سے بخار پھیلا کرتا ہے اور موسم گرما میں وہاں بے حد گرمی ہوتی ہے۔"[2]

مصائب و مشکلات

کرنیل اصغر علی خاں نے ضلع پشاور کا دورہ کیا، ان کا بیان اخبار میں چھپا کہ جب آخری قافلہ مہاجرین کا افغانستان سے واپس آ رہا تھا تو میں اسے جمرود میں ملا۔ اس کے بہت سے مہاجر بے زر و بے سامان تھے۔[3]

جماعت مبارکہ انصار الاسلام کے اجلاس اول منعقدہ بریلی بتاریخ ۲۲ تا ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ میں فقیر اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی نے اپنے خطبہ صدارت میں ہجرت کرنے والوں کا حال زار ان الفاظ میں بیان کیا: "جنہوں نے خود ان کی زار و نزار حالت کا مشاہدہ کیا کہ کس طرح یہاں سے اپنی املاک و جائیداد و مال و متاع کوڑیوں کے مول بیچ کر بلکہ مفت چھوڑ کر بلکہ آگ لگا کر گئے۔ راہ میں کیا کیا صعوبتیں اٹھائیں۔ پھر ہجرت گاہ میں پہنچ کر کیسی کیسی آفتیں جھیلیں۔ کتنے بیچارے

[1] اوراق گم گشتہ - صفحہ ۸۲
[2] پیسہ اخبار - ۳۱ اگست ۱۹۲۰ء - صفحہ ۱
[3] پیسہ اخبار - ۱۹ ستمبر ۱۹۲۰ء / ۲ محرم ۱۳۳۹ھ) صفحہ ۵

نے ہندوؤں اور ان کے پس روؤں کے ہجروں میں سسک سسک کر جانیں دیں اور کتنے جو وہاں سے با حال تباہ بصد نالہ و آہ واپس آئے، وہ یہاں تباہ و پریشان ہیں۔[1]

حاجی فیض محمد خاں کہتے ہیں کہ جب یہ جلال آباد پہنچے تو ان دنوں جلال آباد میں کافی مہاجر جمع ہو گئے تھے لیکن ان کی حالت قابل رحم تھی۔ وہاں ان کی رہائش اور خوراک کے لیے مناسب انتظام نہیں تھا اور وہ نہایت کس مپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے۔۔۔۔ مقامی لوگوں کی بے رخی دیکھ کر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرے قدم بھی کچھ ڈگمگائے اور میں نے بیزاری کے عالم میں اپنے ملک واپس جانے پر غور کرنا شروع کر دیا۔[2]

ظفر حسن ایبک "آپ بیتی" میں لکھتے ہیں: "قافلے پے در پے جلال آباد اور وہاں سے کابل پہنچنے لگے۔ شروع میں ان کو خیموں میں چمن حضوری میں جگہ دی گئی لیکن ان سب کے لیے قابل اطمینان انتظام ناممکن تھا۔ بے چاری پردہ پوش عورتیں وہاں سخت مشکلات میں مبتلا ہوئیں بعض بد اخلاق کابلیوں نے ان پر دست اندازی بھی کی۔ بعض لوگوں نے تو روٹی اور کھانا خریدنے کے لیے اپنا اثاثہ البیت بھی فروخت کرنا شروع کیا جس کو کابلیوں نے آدھے دام بھی نہ لیا۔ ان لوگوں کا فارسی زبان سے بے بہرہ ہونا، ان کی بے مائیگی، پردیس اور اس پر وفادار دوستوں کا فقدان، یہ سب ایسی مصیبتیں تھیں جن کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے ان کو خود دیکھا اور ان کا سامنا کیا ہو۔[3]

مہاجرین کی مشکلات کا ایک اور انداز بھی ملاحظہ ہو۔ بلوچستان کے ایک سردار جن کا نام محمد اسلم خان تھا، اپنے چند ایک لوگوں کے ساتھ کابل تک پہنچ گئے تھے، وہ افغانستان ہی میں بس گئے۔ لیکن ان کو بھی بہت سی مالی مشکلات کا سامنا ہوا اور افغانی گورنمنٹ کے وظیفہ خوار

[1] خطبہ صدارت جماعت مبارکہ انصار الاسلام۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ۔ مطبوعہ مطبع صبح صادق سیتاپور۔ ۱۳۴۰ھ۔ صہ ۲۹۔ [2] ہجرت افغانستان۔ صہ ۲۵ [3] ظفر حسن ایبک آپ بیتی حصہ اول۔ منصور بک ہاؤس، لاہور۔ س ن۔ صہ ۲۱۲

بننے پر مجبور ہو گئے۔[1]

عزیز ہندی لکھتے ہیں: "وہ غیور بھی تھے جنہوں نے افغانستان کی خاک میں مرمٹنا گوارا کیا مگر انگریزوں کی حکومت تلے واپس لوٹنا انہیں منظور نہ ہوا۔ ان میں سے بعض کی داستانیں ایسی ہیں جن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"[2]

مولانا احمد علی لاہوری کی سوانح عمری "مرد مومن" میں ہے: "برفانی علاقے میں کھیتی باڑی کرنا ان کے (مہاجرین ہند کے) بس کی بات نہ تھی، چنانچہ اکثر لوگ سردی اور بھوک سے مر گئے۔ جو باقی بچے، وہ بھی موت و زیست کی کش مکش میں مبتلا تھے۔ حالت یہ تھی کہ مُردے چھ چھ دن تک بے گور و کفن پڑے رہتے تھے۔ بیماروں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔۔۔ اس زبوں حالی کی طرف حکام کی توجہ دلائی جاتی تو وہ سخت بے رخی سے پیش آتے۔"[3]

واپس نہ آنے والے مہاجرین

ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں: "مہاجرین میں سے تقریباً ۷۵ فیصد ہندوستان واپس آ گئے۔ باقی یا وہیں رک گئے اور افغانوں میں مدغم ہو گئے یا روس اور ترکی منتقل ہو گئے۔ ان میں سے ایک خاص تعداد راستہ ہی میں مختلف امراض اور دیگر وجوہات کے نتیجہ میں جاں بحق بھی ہوئی۔۔۔ صوبہ سرحد سے کابل تک جانے والے راستے کے اطراف مہاجرین کی قبریں بن گئی تھیں۔۔۔ ایک عینی شاہد کے مطابق درۂ خیبر قبروں سے اٹا پڑا تھا۔"[4]

بعض مہاجرین نے افغانستان کے سلوک سے دل برداشتہ ہو کر ایران جانے کا فیصلہ کر لیا۔ حاجی فیض محمد خاں کہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ مہاجر وہاں (ایران) پہنچیں، ترک انقلابی رہنما انور پاشا نے جو امیر امان اللہ خاں پر اثر رکھتے تھے، امیر کو انہیں روکنے کا مشورہ دیا کہ اس طرح افغانستان کی حکومت بدنام ہو جائے گی۔ چنانچہ مہاجرین راستے سے واپس

[1] آپ بیتی حصہ اول۔ صہ ۲۱۵ [2] اوراق گم گشتہ۔ صہ ۸۲۴
[3] عبدالحمید خاں۔ مرد مومن۔ صہ ۵۶ [4] تحریکات ملی۔ صہ ۲۲۹

آنے پر مجبور ہو گئے۔[1] لیکن کچھ مہاجر بہر حال ایران پہنچے اور پھر وہاں سے عراق، شام، ترکی اور حجاز وغیرہ نکل گئے۔ ویسے اس کا کل عرصہ دس برسوں پر محیط رہا (۱۹۳۰ء) تک، اس وقت تک یا تو مہاجرین واپس ہندوستان آ گئے یا منتشر ہو گئے۔[2]

مزید کہانیاں

جمعیت علماء ہند یا خلافت کمیٹی کے بعض علماء کے فتووں کی وجہ سے خانماں برباد ہونے والے مسلمانان ہند کی افغانستان میں مشکلات کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ ریکارڈ مرتب کرنے کی غرض سے بعض واقعات یا بعض عینی شاہدوں کے بیانات کے کچھ حصے ترتیب دیے جا رہے ہیں۔ صالح محمد سابق سب انسپکٹر پولیس سندھ سے ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی کہانی کا کچھ حصہ "پیسہ اخبار" میں چھپا۔ کہتے ہیں "ڈکہ و لنڈی کوتل کے درمیان تین مہاجرین بھوک پیاس کے باعث سڑکوں پر گر پڑے اور مر گئے۔ ہم گھنٹوں پانی کے لیے چلاتے تھے مگر کوئی انتظام نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ دو مردہ مہاجرین کو دریائے کابل میں پھینک دیا گیا تھا۔ ایک کو ڈکہ میں دفن کیا گیا۔۔۔ چھوٹے بچے بڑی تعداد میں مر گئے۔"[3]

حاجی فیض محمد خان کی یادداشتوں میں ہے: "انھی ایام میں حکومت افغانستان نے اچانک ایک عجیب اور سنگین فیصلہ کیا یعنی انھوں نے سرکردہ مہاجروں کو جمع کر کے بذریعہ پولیس جبراً کابل سے نکلوا دیا۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے خاص رفیقوں کو چھوڑ کر باقی سب کو کابل سے باہر لغمان بھیج دیا گیا۔ یہ قصبہ کابل سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے۔ راستے میں ہمارے ساتھ بڑی بدسلوکی ہوئی اور پولیس کا رویہ سخت بے دردی کا تھا۔"[4]

جاسوس مہاجرین

حکومت افغانستان نے مہاجرین کا داخلہ روک دیا تو یہ خبر بھی آئی کہ امیر کابل نے ایک اور کمپنی فوج کی سرحد کی فوجی چوکی پر تعینات کی ہے جو وہاں کی فوج کو مہاجرین کے روکنے میں مدد دے گی۔ امیر نے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ مہاجرین

---

۱ ہجرت افغانستان۔ صفحہ ۵۰، ۹۰ ۲ اوراق گم گشتہ صفحہ ۸۱۳/ تحریکات ملی۔ صفحہ ۲۲۴: ۲۲۵

۳ پیسہ اخبار۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۰ء ۴ ہجرت افغانستان۔ صفحہ ۵۶

بلکہ بعض اغراض سے اور افغانستان میں بدنظمی پھیلانے کے لیے آ رہے ہیں۔ ۴ سو مہاجرین جاسوس قرار دیے گئے ہیں، وہ کابل میں قید ہیں۔[1] مہاجرین پر جاسوسی کے الزام تو افغان حکومت بہت لگاتی ہے۔ جولائی میں بھی ۹ مہاجرین کو جاسوسی کے الزام میں داغ کر انھوں نے واپس بھیج دیا تھا۔ اسی پر "داغ سرین" کے عنوان سے "زمیندار" نے لکھا: "اب ہمیں اپنے معزز و موقر معاصر "سول اینڈ ملٹری گزٹ" سے معلوم ہوا ہے کہ ان دس میں سے چھ مہاجرین واپس آ گئے ہیں۔۔۔ جناب "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اس کے ساتھ ہی رقم طراز ہیں کہ مندرجہ بالا مہاجرین قافلہ کے ہمراہ نہیں گئے تھے بلکہ علاقہ مہمند میں سے گزر کر افغانستان پہنچے تھے۔ اس سے افغانوں کو شبہ ہوا کہ وہ جاسوس ہیں چنانچہ ان کے چوتڑوں پر داغ دے کر انھیں واپس بھیج دیا گیا۔۔۔۔ ہم عصر "انگلش مین" کو خداوند یسوع مسیح کا ہزار ہزار شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس میں سے ۶ تو واپس آ گئے۔ اگرچہ داغ سرین کا مستقل اور دوامی تمغہ دولت افغانستان سے ساتھ لے آئے لیکن جان تو بچ گئی۔"[2]

"زمیندار" کی طرح ہجرت کے ایک اور مبلغ ہفت روزہ "اہل حدیث" نے اس واقعے پر یوں خامہ فرسائی کی: "عجیب خبر آئی ہے کہ افغانستان کے مہاجرین میں سے چھ مہاجرین کو حکومت افغانستان سے (نے)، باستثناء جاسوسی گرم پیسے سے سرین پر داغ لگا کر واپس کر دیا۔ (قرآن شریف میں تو ناک پر داغ لگانے کا ذکر ہے۔ سنسمہ علی الخرطوم۔ سرین پر کون دیکھے گا)"[3]

ان ۶ "جاسوسوں" کے نام یہ تھے: "محمد خان سکنہ کوہاٹی پشاور، احمد بخش شیر فروش پشاور، عبدالرحیم گاڑی بان پشاور، راجہ بازو حجام، غلام علی موچی اور سادہ گاڑی بان پشاور۔"[4]

ایسوسی ایٹڈ پریس کے تار کے حوالے سے خبر چھپی کہ "کابل میں تقریباً ۴ ہزار مہاجرین جاسوسی

---

۱ پیسہ اخبار ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ ۲ زمیندار۔ ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

۳ اہل حدیث، امرتسر۔ ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء (۱۲ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ) صفحہ ۱۱

۴ پیسہ اخبار۔ ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء۔ صفحہ ۶ /

زمیندار ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے۔[1]

حاجی فیض محمد خان نے لکھا ہے کہ ایک دن قاضی عبدالولی جیسے ممتاز رہنما اچانک غائب ہو گئے۔ کافی جستجو کی گئی مگر کچھ پتا نہ چلا۔ بالآخر مولانا عبیداللہ سندھی نے حکومت سے ان کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا کہ حکومت نے ان کو تبدیلیٔ آب و ہوا کے لیے میمیان کام مرد، علاقہ بلخ بھیجا ہے۔ پھر بی اماں (علی برادران کی والدہ) نے امان اللہ خان کو خط لکھا تو ان کی رہائی عمل میں آئی۔ انہیں انگریزوں کا مخبر سمجھ کر قید کر دیا گیا تھا۔[2]

مہاجر ڈاکوؤں کے نرغے میں

درۂ خیبر کے راستے ہزار مہاجرین اگست کے اواخر میں واپس آئے تو انھوں نے بتایا کہ ان کی بہت سی چیزیں ننگرہاریوں نے چرا لیں۔ سفر میں کسی جگہ کوئی جائے پناہ نہیں مل سکی اور ان کے ہاتھ سے بکتی ہوئی ایک روٹی کی قیمت ۴ آنہ دینی پڑی۔ اور بعض جگہ تو پینے کا پانی مول لینا پڑا۔ بہت سی عورتیں اور بچے تمازتِ آفتاب، سردی، تھکاوٹ اور پیاس سے ہلاک ہو گئے۔ واپسی پر ایک افغان سپہ سالار نے ہمارا راستہ جلال آباد سے اوپر روک لیا اور اس کے خلاف ناراضگی ظاہر کرنے پر ایک مہاجر کو گولی سے مار دیا گیا۔ سرحدداروں نے ڈکہ میں ہر مہاجر سے ۴ روپیہ ٹیکس وصول کیا۔[3] جو مہاجر علاقہ مہمند سے ہو کر شبقدر پہنچے ان کو مہمندیوں نے لوٹ لیا اور مقابلہ کرنے والے مہاجر کو قتل کر ڈالا۔[4]

مہاجرین کے واپس آنے کی خبر دیتے ہوئے 'پیسہ اخبار' نے لکھا: "باقی مہاجرین کی افغانستان میں قابلِ رحم حالت ہے۔ ان میں سے بعض فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ ان کو شکایت ہے کہ انہیں افغانوں اور سرحدی لوگوں نے لوٹ لیا...... ان کو ناقابلِ بیان تکالیف کا سامنا ہوا ہے۔ غالباً یہ بات کبھی نہیں معلوم ہو سکے گی کہ سردی اور دیگر اسباب سے افغانستان میں کتنے مہاجرین فوت ہوئے اور یہ کہ جو لوگ ترکستان بھیجے گئے ہیں، ان کا انجام کیا ہوا۔"[5]

---

۱ پیسہ اخبار - ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۱ ۲ ہجرت افغانستان - صہ ۲۹

۳ پیسہ اخبار - ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء ۴ پیسہ اخبار یکم ستمبر ۱۹۲۰ء ۵ پیسہ اخبار ۱۱ ستمبر ۱۹۲۰ء صہ ۵

راستے میں مہاجرین جس طرح لوٹ مار کا شکار ہوئے، اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔ گرداب کے سردار خان نے مہاجرین کو پناہ دے کر کھانا کھلایا۔ مگر تین دن بعد ان کا تمام مال لوٹ کر ان کو نکال دیا اور میلوں تک ان کا تعاقب اپنے آدمیوں سے کرایا۔ راستہ میں گاؤں والے ان کو ستاتے ہیں۔ وہ بغیر مردوں، عورتوں اور بچوں کو لوٹ لیتے ہیں۔[1]

بنوں و وزیرستان کی تاریخ میں ہے کہ ہرک نامی ایک ڈاکو قافلوں کو لوٹتا تھا۔ حاجی عبدالرحمان خان اور ملک غلام جیلانی (گڑھی کے رہنے والے) نے ہرک کو گرفتار کیا اور قوم کے سامنے اس کو سنگسار پتھروں سے مار دیا۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ جن میں ایک سید اکبر تھا۔ سید اکبر کو انگریز اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کو سرکاری وظیفہ ملتا تھا۔ یہ ایبٹ آباد میں رہتا تھا۔ یہی بعد میں ۱۹۵۱ء میں پنڈی میں لیاقت علی خان کا قاتل بنا۔[2]

حاجی فیض محمد خان رہزنی کے بارے میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ مولانا عبیداللہ سندھی کا کوئی رقعہ لے کر کابل سے چلے۔ کوٹا خیل علاقہ مہمند کے قریب پہنچے تو ان کے ساتھی انہیں کوٹا خیل کے بارے میں بتا کر کہ سامنے پہاڑ کے دامن میں ہے، خود اپنے گھر رات گزارنے چلا گیا۔ اس کے رخصت ہونے کے بعد تین چار فرلانگ کے فاصلے پر مسلح ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کیا۔ بندوقیں تان کر گھڑی، سونے کی انگوٹھی، رومال اور مشہدی لنگی چھین لی، نقدی بھی نکال لی۔ لیکن یہ معلوم ہونے پر کہ وہ مولانا عبیداللہ سندھی کے قاصد ہیں، ان سے معذرت کی اور لوٹا ہوا سامان واپس کر دیا۔[3]

عزیز ہندی کی گواہی

عزیز ہندی مہاجرین ہند کی مشکلات کے حوالے سے کہتے ہیں: "مہاجرین ہزاروں کی تعداد میں کابل سے باہر عیدگاہ کے وسیع میدان میں

---

۱ پیسہ اخبار - ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶ ۲ گل ایوب خان سیفی، بنوں اور وزیرستان تاریخ (پشتو)، نذیر میڈیکل سٹور بنوں - ۱۹۶۹ء، صہ ۲۳۶، ۲۳۷ - (ترجمہ محترم شاہ اشتخان نے کیا)

۳ ہجرت افغانستان - صہ ۴۰، ۴۱

ڈیرے ڈالے پڑے ہوئے تھے۔ لوگ اِدھر اُدھر اطراف شہر سے آتے اور ہمدردانہ انداز میں مہاجرین کے
گروہوں سے مل کر کہتے کہ انہوں نے نیاز نذر پکائی ہے، کسی کو برتن وغیرہ دے کر ان کے ساتھ کر
دیں کہ ہم ان میں کھانا ڈال کر بھیج دیں۔ اور جب ایسے لوگ ان کے ساتھ جاتے تو دو آدمی آدھی راہ
گئے ہوتے، پیچھے واپس کیمپ میں پہنچتے اور کہتے کہ انہیں ایک کوچہ بندی کے سرے پر لا کر کھڑا کر دیا
اور کہا گیا تھا کہ ہم ابھی اندر گھر سے کھانا آپ کے برتنوں میں لائے دیتے ہیں۔ لیکن نہ کھانا ہی آیا
نہ ہی برتن واپس آئے ... اسی طرح بعض لوگوں نے ان سے نقد روپے پیسے بھی بٹورنا شروع کر
دیئے تھے ... لوگ ان (مہاجرین) کے پاس آتے اور اپنا سکہ دے کر ان سے ارزاں داموں پر
ہندوستانی کلدار خریدتے۔ بعض ہندو صرافوں نے بھی اس طریق سے اپنے ہاتھ خوب رنگے تھے
... افواہیں قصر سلطانی سے نکل کر پایہ تخت کے اہل الرائے حلقے میں پھیلنی شروع ہو چکی تھیں کہ
سردار محمود طرزی درپردہ امیر امان اللہ خان کو آگاہ کر گئے ہیں کہ اگر انگریزوں سے اپنے ملک کی آزادی
منوانا چاہتے ہو تو اوّل تحریک ہجرت کو بند کرو اور دوسرے ان مہاجرین کو جو افغانستان میں وارد
ہو چکے ہیں، ایسے مقامات پر آباد کرنے کی کوشش کرو جو انگریزی سرحدات سے کافی فاصلے پر ہوں۔[1]

برادران یوسف کے مثیل

مولانا ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر اہل حدیث امرتسر ہجرت کے بڑے
مبلغ تھے۔ مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار لاہور کی طرح یہ
بھی کافی عرصے تک ہجرت بند کرنے اور مہاجرین کے افغانستان میں داخلے پر پابندی کی خبروں کو
مانتے ہی نہیں تھے۔ لیکن جب پوری صورت حال سامنے آ گئی تو انہوں نے لکھا: "مسلمانانِ ہند کا
سوال ... اس عمل اور برتاؤ سے ہے جو برادران افاغنہ نے غریب الوطن مہاجرین کے ساتھ کیا جس
کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ مہاجرین کو نہ ٹھہرنے کی جگہ، نہ سامان اتارنے کا مکان۔ برتن ہاتھ میں
لے کر مہاجر کوئی چیز خریدنے کو بازار میں جاتا ہے تو بازاری دکان دار کہتے ہیں (دے فروشی؟)
پوچھتا ہے، آخر کار تنگ آ کر مہاجرین میدان عیدگاہ میں ڈیرہ لگاتے ہیں۔ نہ ان کو کوئی شغل دیا

[1] اوراق گم گشتہ - صفحہ ۸۲۳ - ۸۲۴

جاتا ہے، نہ کام۔ اب پھر کسی خاص مصلحت سے آواز آتی ہے کہ ہجرت کی اجازت ہے۔ اے افغانستان!
ہندوستان تجھ کو ایک قابل برادر جانتا تھا اور باوجود بڑا ہونے کے اپنی بے کسی میں تجھ سے امداد کی
امید رکھتا تھا مگر تو نے وہی کیا جو برادران یوسف نے کیا تھا۔ اب تو تو مہاجرین کے لیے بغرض امداد
کچھ نقد بھی دے تو تجھے یہی جواب ملے گا۔

گر صد ہزار لعل و گوہر دگر دہی چہ سود
دل را شکستہ کردی، گوہر شکستہ[1]

[1] اہل حدیث امرتسر - ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء - صفحہ ۱۱

افغانستان کے رویّے میں تبدیلی کا سبب

پہلے تو امیرِ افغانستان امان اللہ خاں نے ہندیوں کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ ان کے لیے جائیداد کا اعلان کیا، انہیں زمین دینے اور گزارہ الاونس دینے کا وعدہ کیا۔ پھر جب لوگ جوق در جوق قافلوں کی شکل میں مختلف راستوں سے افغانستان جانے لگے تو ہجرت کو بند کرنے کا اعلان کر دیا گیا اور قافلوں کو روک دیا گیا۔ جو لوگ ہجرت کر کے افغانستان پہنچ گئے تھے، انہیں کوئی سہولت نہ دی گئی۔ افغان رعایا نے بھی ان سے کوئی اچھا سلوک نہ کیا، افغان حکومت نے بھی ان کی پذیرائی اس انداز میں نہ کی جس کی وہ توقع لے کر گئے تھے۔ دیکھنا چاہیے کہ افغانستان کے رویّے میں اس تبدیلی کا سبب کیا تھا۔

توقع سے زیادہ مہاجر

کچھ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ افغانستان کے حاکم نے مسلمانانِ ہند کو اس خیال سے اپنے ملک آنے کی دعوت دی تھی کہ چند سو مہاجر آ گئے تو انہیں کوئی غیر آباد زمین اس غرض سے دے دی جائے گی کہ وہ اسے آباد کریں، اگر ان میں سے کچھ دستکار یا پڑھے لکھے لوگ آ گئے تو ان کی صلاحیتوں سے بھی استفادہ کیا جا سکے گا لیکن جب مہاجر ہزاروں کے قافلوں کی صورت میں افغانستان میں آنے لگے اور وہ افغانستان کی غیر آباد اور بنجر زمینوں کو آباد کرنے کے خیال کو ہضم کرنے والے بھی دکھائی نہ دیے تو افغان حکومت پریشان ہو گئی۔ اس کے لیے ممکن بھی نہیں تھا کہ اتنی بہت سے لوگوں کو بے کار بٹھا کر روٹی کھلا سکتی۔ مہاجرین کی اتنی کثیر تعداد کو کام

مہیا کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس لیے افغان حکومت نے سرحد بند کرا دی۔ امیرِ افغانستان نے ہندوستانیوں کو تو اپنے ملک آنے کی دعوت دے دی لیکن افغانیوں کو اعتماد میں نہیں لیا تاکہ وہ مہاجرین کے ساتھ بہتر سلوک کرتے۔ مہاجر وہاں پہنچے تو افغان ڈاکوؤں کی بن آئی۔ عام افغانیوں نے بھی اپنی عسرت اور ہندوستانیوں کی بہتر حالت کے پیشِ نظر ان سے کسی نہ کسی طرح کچھ چھین لینا ہی بہتر جانا۔ اس طرح تارکینِ وطن کی مشکلات اور مصائب میں اضافہ ہو گیا جو جلد ہی ہجرت کی ناکامی پر منتج ہوا۔

اقتصادی وجوہ

"ہجرت افغانستان" میں ہے کہ "افغانستان کی مالی اور اقتصادی حالت اس وقت اتنی مضبوط نہ تھی کہ وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں مہاجروں کا بوجھ کما حقہ برداشت کر سکتی اور شاید وہ لوگ مہاجرین کو اپنے معاشرے میں مناسب مقام نہیں دے سکتے تھے"[1]۔ "ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار نے پشاور سے بذریعہ تار شمال مغربی سرحدی صوبے کی صورتِ حال کی اطلاع دی جس میں یہ بھی کہا" اس حالت کے دوران میں افغانستان کی طرف سے یہ تحریک روک دی گئی ہے کیونکہ اقتصادی وجوہ سے امیر صاحب اس امر پر مجبور ہو گئے ہیں کہ مفلس و نادار مہاجرین کی جماعتوں کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیں"[2]۔

عبدالعزیز صابر رشید، اشاعت دفتر مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی، نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں ہونے والے جلسے کی روداد "زمیندار" کو بھیجی اس میں انہوں نے کہا "ہم جانتے ہیں کہ شہریار دولتِ افغانستان نے اور نیز آپ کی ہمدرد رعایا نے مہاجرین کو آرام پہنچانے کی از حد کوشش فرمائی۔۔۔۔ لیکن سلطنتِ افغانستان کے محدود ذرائع پر ناقابلِ برداشت بوجھ ڈالنا کہاں تک جائز ہے"[3]۔ مرکزی خلافت کمیٹی کے ان نمائندہ نے وفد مہاجرین ہند کے رکن میر حجت اللہ بھایاں کا تحریری بیان بھی اخبارات کو جاری کیا "ان حالات میں جبکہ مہاجرین میں سے زیادہ تر واپس آ چکے تھے، کچھ افغانستان سے کسی اور ملک کو چلے گئے تھے اور کچھ پریشانیوں سمیت افغانستان ہی میں رہ گئے تھے ——— مرکزی خلافت کمیٹی مہاجرین

---

[1] ہجرت افغانستان صفحہ ۲۹ — [2] زمیندار ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

[3] زمیندار ۱۳ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱

کے نام پر چندہ اکٹھا کر رہی تھی۔ عبدالعزیز صاحب نے جلسے کی رپورٹ کے ساتھ لکھا۔ "تحریک ہجرت کا انتظام اہتمام سنٹرل خلافت کمیٹی کی تحویل میں کر دیا گیا ہے اور وہ مہاجرین کی عام تنگ دستی اور شدائد موسم کا لحاظ رکھ کر اور حالات و ضروریات کا پورا اندازہ کرتے ہوئے ہندوستان سے بزور درخواست کرتی ہے کہ ہندوستان اپنے ان بچھڑے ہوئے سچے ابنائے وطن کی تکلیف دور کرنے اور انہیں آرام پہنچانے کے لیے فراہمی و ترسیل زر میں اپنے ملی و عملی جذبہ ایثار کا ثبوت دے۔"[1]

میر رحمت اللہ بھایاں نے جو تحریری بیان مولہ بالا جلسے میں پڑھا، اس میں بھی افغانستان کے بند ہونے کا سبب یہی ظاہر کیا کہ مہاجرین کا بوجھ برداشت کرنا افغانستان کے لیے ممکن نہیں۔ بیان کیا گیا: "ہز میجسٹی شہریار غازی نے اگرچہ نہایت عالی حوصلگی سے خورد و نوش اور قیام کا انتظام خاطر خواہ کیا ہے لیکن یہ نامناسب ہو گا، اگر زیادہ بوجھ ایک ایسی سلطنت کے کندھوں پر ڈالا جائے جس کو خود اپنے ملک کی حالت کو درست کرنے کے لیے روپے کی ضرورت ہے۔"[2]

پروفیسر ریشبرک ولیمس لکھتے ہیں: "شروع شروع بظاہر افغانستان کی نظر عنایت آمیز معلوم ہوئی لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ جس وسیع پیمانہ پر ہجرت عمل میں لائی جا رہی تھی، اس نے افغان حکام کے لیے جن کا ملک مفلس ہے اور زیادہ زرخیز بھی نہیں، یہ ضروری کر دیا کہ مہاجرین کے داخلہ کو بالکل روک دیں۔"[3]

بے ہنر اور غیر کاشت کار مہاجر

پیسہ اخبار نے ایک اداریے میں یوں کہا: "افغانستان تو تجربے سے ہجرت کے لیے موزوں ثابت نہیں ہوا۔ افغانستان کے ذرائع ایسے نہیں کہ وہ چند لاکھ مہاجرین کو بھی آسائش کے ساتھ قبول کر سکے۔ وہاں تو صرف ایسے لوگوں کی اور وہ بھی تھوڑی تعداد میں کھپت ہو سکتی ہے جو دستکاریاں جانتے ہیں یا جو کاشت کاری کر سکتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کا وہاں گزارہ ناممکن ہے۔"[4]

---

[1] زمیندار۔ ۱۳ر نومبر ۱۹۲۰ء [2] زمیندار۔ ۱۳ر نومبر ۱۹۲۰ء [3] مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء صفحہ ۹۰

[4] پیسہ اخبار۔ ۱۴ر ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۳

لاڑکانہ (سندھ) کے ایک شاعر شیر محمد شیرؔ بھی مہاجروں کے قافلے میں افغانستان گئے تھے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں کہا: امیر کے لیے یہ بات شایانِ شان نہیں تھی کہ انہوں نے مہاجرین کو واپس کر دیا۔ ——— وہ مہاجروں کے کھانے پینے کے انتظام سے ڈر گئے۔ اور انہوں نے خدا پر توکل نہیں کیا۔ یہ باتیں دل کو جلا رہی ہیں۔ بہرحال ہم واپس وطن آ گئے۔"[1]

مؤثر نگرانی نہ ہو سکی

آغا اشرف ہجرت کی ناکامی کا سبب یہ لکھتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان میں تحریک ترک موالات شروع ہو گئی تھی۔ اس لیے "سلسلۂ ہجرت کی ہو سکی۔ ناچار مہاجروں کے وہی قافلے پھر خستہ و پریشان حال واپس لوٹنے لگے۔"[2] اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پہلے تو ہجرت کسی ادارے کی مؤثر نگرانی نہ شروع ہوئی تھی لیکن نان کوآپریشن موومنٹ کی وجہ سے وہ ادارہ ہجرت پر پوری توجہ نہ دے سکا، اس لیے مہاجروں کو واپس لوٹنا پڑا۔ قارئین کرام جانتے ہیں کہ حالات و واقعات کی روشنی میں یہ رائے کسی طرح درست نہیں۔

بے سمجھ شرارت پسند

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر نے اخبار "اتحادِ مشرقی" کے حوالے سے لکھا کہ "مہاجرین میں بہت سے بے سمجھ شرارت پسند آ گئے ہیں جو اپنے سفر کا مقصد بھی نہیں جانتے۔ اس لیے وہ یہاں آ کر نقصان پہنچاتے ہیں۔ ہجرت کمیٹی اور علمائے اسلام کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو روک دیں۔ "اتحادِ مشرقی" کو واضح ہو کہ یہاں تو طوفانِ بے تمیزی ہے۔ کوئی کسی کے روکنے سے رکتا نہیں، وہاں بھی کوئی امتحانِ داخلہ ہونا چاہیے جو سرحد کابل میں لیا جائے۔"[3] اس سے شک پیدا ہوتا ہے کہ مہاجرین میں سے "بے سمجھ شرارت پسند، جو اپنے سفر کا مقصد بھی نہیں جانتے" افغان حکومت کے لیے پریشانی کا باعث بنے اور انہوں نے وہاں جا کر انہیں نقصان پہنچایا۔ ——— شاید اسی وجہ سے ہجرت کا سلسلہ بند کر

---

[1] مجلہ "برگِ گل" کراچی۔ جوہر نمبر۔ ۱۴۰۱ھ مضمون "سندھ میں خلافت تحریک" از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی [2] آغا اشرف۔ پاکستان کا اسلامی پس منظر۔ مقبول اکیڈمی لاہور۔ طبع اول ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۶۶ [3] اہل حدیث امرتسر۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۲۰ء

کر دیا گیا۔ گزشتہ باب میں یہ ذکر آچکا ہے کہ بہت سے مہاجرین پر جاسوسی کا الزام لگا، کچھ لوگوں کو قید کر دیا گیا، کچھ کو واپس انڈیا بھیج دیا گیا۔ چنانچہ "اتحاد مشرق" کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید افغانستان کا رویہ مہاجرین کے سلسلے میں اسی وجہ سے تبدیل ہوا۔

قطغین بھیجنے کا معاملہ

ایک باعث یہ بھی سامنے آتا ہے کہ کچھ مہاجرین نے افغان حکومت کے احکام نہیں مانے۔ حالانکہ امیر افغانستان نے شروع ہی میں واضح کر دیا تھا کہ ہجرت کرکے افغانستان آنے والوں کو ان کی رعایا کے طور پر رہنا ہوگا اور وہاں کے ضوابط و احکام کی پابندی کرنا ہوگی۔ روزنامہ "پیسہ اخبار" کے مطابق "کابل سے آج کل کئی مہاجر واپس آرہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت امیر صاحب یہیں سے مقام قطغین (قطغین) ہی روانہ کرتے تھے اور اس کا تمام خرچ بھی خود برداشت کرتے تھے۔ مگر صوبہ سرحدی کے پٹھان مہاجرین نے جلال آباد سے آگے جانے سے انکار کر دیا اور افغانی حکومت کے حکم ماننے سے انکار کرتے تھے بلکہ افغانی گورنمنٹ کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کو تیار تھے۔ آخر افغانی حکومت نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ ہمارا حکم نہیں مانتے، وہ اپنا خرچہ خود برداشت کریں۔ اس لیے کئی مہاجرین خرچے کی قلت اور تنگی کی وجہ سے واپس آرہے ہیں۔[1]" اس سلسلے میں انجمن مہاجرین ہند کے سیکرٹری عزیز ہندی کا بیان گزشتہ باب میں آچکا ہے کہ قطغن (یا قطغین) بھیجے والے مہاجرین کو کچھ زادِ راہ نہیں دینا چاہتے تھے اور یہ ایک ماہ کے سفر کا معاملہ تھا۔ جب انجمن مہاجرین ہند نے زادِ راہ پر زور دیا تو حکومتِ افغانستان متنفر ہو گئی۔[2] اس طرح "پیسہ اخبار" کی یہ اطلاع درست ثابت نہیں ہوتی کہ افغان حکومت اپنے خرچے پر انھیں قطغین (ترکستان) بھیجنا چاہتی تھی۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ مہاجرین نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

جاسوس

"ہجرت افغانستان" کے مرتب سید دربار علی شاہ (سابق کمشنر کراچی) افغانستان کے رویے میں تبدیلی کا ایک سبب انگریزوں کے بھیجے ہوئے جاسوسوں

[1] پیسہ اخبار۔ ۱۵ راگست ۱۹۲۰ء [2] اوراق گم گشتہ ص ۸۲

کو قرار دیتے ہیں۔ "ممکن ہے کہ افغانستان اتنی بڑی تعداد میں مہاجرین کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ انگریزوں نے ان کے ساتھ یا بعد میں اپنے بے شمار کارندے بھیجے جو ایک طرف تو افغان حکام کے دلوں میں ان مہاجروں کے خلاف بدگمانی پیدا کرنے لگے اور دوسری طرف مہاجرین کو ان کی کس مپرسی اور حالت زار کی طرف توجہ دلا کر بیزاری کا احساس دلانے لگے۔[1]"

جہاد کے شائق مہاجر

ایک وجہ یہ بھی سامنے آتی ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کرکے افغانستان جانے والے انگریز ظالموں سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ہندوستان میں رہتے ہوئے ان کے مظالم سے چھٹکارا انھیں ممکن نہیں دکھائی دیتا۔ امیر افغانستان نے اپنے ملک کی سرحدیں ان کے لیے کھول دیں تو ان میں سے زیادہ تر مہاجر یہ سمجھے کہ وہ اپنے افغان بھائیوں سے مل کر انگریزوں کے خلاف لڑیں گے اور ہندوستان کو ان کے چنگل سے آزاد کرائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جذباتی لہجے میں انگریزوں کے خلاف حربی طاقت بلکہ کچھ کر گزرنے کی باتیں کرتے ہوں گے۔ بعض تجزیہ نگاروں کا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی لڑنے جھگڑنے کی باتوں سے افغانوں نے سوچا کہ یہ لوگ کہیں ہمارے خلاف ہی نہ اٹھ کھڑے ہوں اور کہیں ہمارے لیے مصیبت نہ بن جائیں۔ "انگلش مین" کے حوالے سے "پیسہ اخبار" نے لکھا "بقول انگلش مین امیر کابل نے سربرآوردہ مہاجرین سے کئی ملاقاتیں کیں جن میں انھوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ مجھے تمھارے معاملے میں ذرا سی بھی ہمدردی نہیں۔ مجھے مہاجرین سے سخت خطرہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم بم بنانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ ہندوستان کی طرح افغانستان میں بھی انقلاب سلطنت پیدا کرنے کے لیے خوفناک ثابت ہوں گے جو لوگ اپنے آقاؤں کے وفادار نہ رہے، میں کیسے یقین کروں کہ وہ ایک غیر ملکی کام لینے والے کے وفادار ملازم ثابت ہوں گے۔[2]"

باچا خاں کا بیان

سرحدی گاندھی خان عبدالغفار (باچا خاں) نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا۔ شاید امیر افغانستان نے یہ سب کچھ خود خان صاحب سے اکیلے میں کہا ہو۔ کہتے ہیں "امان اللہ خاں ان (مہاجرین) سے کہتا تھا" میں تو انگریز کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

[1] ہجرت افغانستان ص ۱۳۳ (باب تحریک خلافت) از سید دربار علی شاہ، [2] پیسہ اخبار ۹ راکتوبر ۱۹۲۰ء ص ۵

میں تمہیں ایک نو آبادی دے دوں گا۔ تم لوگ پہلے اپنے اندر انگریزوں سے جنگ کرنے کی طاقت تو پیدا کرو، مجھ سے بھی جس قدر ہو سکے گا، میں بھی امداد کروں گا۔ تمہیں معلوم ہو کہ انگریز تو کالا سانپ ہے۔ مجھے اطمینان سے نیند نہیں لینے دے گا۔ اس طرف سے مجھے ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ ابھی مجھے ڈس لے گا۔[1]"

افغانستان کا جنگ سے گریز

اللہ بخش یوسفی کہتے ہیں کہ ہر مہاجر کو یقین تھا کہ جس طرح پشاور میں ان کی آزادی جنگ ہو رہی تھی ویسی ہی افغانستان میں بھی ہوگی۔ کابل جیسا مختصر شہر آج کتنوں کو اپنے اندر جذب کر سکتا تھا علاوہ ہر مہاجر نے اسلحہ طلب کیا، بارود طلب کیا تاکہ انگریز کے خلاف محاذ جنگ قائم ہو سکے۔ حکومت افغانستان نے تھوڑے ہی عرصے قبل جنگ سے نجات حاصل کی تھی، اسے آزادی مل چکی تھی، دوبارہ آتش جنگ میں کیونکر کود سکتی تھی۔[2]

افغان انگریز صلح کی خواہش

یہ بات بہر حال درست ہے کہ افغانستان انگریز سے لڑائی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا بلکہ ڈاکٹر معین الدین عقیل کے بقول "یہ حقیقت ہے کہ افغان حکومت کا یہ اقدام ہندوستانی مسلمانوں کی تحریک ہجرت کو کامیاب بنانے کے کسی سنجیدہ مقصد کا حامل نہیں تھا۔ دراصل اس طرح اس کا مقصد اپنے وفد کی اس بات چیت کو کامیاب بنانا تھا جو وہ ہندوستان میں حکومت ہند سے کرنے کے لیے مسوری بھیجا تھا۔[3]"

افغانستان کا ایک وفد انگریز حکومت سے بات چیت کے بعد ناکام ہو کر واپس جا چکا تھا۔ ہجرت کا غلغلہ ہوا تو امیر افغانستان نے ہندیوں کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دے کر دراصل سردار محمود طرزی کی سرکردگی میں اپنے دوسرے وفد صلح کی کامیابی کے لیے انگریزوں پر دباؤ ڈالنا چاہا۔ عزیز ہندی کہتے ہیں "ہم ابھی قیدی ہی تھے کہ افغانوں کا ایک وفد سردار علی احمد جان کی قیادت میں راولپنڈی میں آ کر ناکام واپس جا چکا تھا کہ جب ہم نے قید سے آزاد ہو کر اپریل ۱۹۲۰ء میں دہلی کے مقام پر ہجرت کا علم بلند کیا ہے تو عین اس وقت افغانوں کا دوسرا وفد امیر امان اللہ خاں کے خسر سردار محمود طرزی کی قیادت میں منصوری میں بیٹھا

۱؎ عبدالغفار خاں، آپ بیتی - صہ ۲۰۴ ۲؎ اللہ بخش یوسفی۔ سرحد اور جدوجہد آزادی صہ ۲۱۹
۳؎ تحریکات ملی۔ صہ ۲۰۶

انگریزوں سے بات چیت میں مشغول تھا۔[1]"

"زمیندار" (۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء) کے اداریہ شذرے میں لکھا گیا "... اس وقت اپریل ۱۹۲۰ء ہے اور افغانستان کا وفد برطانیہ کے ساتھ اتحاد و آشتی کی طرح ڈالنے کے لیے وارد ہند ہے۔[2]" اسی شمارے میں "وفد افغانستان، دوستانہ گفتگو" کے زیر عنوان چھپا "۲۴ اپریل کو شملہ سے ذیل کی سرکاری اطلاع شائع ہوئی ہے، منصوری کانفرنس کا کام نہایت عمدگی سے انجام پا رہا ہے۔ بحث مباحثہ کامل صفائی اور دوستانہ طریق سے ہوا ہے اور جہاں تک دیکھنے میں آیا ہے طرفین کی یہ حقیقی خواہش رہی ہے کہ فریق ثانی کے نقطہ خیال کو بخوبی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ امیر افغانستان نے قابل اور معتمد نمائندے افغانستان سے بھیجے ہیں جو حکومت افغانستان کی پالیسی اور خیالات سے کماحقہ آگاہ ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مسائل پر پورا پورا اور مفصل غور و خوض مطلوب ہے جو ہر دو حکومتوں کے لیے باعث دلچسپی ہیں۔[3]"

یہ حقیقت ہے کہ افغان حکومت انگریزوں سے صلح چاہتی تھی اور اس نے تحریک ہجرت کو بھی صلح کے حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہا۔ یہ بات ظفر حسن ایبک کے اس بیان سے بھی واضح ہوتی ہے جو انہوں نے انگریز افغان متارکہ جنگ (۲۰ مئی ۱۹۱۹ء) کے حوالے سے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں "چند روز کے بعد کابل سے امیر صاحب کا ایک دوسرا فرمان آیا جس میں لکھا تھا کہ افغانی فوجوں کو متارکہ کی شرائط کے بموجب تمام سرحدوں سے ۱۰ میل پیچھے ہٹنا چاہیے۔ ورنہ متارکہ ٹوٹ جائے گا اور پھر سے لڑائی شروع ہو جائے گی۔ اس فرمان کے طرز تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ کابل کے ارباب حکومت انگریزوں سے جلد از جلد صلح کرنے اور لڑائی کو ختم کرنے کے سخت خواہشمند ہیں۔[4]"

اخبار "انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار نے اگست کے اوائل میں خبر دی کہ افغانستان اور ہندوستان کی حکومتوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔ اس خبر سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ صلح کی شرائط میں افغانستان کے لیے کوئی بات وجہ افتخار نہیں تھی۔ یہ خبر "پیسہ اخبار" نے ان الفاظ میں شائع کی۔ "وفد افغانستان کی واپسی

۱؎ اوراق گم گشتہ صہ ۱۶۵ و تحریک ہجرت کی تاریخ از عزیز ہندی ۲؎ زمیندار ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء صہ ۲ کالم ۲
۳؎ زمیندار۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء صہ ۳ ۴؎ ظفر حسن ایبک۔ آپ بیتی حصہ اول صہ ۱۸۱

پھر اس امر پر غور کیا جاتا ہے کہ مخصوص میعاد کے لیے مابین ہندوستان و افغانستان عارضی صلح ہو گئی ہے جس کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ جمرود و جلال آباد کے درمیان ریلوے لائن بنائی جائے۔ اس خبر سے آفریدیوں اور شنواریوں میں ہل چل پیدا ہوئی جو سردار محمود طرزی پر الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے افغانستان کی حقیقی ضروریات سے چشم پوشی کر کے صلح کی ہے۔[1]

"مسلم آؤٹ لک" کے حوالے سے یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ وائسرائے ہند نے اپنی ایک تقریر میں کہا ہے کہ "میں اس امر کا اظہار خوشی کرتا ہوں کہ افغانستان کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات ہیں۔"[2]

عزیز ہندی "تحریک ہجرت کی تاریخ" بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "سردار محمود طرزی کے کابل واپس لوٹنے کے بعد سے حکومتِ افغانستان کے انداز مہاجرین کے حق میں بدلنے شروع ہوئے۔ سب سے پہلا وار مولانا عبید اللہ سندھی پر ہوا۔ انھوں نے جو "عارضی حکومتِ ہند" بنا رکھی تھی، امیر امان اللہ خان نے اسے لغو قرار دیا۔ دوسرا وار ایک اعلان کی صورت میں تحریک ہجرت پر کیا گیا، جس میں کہا کہ جو مہاجرین اب تک افغانستان میں وارد ہو چکے ہیں، ان کی آباد کاری کا پہلے بندوبست ہو جائے، پھر دوسرے مہاجرین آئیں یعنی تا حکم ثانی ہجرت کے بند کیے جانے کا اعلان کر دیا۔ تیسرا وار مہاجرین کی ایذا رسانی کی صورت میں کیا گیا۔"[3] پھر کہتے ہیں "افواہیں قصرِ سلطانی سے نکل کر پایۂ تخت کے اہل الرائے حلقے میں پھیلنی شروع ہو چکی تھیں کہ سردار محمود طرزی در پردہ امیر امان اللہ خان کو کہہ گئے ہیں کہ اگر انگریزوں سے اپنے ملک کی آزادی منوانا چاہتے ہو تو اول تحریک ہجرت کو بند کرو اور دوسرے ان مہاجرین کو جو افغانستان میں وارد ہو چکے ہیں، ایسے مقامات پر آباد کرنے کی کوشش کرو جو انگریزی سرحدات سے کافی فاصلے پر ہوں۔"[4]

"انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار نے خبر دی کہ بقر عید کے دن سربرآوردہ مہاجرین کا ایک وفد امیر افغانستان سے ملا۔ وفد کو جواب ملا کہ امیر صاحب جامع مسجد کابل میں نماز عید ادا کرنے کے موقع پر وفد سے ملیں گے۔ وفد میں عبد الغفور خان، عبد الکریم خان، ارباب رضا خان اور دو ہندو شامل تھے۔ وفد کے قائد عبد الغفور خان

[1] پیسہ اخبار - ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۹ [2] پیسہ اخبار ۲۹ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

[3] اوراقِ گم گشتہ صفحہ ۲۲۰ [4] اوراقِ گم گشتہ صفحہ ۲۲۳

کی موثر تقریر کے جواب میں امیر صاحب نے کہا: "مجھے ضروریات نے مجبور کیا ہے کہ میں برطانیہ کے ساتھ دوستی کروں اور میں نے اس کے ساتھ ایک خاص وقت کے لیے اتحاد کیا ہے۔ مہاجرین کے لیے جہاد کی کوشش کا موقع نہیں رہا۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ مہاجرین کو ترکستان بھیج دوں۔"[1]

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے ہفت روزہ "اہل حدیث" میں "انگلش مین" کی اس خبر کے ساتھ لکھا "مگر امرتسری غزنوی مہاجر حسین میر[2] جو ابھی کابل سے واپس آئے ہیں، اس خبر کی تردید کرتے ہیں کہ امیر صاحب نے جامع مسجد میں نماز پڑھی، وہاں کوئی تقریر فرمائی۔"[3]

ظفر حسن ایبک کہتے ہیں کہ اس خبر سے کہ افغانی وفدِ صلح کے رئیس سردار محمود طرزی ہوں گے، ہمیں امید بندھی تھی کہ شاید یہ وفد ہندوستان کو کچھ امتیازات دلوائے اور ہوم رول قائم کرانے میں مدد دے گا اور اس طرح اس ہندوستانی معاونت کا معاوضہ ادا کرے گا جس کی وجہ سے انگریز ہندوستان کی بدامنی سے ڈر کر افغانستان پر پوری طاقت سے حملہ نہ کر سکے لیکن ہوا یہ کہ اس وفد کے قیامِ ہندوستان کے دوران وہاں ہندوستانی مسلمان لیڈروں کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں ہونے لگیں۔ کوئی ایک سال بعد کابل آ کر ظفر حسن ایبک نے مولانا عبید اللہ سندھی سے بات کی تو معلوم ہوا کہ سردار محمود طرزی نے منصوری جانے سے پہلے مولانا سندھی سے ہندوستان میں رہنے والے لیڈروں مثلاً مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری وغیرہ کے نام خط لیے تھے کہ اگر انگریز افغانی وفد کے مطالبات نہ مانے تو ان مسلمان لیڈروں کے ذریعے بغاوت کرانے کی کوشش کی جائے۔ ظفر حسن ایبک نے اپنی دو تصنیفوں میں پوری صورت حال کے تجزیے سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خود افغانی وفد نے یہ خطوط انگریزوں کو دے دیے تھے جس کی وجہ سے ہندوستان میں یہ لیڈر گرفتار کیے گئے تھے۔[4]

مولانا احمد علی لاہوری کی سوانح عمری میں ہے: "یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ادھر تو امیر امان اللہ خان انگریز سے صلح کر رہا تھا اور ادھر ہندی مسلمانوں کو ہجرت کی دعوت دے رہا تھا...... ادھر دونوں حکومتِ افغانستان و

[1] پیسہ اخبار - ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء [2] علامہ حسین میر کاشمیری - [3] اہل حدیث امرتسر ہفت روزہ، ۱۷ ستمبر ۱۹۲۰ء، ۳۰ محرم، صفحہ ۱ [4] آپ بیتی حصہ اول - صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲ -

اور انگریزوں کا معاہدہ ہو گیا جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام مہاجرین کو ہندوستان واپس کر دیا جائے۔
.... معلوم ہوتا ہے کہ امیر امان اللہ خاں کی یہ ایک سیاسی چال تھی۔ انھوں نے ہجرت کا حربہ اس لیے استعمال کیا تھا کہ انگریز اس کے نتائج سے خوفزدہ ہو کر ان کی شرائط صلح مان لیں۔"[1]

'پیسہ اخبار' نے ایک واپس شدہ عام مہاجر کا خط چھاپا جس کے ساتھ ایک ادارتی نوٹ میں لکھا، "بعض لوگ جو خود آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے بلکہ خلافت اور ہجرت کمیٹیوں کے رکن بنے ہوئے ہیں، اپنے آپ کو مسلمانوں کے نہایت سرگرم راہنما مشہور کرنا چاہتے ہیں۔ ان بدنصیب مسلمانوں کو جو خلوص نیت سے ہجرت کر جانا کار ثواب سمجھتے ہیں، برملا ترغیب دے رہے ہیں کہ کچھ پرواہ نہیں اگر انگریزوں کی سازش یا ایماء سے امیر صاحب افغانستان یا ان کے افسروں نے بعض مہاجرین کو ان کے وطنوں کو لوٹا دیا ہے مگر ان کے لیے ضرور راستہ کھل جائے گا، وہ مایوس نہ ہوں۔"[2]

'پیسہ اخبار' نے ایک انگریزی اخبار کے حوالے سے سردار محمود طرزی اور جرنل نادر خاں میں بحث کے عنوان سے یہ خبر شائع کی: "معلوم ہوتا ہے کہ سردار عالی محمود بیگ طرزی وزیر خارجہ افغانستان جب سے منصوری گئے ہیں، سخت کوشش کر رہے ہیں کہ انگریزوں سے افغانستان کا معاہدہ اتحاد ہو جائے۔۔۔ اس کے علاوہ بعض وزرائے کابل نے جو برطانیہ کے حامی ہیں، جرنیل صاحب (نادر خاں) پر امیر حبیب اللہ خاں (امیر امان اللہ خاں کے والد) کے قتل کا الزام از سر نو عائد کیا۔ جناب طرزی نے ان اعتراضات سے فائدہ اٹھا کر نادر خاں سے کہا کہ مجھے امن قائم کرنے میں امداد دو تو میں تم کو الزامات سے مامون رکھوں گا۔"[3]

'ڈیلی ایکسپریس' کے حوالے سے یہ خبر چھپی کہ امیر افغانستان نے وائسرائے ہند سے تحریری درخواست کی ہے کہ کابل میں ایک برٹش مشن روانہ کی جائے۔ یہ درخواست دفتر وزیر ہند میں روانہ کر دی گئی۔"[4]

"مرقع جذبات ۲۲-۱۹۲۱ء" میں اینگلو افغان معاہدے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا۔۔۔۔۔

---

[1] مرد مومن۔ صفحہ ۵۳، ۵۶ تا ۵۸ [2] پیسہ اخبار ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

[3] پیسہ اخبار۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱ [4] پیسہ اخبار۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۵

"دولت برطانیہ اور امیری گورنمنٹ کے درمیان گفتگو اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اگر پوری دوستی کا نہیں تو کم از کم تعلقات ہمسائیگی کا معاہدہ ضرور قائم ہو جائے۔ افغانستان کے تحریری اطمینان دلانے کے بعد کہ روسی قونصل خانے جو پروپیگنڈا کا مرکز ہوتے، سرحد ہندوستان کے قریب نہ بننے پائیں گے۔ تاخیر و تساہل کی ان منزلوں سے گزرنے کے بعد جو مخفی حکمت عملیوں کا لازمی جزو ہیں، بالآخر ۲۲ نومبر ۱۹۲۱ء کو معاہدہ پر نمائندگان افغانستان اور برطانیہ عظمیٰ نے دستخط کر دیے۔۔۔۔۔ اس موقع پر صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ دونوں گورنمنٹوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ ایک دوسرے کی اندرونی و بیرونی خود مختاری اور آزادی کو تسلیم کریں، ایک دوسرے کے موجودہ حدود کو خیبر کے قریب ایک خفیف ترمیم کے ساتھ تسلیم کر لیں اور لندن و کابل میں سفارت خانے اور دہلی، کلکتہ، کراچی، بمبئی، قندھار اور جلال آباد میں قونصل خانے قائم ہو جائیں۔"[1]

جانباز مرزا لکھتے ہیں کہ افغانستان کے اقتصادی اور سیاسی حالات مہاجرین کے بوجھ کے متحمل نہیں تھے۔ افغانستان کی اس کمزوری کے پیش نظر انگلستان نے یہ شرط ڈالی: "اگر والئ افغانستان چاہے تو اس کا تمام ملک پابندیوں سے آزاد کر دیا جائے گا بشرطیکہ انگریزوں کے خلاف افغانستان سے غیر ملکی اڈے ختم کر دیے جائیں اور ہندوستانی مہاجروں کو واپس کر دیا جائے۔" جانباز مرزا لکھتے ہیں افغانستان نے بغیر کسی تردد کے ۱۰ جون ۱۹۲۰ء ہی کو انگریزوں کی یہ دونوں شرطیں منظور کر لیں۔ اگرچہ اس مسودے کی تصدیق انگلستان نے ۲۲ نومبر ۱۹۲۲ء کو دی لیکن حالات کی آنکھیں جون ۱۹۲۰ء سے سرخ ہونی شروع ہو چکی تھیں جن مہاجرین کی آمد پر افغانستان فرش راہ تھا، آج ان مہاجرین کے لیے کابل کے بام و در، کوچہ و بازار پناہ سے انکاری ہو رہے تھے۔"[2]

"جواہر لال کی کہانی" کے مصنف اس معاہدے کے بارے میں لکھتے ہیں۔
"۱۹۲۲ء میں مولانا عبید اللہ سندھی نے کابل میں امیر امان اللہ خاں کے دور میں کانگریس کمیٹی کابل بنائی تھی جس کا الحاق آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے گیا سیشن نے منظور کیا تھا اور برٹش ایمپائر سے باہر

---

[1] مرقع جذبات ۲۲-۱۹۲۱ء، باہتمام سائے راما تحویلی پروپرائٹر اعتقاد پریس گنیش گنج لکھنؤ میں طبع و شائع ہوئی۔ [2] جانباز مرزا۔ حیات امیر شریعت۔ صفحہ ۵۳

کانفرنس کی پہلی شاخ تھی جس کی صدارت کے لیے بھی مولانا ہی کو منتخب کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت امان اللہ خاں والی افغانستان اور انگریزوں کے درمیان جو مشہور معاہدہ ہوا تھا، اس میں مولانا عبیداللہ کا بڑا ہاتھ تھا چنانچہ انگریزی سفیر سر ہمفری ڈابس نے محمود طرزی کے سامنے اس اعتراف کیا تھا کہ یہ معاہدہ افغانستان اور انگریزوں کے درمیان نہیں ہوا بلکہ عبیداللہ اور انگریزوں کے درمیان ہوا ہے[1]۔

اگر یہ بات درست ہے تو پھر ظفر حسین ایبک کا یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ مولانا عبیداللہ سندھی کے خطوط سردار محمود طرزی نے ان کے علم کے بغیر حکومت ہند کو دے کر ہندوستان کے مسلمان لیڈروں کو گرفتار کرا دیا تھا۔

بہرحال، ان حقائق کے پیش نظر واضح ہو جاتا ہے کہ افغانستان نے مہاجرین کے بارے میں اپنا رویہ کیوں تبدیل کیا تھا اور مہاجرین کو افغانستان میں طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا۔ بلکہ اس طرح کئی اور چہرے بھی بے نقاب ہو جاتے ہیں۔

---

[1] محمد رحیم دہلوی۔ جواہر لال کی کہانی۔ نیا گھر دہلی۔ بار اول۔ صفحہ [illegible]

ہجرت کے متعلق حکومتِ ہند کا رویّہ

حالات و واقعات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو ہجرت کی تحریک ہندوؤں کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ یہ شوشہ بعض مسلمان زعما کی طرف سے چھوڑا گیا لیکن ہندوؤں نے اس میں اپنا فائدہ محسوس کرتے ہوئے مسلمانوں کے اس قومی و ملی جذبے کی تحسین کی، ان پر داد کے ڈونگرے برسائے اور انگریز کے خلاف اس جہاد میں پہل کر جانے پر انہیں رشک کی نگاہ سے دیکھا —— اس طرح ان کی جائیدادیں اونے پونے بلکہ برائے نام قیمت پر خریدیں اور ان کے میدان سے ہٹ جانے کی وجہ سے اور بہت سے فوائد حاصل کیے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے ہجرت کے لیے تیار ہوتے ہوئے اور یہاں سے سفر کرتے ہوئے ملک چھوڑنے تک کسی طرح حکومت ہند کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا۔ کسی جگہ قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا، نہ املاک کو نقصان پہنچایا، نہ حکومت کے خلاف جلوس نکالے، نہ پولیس سے جھگڑے۔ اس طرح ہندوستان سے ہجرت کا یہ عمل سکون و اطمینان اور ایک گونہ وقار کے ساتھ وقوع پذیر ہوا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عازمین ہجرت کے بارے میں ہندوستان کی حکومت کا رویہ کیا تھا۔ انھوں نے لوگوں کو ہجرت سے روکنا چاہا یا نہیں۔ مسلمانوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے انھوں نے کیا صورتیں اختیار کیں۔ کیا لوگوں کو سمجھایا کہ یہ ان کے لیے اچھا نہیں ہوگا یا انہیں بزور افغانستان جانے سے روکنے کی کوشش کی

ہجرت کی بخوشی اجازت

"پیسہ اخبار" نے "مہاجرین کے قافلے" کے عنوان سے ایک اداریہ شائع کیا جس میں لکھا: "اظہار ناراضگی کا تو یہ بہت عمدہ ذریعہ ہے لیکن حکام تو اس پر ذرا بھی اعتنا نہیں کرتے اور جو لوگ ملک سے باہر جانا چاہتے ہیں، انہیں خوشی سے اجازت دے دیتے ہیں۔ مگر جو لوگ وطن عزیز چھوڑ کر اور سات آٹھ کروڑ مسلمانوں کا ملک چھوڑ کر جا رہے ہیں، انہوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ان کی اس کارروائی سے ان کے محبوب مسئلہ خلافت پر کیا اثر پڑے گا۔ اور خدانخواستہ اگر مسئلہ خلافت پر کوئی اثر نہ پڑا تو ان کا اپنے وطن اور برادران وطن کے اندر رہ کر آئندہ ایجی ٹیشن کرنا مفید یا ایک بار ملک سے منتقل ہو کر اس مسئلہ کے لحاظ سے بالکل معدوم ہو جانا۔۔۔۔"[1]

ہجرت میں مداخلت نہیں کی گئی

"ہجرت کے متعلق گورنمنٹ ہند کا اعلان" میں کہا گیا کہ "بہت جگہوں پر مہاجر اراضیات اور فصل برائے نام قیمت پر ہجرت اختیار کرنے کی غرض سے فروخت کر رہے ہیں۔ حالات کو بعض چالاک لوگ جو اراضی اور فصل ارزاں قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں، زیادہ خراب بنا رہے ہیں۔ چیف کمشنر اس حالت کو روکنے کے لیے تدابیر عمل میں لا رہے ہیں اور خاص افسر سپاہیوں اور دیگر سرکاری ملازموں کے فوائد و جائیداد کی حفاظت کے لیے کارروائی کرنے کی غرض سے مامور کیے گئے ہیں۔ تحریک ہجرت میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی جس کے متعلق خاص امر یہ ہے کہ کوئی واقعہ خلاف قانون نہیں، سوائے کچی گڑھی کے افسوس ناک واقعہ[2] کے، اور کسی قسم کی بدامنی نہیں ہوئی"[3] —

ہجرت کو کیوں نہیں روکا گیا

یہ بات واضح ہے کہ انگریزوں نے تحریک ہجرت کے آگے بند باندھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ عزیز ہندی یہ بیان کرتے ہیں

"اگر انگریزوں نے اس وقت ہجرت کی تحریک کو نہ روکا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلی جنگ کے نتیجے کے طور پر

---

[1] پیسہ اخبار ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲ [2] ریل میں کچی گڑھی کے مقام پر گوروں نے عازمین ہجرت پر گولی چلا دی جس سے دو مہاجر شہید ہو گئے تھے۔ لیکن یہ کارروائی کسی طرح مہاجرین کو روکنے کی غرض سے نہیں کی گئی تھی۔ [3] پیسہ اخبار، ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء

بے حد مشتعل اور کمزور ہو چکے تھے۔[1]

عزیز ہندی ہجرت کے اوّلین اور بہت بڑے داعیوں میں سے تھے بلکہ مولانا عبدالباری فرنگی محل سے فتویٰ منگوا کر اس کی تشہیر کے ذمہ دار یہی صاحب تھے اور ہجرت کو بہت بڑا کارنامہ خیال کرتے تھے۔ شاید اسی لیے انہوں نے یہ بات کہی ہے ورنہ صحیح صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ چند لاکھ مسلمانوں کے ملک چھوڑ جانے سے انگریزوں کو کوئی نقصان نظر نہیں آتا تھا جبکہ اگر وہ انہیں روکنے کی کوشش کرتے تو یہ پرسکون تحریک انگریزوں کے خلاف گرما گرم جدوجہد میں بھی تبدیل ہو سکتی تھی اور یہ بات انگریز حکومت کے لیے نقصان دہ ہوتی۔ پھر ہجرت ایسے ماحول میں ہو رہی تھی جب گاندھی جی نے تحریک خلافت کے پلیٹ فارم سے "نان کوآپریشن" شروع کرا دیا تھا اور تحریک خلافت کے علماء نان کوآپریشن کو اسلامیا کر "تحریک ترکِ موالات" کا نام دے چکے تھے اور جگہ جگہ اپنی شعلہ بیانی کے باعث مسلمانوں کو حکومت سے عدم تعاون پر اکسا رہے تھے۔ یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس میں کچھ لوگ اگر چپ چاپ ملک چھوڑ کر جا رہے ہوں اور حکومت ان سے تعرض کرے تو جذبات میں آگ لگنے کا خطرہ تھا جبکہ دوسری صورت میں عدم تعاون کی گرمی بھی کچھ کم ہو رہی تھی۔ بہت سے مسلمانوں کے عزیز دوست ملک چھوڑ کر جا رہے تھے اور ان کی توجہ جانے والوں کی طرف زیادہ تھی۔

ہجرت کسی سوچی سمجھی سکیم کے بغیر ہی شروع ہو گئی تھی اور اس کی باگ ڈور جذبات میں آ کر ملک چھوڑ کر جانے والوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ عزیز ہندی نے چاہا کہ ہجرت کسی طریقے سے شروع ہو، لوگ پہلے راولپنڈی میں جمع ہوں۔ یہاں ان کی قافلہ بندی کی جائے، پھر انہیں قافلہ وار پشاور بھیجا جائے جہاں سے وہ درہ خیبر سے گزرتے ہوئے افغانستان کی طرف کوچ کر جائیں اور سو سو پچاس پچاس کے قافلوں میں جائیں۔[2] عزیز ہندی نے اس مقصد کے لیے راولپنڈی اور پشاور کا دورہ کیا۔ کہتے ہیں کہ انہیں پولیٹیکل ایجنٹ کی رہائش گاہ پر دوسرے دن طلب کیا گیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس مولانا محمد اسحاق مانسہری بھی تھے۔ یہ اس وقت کسی مصلحت کی وجہ سے ہجرت کرنے کے حق میں نہ تھے۔۔۔ پولیٹیکل ایجنٹ

---

[1] اوراق گم گشتہ صفحہ ۹۴ [2] اوراق گم گشتہ، صفحہ ۸۸، ۹۰

نے انہیں کہا "آپ ہمیں پریشان کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ چاہتی ہے کہ آپ جلد اس ملک سے ہجرت کر جائیں۔"[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت لوگوں کو ہجرت کرنے سے نہیں، بلکہ تنظیم کے ساتھ ہجرت کرنے کی مخالف تھی۔

جب امیر افغانستان نے مہاجرین کا داخلہ بند کر دیا تو پشاور خلافت کمیٹی کا ایک وفد جنرل نادر خان سے ہندی مہاجرین کے داخلے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے جلال آباد گیا۔ اس وفد کے بارے میں انگلستان کے حوالے سے چھپا کہ برطانوی حکام نے ارکانِ وفد کو سرحد پار جانے کی اجازت دے دی ہے اور ان کو یہ بھی اجازت ہے کہ جب چاہیں، واپس آ جائیں۔[2] اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ برطانوی حکام کو علم تھا کہ اب امیر افغانستان مہاجرین کو افغانستان میں داخلے کی اجازت نہیں دیں گے۔

پروانۂ راہداری

حکومت ہند مہاجرین کو نہیں روک رہی تھی، اس حقیقت کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ ۲۰ اگست کو ٹانک سے مولانا سرور نے "زمیندار" کے نام ایک برقی پیغام میں کہا: "بہت سے لوگ کل امام کی بنوں سے ہجرت کر جانا چاہتے ہیں۔ اسسٹنٹ کمشنر پروانۂ راہداری نہیں دیتے۔ بتائیے کیا کیا جائے؟" "زمیندار" نے انہیں برقی پیغام کے ذریعے جواب دیا: "مہاجرین کے لیے پروانۂ راہداری کی ضرورت نہیں۔ جب گورنمنٹ ہند نہیں روکتی تو اسسٹنٹ کمشنر صاحب کیوں روکنے لگے تھے۔ آپ شوق سے بسم اللہ کر کے جائیے۔"[3]

افواہوں کی تردید

ہندوستان کی برطانوی حکومت کے کل پرزوں نے لوگوں میں پھیلنے والی افواہوں کی تردید وقتاً فوقتاً ضرور کی۔ مثلاً کمشنر سندھ کا یہ اعلان کہ "غیر محتاط لوگ ان غریب مسلمانوں کو یہ کہہ کر ہجرت پر اکسا رہے ہیں کہ ان کو سندھ میں نمازیں پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے گی اور یہ کہ ان کو نہر کا پانی استعمال نہ کرنے دیا جائے گا۔ اس لیے عام باسوخ لوگوں کو چاہیے کہ وہ عوام کو یقین دلائیں کہ یہ افواہیں بالکل مہمل ہیں۔"[4]

---

[1] اوراقِ گم گشتہ، صفحہ ۴۹۰

[2] زمیندار، ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء۔ پیسہ اخبار، ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء

[3] زمیندار، ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء

[4] پیسہ اخبار، ۲۹ اگست ۱۹۲۰ء

حکومت سرحد کی کوشش

ایسی خبریں بھی ملتی ہیں کہ صوبہ سرحد کے ارباب اقتدار نے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی کوشش بھی کی کہ لوگ ہجرت کے شوق میں اپنی جائیدادیں سستی بیچ کر نہ جائیں۔

"پیسہ اخبار" کا ایک اداریہ شذرہ ملاحظہ ہو: "ہزاروں لوگ وطن عزیز، گھر بار، بلکہ بعض بال بچوں اور بیویوں کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ خصوصاً سرحدی صوبہ سے تو اتنے لوگ اپنے مکانات اور زمینیں برائے نام قیمتوں پر دے کر رخصت ہو گئے کہ حکام سرکاری تک حیران رہ گئے اور سرحدی صوبہ کی گورنمنٹ نے لوگوں کو ایسی سستی زمینیں دینے سے روکنے کے لیے نمائش کا بھی کچھ انتظام کیا۔"[1]

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں خبر چھپی کہ "چیف کمشنر پشاور نے معتقد خوانین اور مولویوں کو جاہل کسانوں کو یقین دلانے کے لیے بھیجا ہے کہ ہجرت کے متعلق افواہیں غلط ہیں۔ گورنمنٹ کی نیت نیک ہے اور ہجرت کی اولوالعزمی کا نتیجہ مایوسی ہوگا۔ سب سے مقدم سوال نادار مہاجرین کی خوراک کا ہے جو اپنے ذخائر سستے داموں فروخت کر کے روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ شبہ ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت کے لیے اپنا مال و غلہ کے ذخائر لٹا بیٹھے ہیں۔ اس سوال کو ہاتھ میں لینے کے لیے ریونیو کمشنر صوبہ سرحد پشاور آ گئے ہیں اور سوال کا اطمینان بخش طریقہ سے حل ہونے کی بڑی امید ہے۔"[2]

صلح جو اور شائستہ مہاجرین

پروفیسر رشبرک ولیمس لکھتے ہیں: "ان علاقوں میں ہجرت کا روکنا فوج کے لیے ممکن نہ تھا اور کوئی ایسی کوشش بلا بے حد خونریزی کے ممکن نہ تھی تاوقتیکہ ان کے معاملات میں دخل نہ دیا جائے۔ یہ مہاجرین نہایت صلح جو اور شائستہ تھے۔ حکام سے بااخلاق ملتے تھے، کسی کے ساتھ بغض و عناد نہیں رکھتے تھے۔"[3]

حکومت کی ظالمانہ کارروائیاں

اگست کے دوسرے ہفتے میں مہاجرین کا داخلہ افغانستان میں بند ہو گیا تو خلافت کمیٹی نے ہجرت کا کام اپنے ذمے لے لیا اور یہ بات

---

[1] پیسہ اخبار، ۱۷ اگست ۱۹۲۰ء [2] پیسہ اخبار، ۲۹ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱

[3] مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء، صفحہ ۹۰

لینے لگے کہ اب تو وہ ضرور ہجرت کریں گے اور عنقریب سرحدیں کھل جائیں گی۔ ایسے میں انگریز حکام نے لوگوں کو ہجرت سے باز رکھنے کی کوشش ضرور کی۔ ۵ ستمبر کو آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں کانگرس کے پنڈال میں ہوا۔ اس اجلاس میں خلافت کمیٹی پشاور کے سیکرٹری مولوی عبدالغفور نے تقریر کرتے ہوئے "سرحدی حکام کے سرکاری رویہ کی بھی وضاحت کی جس سے وہ تحریک ہجرت کو دبانا چاہتے ہیں[1]" کانفرنس میں کہا گیا کہ صوبہ سرحدی اور صوبہ سندھ کی حکومتیں خلافت اور ہجرت کی تحریکوں کو دبانے کے لیے غیر منصفانہ اور ظالمانہ کارروائیوں پر اتر آئی ہیں اور اس طرح سے جان بوجھ کر فساد اور بے امنی پیدا کر رہی ہیں۔ جس کی ذمہ داری تنہا انہی پر ہے[2]۔

حکومت کی نظر میں خطرناک تحریک

جانباز مرزا کے خیال میں "برطانوی حکومت نے ہجرت کی تحریک کو خلافت اور ترک موالات سے زیادہ خطرناک سمجھا اور اس کی روک تھام میں حیلے بہانے تراشے چنانچہ کئی قسم کے لوگ اس تحریک کے راستے کے روڑے بنے[3]" لیکن حضرت ان علماء کا بھی تو ذکر کیجیے جنھوں نے دوسروں کو ہجرت پر اکسا کر مروا دیا اور خود محفوظ رہے۔ ان میں امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تو تھے —— پھر برطانوی حکومت نے ہجرت کی تحریک کو خلافت اور ترک موالات سے زیادہ خطرناک سمجھا ہو اس کا کوئی تو ثبوت پیش فرمائیے!

تحریک خلافت یا تحریک ہجرت

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے تحریک خلافت کے سلسلے میں مسلمانوں کی گئی حکومت کی زیادتیوں کو پشاور کے مولوی عبدالغفور کی طرح تحریک ہجرت کے کھاتے میں بھی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ "حکومت نے خلافت تحریک اور ہجرت تحریک کو دبانے کے لیے اس قدر زیادتیاں کیں کہ مٹیاری میں ایک جلوس پر پولیس نے فائرنگ کی جس میں ایک جوان مسلمان شہید ہوا۔ رئیس غلام محمد بھرگڑی مرحوم طرح طرح کی تکلیفیں اور مظالم سے دل برداشتہ ہو کر کچھ عرصہ کے لیے انگلینڈ چلے گئے[4]"

---

[1] زمیندار ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۱ [2] زمیندار ۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۱ [3] حیات امیر شریعت ص ۵۰
[4] مجلہ برگ گل کراچی ۔ جوہر نمبر ۱۰۱۹ ص ۔

ڈاکٹر سندھی نے اپنے اسی مقالے میں فرمایا ہے کہ ۲۰ اپریل کو خلافت کمیٹی کے جلسے میں ہجرت کا فیصلہ کیا گیا اور رئیس جان محمد جونیجو نے گورنر بمبئی کے پولیٹیکل سیکرٹری کو تار کے ذریعے اس فیصلے سے آگاہ کیا تھا یہی ؟ اس کے بعد حکومت نے رئیس مرحوم کی زرعی زمینوں کا پانی بند کر دیا۔ رئیس مرحوم نے کوئی پرواہ نہ کی اور کام میں لگے رہے۔ اگر حکومت نے اس تار کی وجہ سے رئیس جان محمد جونیجو کی زمینوں کا پانی بند کیا تھا تو اس کا ایک ہی سبب ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں جلد از جلد ہجرت کرنے پر آمادہ کرنا چاہتے ہوں اور شاید اسی لیے انھوں نے رئیس مرحوم کو سپیشل ٹرین بھی کرائے پر دے دی جس پر مہاجرین سندھ پشاور گئے۔ حالانکہ اس کے بعد جب پنجاب والوں نے سپیشل ٹرین مانگی تو حکومت نے انکار کر دیا۔ اصل میں ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے تحریک خلافت کے سلسلے میں کی گئی کارروائیوں پر حکومت کی طرف سے قدغنوں یا زیادتیوں کو تحریک ہجرت کے کھاتے میں ڈالنا چاہا ہے، جو درست نہیں۔

عازمین ہجرت، حکومت اور مولانا ظفر علی خاں

۱۴ اگست ۱۹۲۰ء کو امیر امان اللہ خاں نے مہاجرین کا داخلہ بند کر دیا۔ ۱۸ اگست کو دوپہر ایک بجے مہاجرین سندھ کا تیسرا قافلہ لاہور پہنچا۔ شام ۵ بجے لاہوریوں نے ان کا جلوس نکالا۔ محمڈن ہال میں مولانا ظفر علی خاں نے ہجرت کے موضوع پر ایک تقریر کی اور فرمایا کہ ہجرت فرض قطعی نہیں، فرض اختیاری ہے۔ دوسرے دن صبح ۵ بجے ایک سفید پوش پاکیزہ صورت بزرگ شیخ عبدالغنی والنٹیر کے مکان پر پہنچے اور بتایا کہ ہجرت بند ہو چکی ہے۔ ان کا ذکر کرتے اخبار "زمیندار" نے انہیں سی آئی ڈی کا بزرگ قرار دیا۔ اور لکھا کہ ان کی بات پر کسی نے کان نہ دھرا[1]۔ رات کے سوا گیارہ بجے ڈپٹی کمشنر لاہور کا، بقول زمیندار ایک "اڑکا" حکم سیکرٹری خلافت کمیٹی (مولانا ظفر علی خاں) کو ملا جس میں تحریر تھا: "معلوم ہوا ہے کہ سندھ کے کچھ مہاجرین آج شب کو لاہور سے عازم پشاور ہونے والے ہیں۔ اس لیے خلافت کمیٹی لاہور کو پھر تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہی اس بات کی ذمہ دار ہے کہ مہاجرین کو اطلاع دے دے کہ سرحد افغانستان بند ہے اور انہیں افغانستان میں داخل ہونے کے ارادہ سے باز رہنا چاہیے۔" مولانا ظفر علی خاں نے گیارہ بجکر پندرہ منٹ پر یہ جواب دیا ...... "مناسب طریق یہ تھا کہ پنجاب خلافت کمیٹی کے سیکرٹری کو یہ حکم بھیجے

---

[1] زمیندار ۔ ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۳

نہ بجائے قافلہ مذکور کے حوالے کیا جاتا۔ سیکرٹری کو ان سے اختیارات حاصل ہیں جن کی بنا پر وہ ان لوگوں
کو اپنے سفر سے باز رکھ سکے۔"... پھر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کا ایک پروانہ ۱۹ راگست کو اس بیورو
کو ملا جس میں یہ اطلاع مطلع کی کہ اہل ہند کا افغانستان میں داخلہ قطعاً بند ہے اس لیے خلافت اور ہجرت کمیٹی
کی ذمہ داری ہے کہ وہ آئندہ جانے والے مہاجرین کو اطلاع دے اور انہیں اس اقدام سے روکے۔
مولانا نے اس کا جواب دیا۔ "خلافت کمیٹی حتی الامکان واقعات موجودہ کی اطلاع دے کر انہیں بتاتی
رہتی ہے کہ جاں نثاروں کا ہجوم ہجرت قرین مصلحت نہیں لیکن اس پر بھی اگر وہ اپنا عزم ملتوی کرنے کے
لیے تیار نہ ہوں تو اس کے پاس کوئی ایسی قانونی یا جبری طاقت موجود نہیں جس سے وہ انہیں باز رکھ سکے۔"[1]

اس سے ایک تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت نے اس موقع پر مہاجرین کو روکنے کی جو
کوشش کی اس کا مقصد انہیں ہجرت سے منع کرنا نہیں تھا بلکہ پریشانی سے بچانا تھا اور یہ حقیقت بتانا تھا
کہ سرحد بند ہو چکی ہے اس لیے لوگ افغانستان کی طرف سفر نہ کریں۔ دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ
اخبار زمیندار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان جنہیں ایک اخبار نویس ہونے کے ناتے یہ علم تھا اور حکومت
بھی یہ بتا رہی تھی کہ سرحد بند ہو چکی ہے، ہجرت کے عازمین کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے بلکہ
ان کو روکنے والے کو جو جواب دیتے ہیں وہ اس کا لہجہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان عازمین ہجرت کو مزید پریشان
کرنا چاہتے ہیں۔

صوبہ سرحد کی حکومت کا کردار

جب مہاجرین واپس آنے شروع ہوئے تو پیسہ اخبار نے لکھا۔
"گورنمنٹ صوبہ سرحدی تعریف کی مستحق ہے جس نے ان واپس
آنے والوں کو مسلسل مدد دی ہے۔ صوبہ سے باہر کی پبلک کو اس صوبہ کے مہاجرین یا ان کی تکلیف و
نقصان کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔"[2]

صوبہ سرحد نے واپس آنے والے مہاجرین کی سہولت کے لیے کیا اعلان کیا، ملاحظہ فرمائیں۔
"چیف کمشنر صوبہ سرحدی نے احکام جاری کیے ہیں کہ ان بدنصیب مہاجرین کی جائداد اور زمین کے

[1] زمیندار۔ ۲۰ راگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳   [2] پیسہ اخبار۔ ۱۶ رستمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۵

متعلق تمام تنازعات اور سوال کا تصفیہ قبائل کی رسم کے مطابق قانون جرائم سرحدی کے دیوانی حصہ کے زیر
تحت کیا جائے نہ کہ معمولی قانون کے زیر تحت کیونکہ معمولی قانون اس قسم کے غیر معمولی مقدمات کے لیے
جس سے کشت و خون ہونے کا امکان ہے، موزوں نہیں ہے۔ چیف کمشنر امید کرتے ہیں کہ اس طور پر ان
غریب لوگوں سے بے اعتقاد لوگوں کو فائدہ اٹھانے کی کوشش کا انسداد ہو جائے گا اور ساتھ ہی خود مہاجرین
کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ اگر وہ واپس آ جائیں یا ان کے رشتہ دار آ جائیں آ جائے تو ان کی اراضیات جو عجلت
میں فروخت کی گئی ہیں، وہ بغیر نامناسب نقصان کے واگزاشت ہو جائیں۔"[3]

چیف کمشنر صوبہ سرحد نے ایک اور اعلان کیا۔ "سپاہی جو وطن سے غیر حاضر ہیں اور گورنمنٹ ملازمین
ان کے فائدہ اور نیز مہاجرین کی زمینوں اور جائیدادوں کے متعلق خاص افسر مقرر کیے گئے ہیں اور یہ مہاجرین
واپسی پر بلا روک ٹوک پھر اپنی زمینوں پر آباد ہو سکیں گے۔"[4] ایک اور اعلان میں چیف کمشنر نے کہا: "میں
نے احکام جاری کیے ہیں کہ ان غریب مہاجرین کی زمین و جائیداد کے متعلق ریگولیشن جرائم سرحدی کی دفعہ
آٹھ کا سلوک کیا جائے گا مگر یہ کام خوانین اور مالکان اراضی کا ہے کہ وہ ان بدنصیب لوگوں کی فوری
ضروریات و تکالیف کا فیاضی و ہمدردی سے انتظام کریں۔ کل تجویز جو آپ لوگ مہاجرین کی دوبارہ سکونت
و آسائش کے متعلق پیش کریں گے، ان کو میں اور ڈپٹی کمشنر صاحب لبیک کہیں گے۔"[5]

مہاجرین کی بحالی کی کوشش

بعد میں لاٹ صاحب پنجاب کی تازہ معنی خیز تقریر ہوئی، اس کا
اقتباس دیکھیے..... "جب بعض مسلمانوں نے تحریک ہجرت کی
تائید کی تو گورنمنٹ نے امر تسلیم کیا کہ بہت سے مسلمان غلط یا صحیح طور پر تحریک ہجرت کو فرض منصبی سمجھتے
ہیں اور گورنمنٹ نے ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی اور جب بدنصیب مہاجرین نے مایوس
بے سر و سامان ہو کر مراجعت کی تو گورنمنٹ نے ان کے معمولی زندگی اختیار کرنے کو اس قدر آسان بنایا جس
قدر کہ ممکن تھا۔"[6] پروفیسر رشبروک ولیمس نے بھی لکھا کہ گورنمنٹ نے ان کی تکالیف میں کمی کرنے کی پوری

[3] پیسہ اخبار۔ ۲۴ راگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۶   [4] پیسہ اخبار۔ ۱۹ راگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳
[5] پیسہ اخبار ۲۹ راگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۶   [6] پیسہ اخبار ۱۹ رنومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

کوشش کی جو ان کی اس عجیب و غریب تحریک سے پہلے تھیں اور بہت سے لوگوں کو پھر وہ زمینیں مل گئیں جن کو انہوں نے حالتِ جوش میں چھوڑ دیا تھا۔[1]

ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں کہ حکومت ہند نے مہاجرین کی واپسی کے لیے مناسب سہولتوں کی فراہمی کی کوشش کی تاکہ جیسے تیسے مہاجرین کی دلجوئی ہو سکے۔[2] حاجی فیض محمد خاں افغانستان سے واپسی پر اپنی آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں۔ "کیپٹن لیٹ کا سلوک مہاجروں سے شریفانہ تھا۔۔۔۔ حالانکہ وہ انگریز تھے اور انہیں تحریک خلافت یا ہجرت سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ پھر بھی وہ مہاجروں کے ساتھ انسانوں کی طرح پیش آتے تھے۔[3]"

ایسوسی ایٹڈ پریس نے ۹ ستمبر کو تیس ہزار مہاجرین کی افغانستان سے واپسی کی خبر دیتے ہوئے لکھا کہ "جو افواہیں ذکر میں پائی جاتی ہیں کہ مہاجرین ہندوستان واپس جائیں گے تو ان کو سخت سزائیں دی جائیں گی، بالکل غلط نکلیں۔[4]"

ہجرت سے انگریزوں نے کیا فائدہ اُٹھایا

خان عبدالغفار خاں حکومت ہند کے اس رویے کے بارے میں کہتے ہیں۔ "شروع میں تو انگریزوں کی یہ کوشش تھی کہ لوگ ہجرت کر کے افغانستان نہ جائیں لیکن جب حکومت نے سمجھ لیا کہ لوگ باز نہیں آتے تو اس نے ایک بات پر زور دیا کہ بے شمار لوگ ہجرت کر کے چلے جائیں کیونکہ ایک تو وہ افغانستان کے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔ دوسرے سرکار اس بہانے سے ہندوستان سے سیاسی کارکن بھی باہر نکال دے گی اور خود بے فکر ہو جائے گی۔ اس طرح انگریزوں نے ہر طرف سے فائدہ اُٹھایا۔ انگریزوں نے مہاجرین کے ساتھ ساتھ اپنے بہت سے تربیت یافتہ جاسوس بھی افغانستان میں بھیج دیے۔[5]"

---

[1] مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء صـ۲ — [2] تحریکات ملّی صـ۲۲۴

[3] ہجرتِ افغانستان صـ۱۰۹ — [4] پیسہ اخبار - ۱۱ ستمبر ۱۹۲۰ء

[5] عبدالغفار خاں - آپ بیتی صـ۴۵

ہجرت کے مبلّغ حکومت کے ایجنٹ

ظفر حسن ایبک کا خیال بھی کچھ ایسا ہی ہے: "انگریزوں نے جن کو افغانستان کی مالی کمزوری اور ہندوستانی تحریک ہجرت کی بے سروسامانی کا خوب علم تھا، اس تحریک کو ناکام بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ ان کے کارندوں نے ہندوستان میں لوگوں کو سبز باغ دکھائے اور کہا کہ وہ کابل پہنچتے ہی مالدار ہو جائیں گے۔ گورنمنٹ کے بعض ایجنٹوں نے ان کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر ان کو ہجرت کی ترغیب دی اور اس طرح پر اس تحریک کو افغانستان اور پنجابی اور سرحدی مسلمانوں کے لیے ایک رحمت کی بجائے ایک آفت بنا دیا۔[1]"

کاش ظفر حسن ایبک یا کوئی اور صاحب گورنمنٹ کے ان ایجنٹوں کی نشاندہی بھی کر سکتے جنہوں نے مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات بھڑکا کر ان کو ہجرت کی ترغیب دی۔

---

[1] ظفر حسن ایبک - آپ بیتی حصہ اوّل صـ۲۱

مفتیوں کا کردار

جن حضرات نے مسلمانانِ ہند کو اسلام کا حکم سنایا، انہیں تلقین کی کہ وہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں اور جن لوگوں نے ان فتووں کی تشہیر کی اور ہجرت کی تبلیغ کی، ان کا اپنا کردار کیا رہا۔ دیکھنا چاہیے کہ کیا اسلام اپنے ماننے والوں میں سے علما اور مفتیوں کے لیے اور حکم رکھتا ہے اور ان عالموں اور مفتیوں کی بات ماننے والوں کے لیے مختلف احکام لاتا ہے، یا اسلام میں داخل ہونے والے سب لوگ احکام خدا و رسولِ خدا کے پابند ہونے چاہئیں۔ اگر ایک حکم غیر عالم کے لیے ہے تو وہی عالم کے لیے بھی ہے۔ اس دینِ متین میں اس مذاق کی کوئی گنجائش نہیں کہ عامیوں تک احکامِ خداوندی پہنچانے والے ان احکام پر خود عمل نہ کریں۔ اگر کسی حکم کا اطلاق کسی ملک کے رہنے والے مسلمانوں پر ہوتا ہے تو پھر اس میں اپنے لیے استثنائی صورت پیدا کرنے والے اسلام کے ساتھ کچھ زیادہ مخلص ثابت نہیں ہوتے۔

تحریکِ ہجرت (۱۹۲۰ء) میں جن لوگوں نے مسلمانوں کو ہجرت کا مشورہ دیا، یا فتویٰ دیا، یا اس موضوع پر گرما گرم تقریریں کر کے عامۃ المسلمین کے جذبات کو برانگیختہ کر دیا اور لوگ اپنا گھر بار تج کر ہجرت کر چلے، خود ان کا کردار کیا رہا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں۔

"اس تحریک کے وکلا در حقیقت افغان حکمتِ عملی میں غیر شعوری طور پر ملوث ہو کر افغان حکومت کے لیے سود مند فضا تیار کرنے کا سبب بن گئے۔ اس تحریک کی ناکامی کی ذمہ داری ان میں سے کسی

نے قبول نہیں کی۔ وہ علما جنہوں نے اس کی ضرورت پر فتوے صادر کیا اور وہ رہنما جنہوں نے مہاجرین کی حوصلہ افزائی کی ــــــ اس کے نتائج سے آنکھیں بند کیے رہے۔"[1]

اللہ بخش یوسفی نے ہجرت کے داعیوں کے کردار پر ذرا کھل کر گفتگو کی ہے۔ کہتے ہیں: "مستقبل سے قطعاً آنکھیں بند کیے عوام کو ہندوستان سے ہجرت کر جانے کا شرعی حکم دیا جاتا رہا اور اس طرح کا حکم دینے والے خود اپنے آرام دہ مسکنوں سے ایک انچ بھی نہ ہل سکے۔ یہی نہیں جن جن علاقے کے یہ لوگ شرعی احکام صادر فرما رہے تھے، ان علاقوں سے بھی شاید ایک فی دس ہزار باشندے اپنے وطن چھوڑنے پر آمادہ ہو سکے۔"[2]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی اس صورتِ حال کا ذکر اپنی کتاب "المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ" میں یوں کیا: "ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا۔ جو ناسمجھ ان کے کہنے میں آ گئے، ان مصیبت زدوں پر جو گزری، گزری۔ یہ سب اپنے حجروں میں چین سے رہے، پتا لگا نہ پھٹکری۔"[3]

ہجرت کے پہلے بڑے مفتی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے جب یہ فتویٰ دیا کہ "ہجرت کے متعلق میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ضمیر (قلب یا ایمان) کو مطمئن نہیں کر سکتے اور وہ اب اسلام کے احکام کے مطابق عمل پیرا ہوں اور اس ملک سے ہجرت کر کے ایسے مقام پر چلے جائیں جہاں اسلام کی خدمت انجام دینا اور اسلامی قوانین پر شرعِ شریف کے مطابق عمل کرنا بہتر طریق پر ممکن ہو۔" روزنامہ پیسہ اخبار لاہور نے یہ فتویٰ روزنامہ حریت دہلی سے نقل کر کے لکھا: "ایک شخص نے یہ اجازت ہجرت پڑھ کر کہا کہ مولانا صاحب خود اپنے ضمیر کے مطمئن کرنے کے لیے کیوں اس فتوے پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت نہیں دیکھتے۔"[4]

مئی میں مولانا عبدالباری پر اعتراضات ہوئے تو انہوں نے ایک اخباری مراسلے میں اس امر کی وضاحت کی کہ انہوں نے خود ہجرت کیوں نہیں کی۔ لکھتے ہیں "۔۔۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ تم نے

[1] تحریکاتِ ملی صفحہ ۲۲۵ [2] سرسید اور جدید آزادی ص [illegible] [3] اوراقِ گم گشتہ صفحہ ۲۹۵
[4] پیسہ اخبار - ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

مکاتہ میں رہتا کہ اب یہ ملک دارالحرب ہے اور میں اول شخص ہوں کہ ہجرت کر جاؤں گا۔ اس وعدے کے
مطابق جلد ہجرت کرو۔ یہ مطالبات تو بالکل صحیح ہیں مگر بعض ایسی تحریکات کا ذکر جو امکان کے باہر ہیں انتہائی
خوفناک ہے خصوصاً کاتب کے لیے ..... بصورت لاچاری میں نے ہندوستان سے نکل جانے کا
مصمم ارادہ کر لیا تھا جیسا کہ کلکتہ میں ظاہر کیا تھا مگر مجھے مستفتین نے باز رکھا۔ میرے نزدیک یہاں سے
ہجرت فرض عین نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے بلکہ فرض دفاع کی تکمیل کے لیے کی جا سکتی ہے۔ کس
واسطے ان لوگوں کو جو ہجرت کرنا چاہتے ہیں، روکنے کا حق نہیں اور جو نہیں کرتے ان پر خدا نے جبر نہیں کیا
ہے۔ میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر اپنے مشیروں کی رائے کے باعث اس کو فسخ کیا۔[1]"

بعد میں انھوں نے پھر اخبار کے ذریعے اس اعتراض کا جواب یوں دیا: "مسئلہ ہجرت میں جو تقریر
ہوئی تھی، وہ پوری لوگوں کے خیال میں نہیں رہی ہے۔ میں نے جہاں تک مجھے علم ہے، یہ کہا تھا، اگر
مجوزہ فیصلہ جو اخبارات سے اور طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے، ہو گیا تو میں جو کہ ہندوستان کو اب تک دارالاسلام
سمجھتا تھا، اس کے دارالحرب ہونے کا فتوے دوں گا، اور دارالحرب میں توطن حرام ہے لہٰذا پہلا
شخص میں ہوں گا جو ہجرت کر جاؤں گا۔ ... میں نے اپنا ارادہ کیا تھا، مشورہ سے روک دیا۔ فرض تھا
کہ بجا لاؤں ضرور تھا۔ باوجود اس کے پھر بھی فرض دفاع کے انجام دینے کے لیے میں ہجرت کا حکم
دیتا ہوں۔[2]"

رئیس احمد جعفری نے "اوراق گم گشتہ" میں غلام محمود یزدانی امرتسری (عزیز ہندی) کے نام مولانا
عبدالباری کا ایک خط شائع کیا ہے جس پر تاریخ درج نہیں ہے، اس میں ہے: "وہ لوگ جن کے مشورہ پر
ان امر میں، میں نے تمام مشاغل انجام دیے، وہ مجھے ہجرت سے مانع ہیں اور میں خود فرض نہیں سمجھتا کہ خواہ
مخواہ ان کے مشوروں کو رد کر دوں۔[3]"

مولانا عبدالباری فرنگی محلی ہجرت کے پہلے باقاعدہ مبلغ تھے، خود ہجرت کرنے کا ارادہ کرنے کے بعد

---

۱ پیسہ اخبار - ۲۹ رمئی ۱۹۲۰ء - صفحہ ۳ ۲ پیسہ اخبار - ۲۴ رجون ۱۹۲۰ء - صفحہ ۳۰۴
۳ اوراق گم گشتہ - صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱

میں ان کے خیالات سامنے ہیں، قارئین کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ اس سے کیا صورت حال سامنے آتی ہے۔

عزیز ہندی کہتے ہیں کہ وہ ہجرت کے لیے پشاور اور راولپنڈی کے تنظیمی دورے سے واپس گئے
تو انھیں معلوم ہوا کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے نہایت مستعدی اور گرم جوشی سے ہجرت کی تبلیغ
شروع کر رکھی ہے۔ لکھتے ہیں: "میں نے ازراہ تفنن مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا کہ اب تو
آپ میرے ساتھ ہی ہجرت کریں گے جس پر انھوں نے فرمایا کہ آپ آگے جائیں، میں آپ کے پیچھے مہاجرین
کے لشکر روانہ کرتا رہوں گا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے عملاً ہجرت نہیں کی تھی۔[1]"

مولانا ثناء اللہ امرتسری ہجرت کے پر جوش مبلغ تھے۔ مہاجرین سندھ کی اسپیشل ٹرین لاہور سے گزری
تو باشندگان امرتسر کی طرف سے انھوں نے سپاسنامہ اور نقد رقم مہاجرین کو پیش کی۔ ۲۹ جون کو امرتسر کے
تین اشخاص نے ہجرت کی تو اسٹیشن پر انھیں رخصت کرنے والوں میں مولوی ابوالوفا ثناء اللہ کا نام نمایاں
تھا۔[2] ان کے ہفت روزہ "اہل حدیث" امرتسر میں ہجرت کے متعلق خبریں بڑی تفصیلات و جزئیات کے
ساتھ چھپتی رہیں۔ انھوں نے بھی خود ہجرت کا ارادہ نہیں کیا بلکہ جب افغانستان والوں نے کچھ مہاجرین
کو جاسوسی کے الزام میں پکڑا، ان کے سرین پر گرم پیسے سے داغ دے کر انھیں ہندوستان واپس بھیج
دیا تو مولانا نے قرآن پاک کے حوالے سے لکھا کہ ان کے ناک پر داغ ہونا چاہیے تھا، سرین پر تو کسی کو نظر
بھی نہیں آئے گا۔[3]"

امرتسر ہی کے مولانا ابوتراب عبدالحق نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا عبدالحی کے حوالے
سے ہندوستان کے دارالحرب ہونے پر اصرار کیا اور ہجرت کو ایک مذہبی فرض قرار دیا۔[4] لیکن اس فرض
پر عمل کا مسئلہ آیا تو انھوں نے اپنے فرزند کو افغانستان ہجرت کرنے سے اس لیے منع کر دیا کہ وہ ابھی کمسن
ہے اور تعلیم حاصل کر رہا ہے اور اسے والدین کی سرپرستی کی ضرورت ہے۔[5]

---

۱ اوراق گم گشتہ - صفحہ ۹۳۔ ۲ پیسہ اخبار - ۹ رجولائی ۱۹۲۰ء ۳ ہفت روزہ
اہلحدیث امرتسر - ۳۰ رجولائی ۱۹۲۰ء (۱۲ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ) ۴ وکیل، امرتسر، ۷ رمئی ۱۹۲۰ء
۵ وکیل امرتسر - ۲۲ راگست ۱۹۲۰ء

ابو سلمان شاہجہانپوری، سید تراب علی شاہ راشدی المعروف شاہ سائیں کے بارے میں لکھتے ہیں
"سندھ برصغیر پاک و ہند کا واحد صوبہ تھا جس نے ہجرت کے سلسلے میں ایک نظم کے تحت قدم اٹھایا اور
سب سے زیادہ اسی صوبے کے مسلمانوں نے ہجرت کی[1] تحریک ہجرت کی کامیابی اور اس میں نظم و ضبط
کی خوبی کا سہرا حضرت شاہ سائیں کے سر تھا[2]۔"

ڈاکٹر معین الدین عقیل تحریک ہجرت میں مولانا ابوالکلام آزاد کے کردار کے بارے میں لکھتے ہیں
"وہ لوگ جو ہجرت کے خواہاں تھے، مولانا آزاد کا فتویٰ[3] ان کے لیے بڑا سہارا ثابت ہوا چنانچہ انہوں
نے ایک منظم تحریک[4] کا آغاز کر دیا۔ خود مولانا آزاد نے تحریک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور [illegible]
میں اپنی طرف سے ناظم مقرر کیے تاکہ ہجرت کا سلسلہ ایک منتظم طریقہ پر جاری رکھا جائے[5]۔" مولانا آزاد
نے اپنے فتویٰ میں یہ بھی کہا "مسلمانان ہند کے لیے بجز ہجرت کے اور کوئی چارہ شرعی نہیں۔ ان تمام
مسلمانوں کے لیے جو اس وقت ہندوستان سے سب سے بڑا عمل انجام دینا چاہیں، ضروری ہے کہ
ہندوستان سے ہجرت کر جائیں[6]۔" مولانا ابوالکلام آزاد نے "منظم تحریک" کا آغاز بھی کر دیا۔ "بیعت ہجرت" پر بھی
زور دیا۔ ہند کے مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا عمل ہجرت قرار دیا۔ ہجرت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں
لے لی۔ لیکن خود ہجرت کر جانے کے بارے میں سوچنا بھی گوارا نہیں کیا۔

۱۰ اپریل کو پٹنہ کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شوکت علی نے کہا کہ ہم حکومت

---

[1] یہ بات درست نہیں۔ صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ تعداد میں ہجرت کی تھی

[2] تحریک ہجرت کامیاب کیا ہوئی تھی اور اس کی کامیابی کا سہرا شاہ سائیں کے سر کیسے بندھتا ہے۔ ان دعووں کی قلعی کتاب کے مختلف ابواب ہی کھل جاتی ہے۔ [3] ابوالکلام آزاد، مولانا، تحریک نظم جماعت، مرتبہ ابو سلمان شاہجہانپوری، نذیر سنز پبلشرز، لاہور، اشاعت اول ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۶۔ [4] مولانا آزاد نے یہ فتویٰ کلکتہ سے یکم ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ کو دیا (تحریک نظم جماعت، صفحہ ۳۰۱)۔ [5] یہ منظم تحریک کہیں نظر نہیں آتی۔ فتویٰ میں صرف بیعت ہجرت پر زور دیا گیا جس کی عملی صورت کہیں دکھائی نہیں دی۔ [6] تحریکات ملی صفحہ ۳۲

[7] خلافت اسلامی و بقاء اسلامیہ کا آخری فیصلہ مسلمانان ہند کے فرائض شرعیہ کے عنوان سے مولانا آزاد کا فتویٰ تحریک نظم جماعت۔ صفحہ ۱۹۷ و صحیفہ روزہ اہلحدیث امرتسر ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۰ء و ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ۔

سے دست تعاون کھینچ لیں گے اور افغانستان اور ایشیائے کوچک کو ہجرت کر جائیں گے[1]۔ ایسا ہی ایک
پیغام وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری کو بھی بھیجا گیا[2]۔ مہاجرین سندھ کا پہلا قافلہ سپیشل ٹرین میں افغانستان
کی طرف روانہ ہوا تو مولانا شوکت علی نے مہاجرین کے نام الوداعی پیغام میں کہا: "اللہ آپ کی اس بڑی
قربانی کا ثواب آپ کو دے گا۔ یقین رکھیں، ہم آپ کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ خدا نے چاہا تو ہم
کسی دن آپ کو آ ملیں گے[3]۔" لیکن سب جانتے ہیں کہ مولانا شوکت علی نے افغانستان یا ایشیائے کوچک
کو ہجرت نہیں کی اور مہاجرین سندھ کو افغانستان میں نہیں جا ملے۔

اصل میں ہجرت کے سب مفتیوں اور مبلغوں نے یہی کیا۔ لوگوں کو ہجرت پر اکسایا، ہجرت کو
واحد چارۂ شرعی قرار دیا۔ اور خود چین کی نیند سوتے رہے۔

---

[1] زمیندار۔ ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء / پیسہ اخبار۔ ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء

[2] ایضاً

[3] پیسہ اخبار۔ ۱۳ جولائی ۱۹۲۰ء

مہاجرین کی تعداد

تحریک ہجرت کے دوران میں، مئی سے اگست ۱۹۲۰ء تک، کتنے مسلمان (اور ہندو) ترک وطن کر گئے؟ —— یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے بارے میں پورے وثوق سے بہت کچھ کہا گیا لیکن اس میں سے بیشتر درست نہ تھا۔ جدوجہد آزادی کی تاریخ لکھتے ہوئے بیشتر لوگوں نے تحریک ہجرت کے بیان و باب کی طرف سے عموماً آنکھیں بند رکھیں۔ چند سطروں یا ایک آدھ پیرے میں جو کچھ کہا گیا، اس کی بنیاد بھی حقائق پر قائم نہ کی گئی۔ چنانچہ بہت سے لکھنے والوں نے مہاجرین کی تعداد اٹھارہ ہزار لکھی۔ مثلاً زیڈ اے سلہری نے کہا اور بڑے زور سے کہا: "کم و بیش اٹھارہ ہزار، پھر بیٹھے اٹھارہ ہزار آدمی گھربار چھوڑ کر افغانستان کی طرف روانہ ہوگئے .... موجوں پر چڑھتی ہوئی موجیں، تعداد میں اٹھارہ ہزار۔"[1]

قاضی محمد عدیل عباسی نے بھی یہی تعداد لکھی ہے، اگرچہ جولائی، اگست کے حوالے سے ہے۔ "ایک اندھے جوش میں جولائی اور اگست میں تقریباً اٹھارہ ہزار آدمی ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔"[2] عبدالوحید خاں نے لکھا: "تقریباً اٹھارہ ہزار سے زائد مسلمانوں نے افغانستان کی طرف ہجرت کی۔"[3] اپنی دوسری کتاب میں انھوں نے اپنے ماخذ سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ ۱۸ ہزار کی بات کہاں سے چلی، اس کا ذکر آگے آئے گا، لیکن بات کا مجموعی تاثر یہی ہوتا ہے کہ شاید کل ۱۸ ہزار آدمیوں ہی نے ہجرت کی تھی۔

[1] سلہری، ضیاء الدین احمد، ہمارا قائد (ترجمہ از جہاں گرد)، کتاب منزل لاہور۔ بار دوم ۱۹۴۶ء، صفحہ ۵۳، ۵۸
[2] تحریک خلافت۔ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔ ۱۹۷۸ء، صفحہ ۱۵۶
[3] عبدالوحید خاں، تقسیم ہند۔ مکتبہ کاروان، لاہور۔ طبع دوم اگست ۱۹۸۲ء، صفحہ ۳

ذکر ہے، خود عبدالوحید خاں بھی یہی لکھتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے "تقسیم ہند" میں کل ۱۸ ہزار آدمی لکھے ہیں۔ بہر حال "مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ" میں لکھتے ہیں: "اگست کی سخت گرمیوں میں اور زمانہ برسات میں اٹھارہ ہزار مسلمان ہجرت کر کے افغانستان کی راہ لے چکے تھے۔"[4] آغا اشرف نے لکھا: "مہاجرین کی کل تعداد ۱۸ ہزار تھی۔"[5] فائق کامران نے بھی یہی بات دہرائی: "کم و بیش اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے اپنی جائدادیں اونے پونے فروخت کر کے افغانستان کا رخ کیا۔"[6] صلاح الدین ناسک کہتے ہیں کہ "ایک اندازے کے مطابق تقریباً ۱۸ ہزار مسلمان افغانستان کی سرحد پر پہنچ گئے لیکن انہیں وہاں بھی امان نہ مل سکی۔"[7] انھوں نے تو مزید احتیاط یہ کی ہے کہ ان ۱۸ ہزار کو بھی افغانستان نہیں پہنچایا، صرف افغانستان کی سرحد پر پہنچا کر بری الذمہ ہوگئے ہیں۔

اصل میں یہ ۱۸ ہزار کی تعداد سب سے پہلے پروفیسر رشبرک ولیمس نے اپنی کتاب میں لکھی۔ ان کی کتاب کا ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے کیا اور ترجمے میں دونوں مقامات پر فقرہ اس طرح طویل ہوگیا کہ ۱۸ ہزار تو پڑھنے والوں کو نظر آیا، "اگست میں" کے الفاظ غائب ہوگئے۔ جس مصنف کو سب سے پہلے یہ غلطی ہوئی، گمان غالب ہے کہ پھر دیگر لوگوں نے اسی سے یہ تعداد اڑا لی اور لے چلے۔ ہمارے محققین، مورخین اور مصنفین نے پھر یہ تعداد ہاتھ سے نہ جانے دی اور یوں نقل ہوتی چلی گئی۔ پروفیسر رشبرک ولیمس کی تحریر کا ترجمہ یہ تھا: "تخمینہ کیا جاتا ہے کہ سب ملا کر تقریباً ۱۸ ہزار اشخاص مذہبی جوش سے متاثر ہو کر افغانستان کی جانب ماہ اگست میں روانہ ہوگئے۔"[8] اسی کتاب کے دوسرے متعلقہ

[4] عبدالوحید خاں، مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ۔ مکتبہ کاروان لاہور۔ تیسرا ایڈیشن نومبر ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۱۶
[5] آغا اشرف۔ پاکستان کا اسلامی پس منظر۔ مقبول اکیڈمی لاہور۔ طبع اول ۱۹۸۳ء، صفحہ ۱۹۲
[6] فائق کامران۔ تحریک پاکستان، ہماری جدوجہد آزادی۔ فیروز سنز۔ س ن۔ صفحہ ۱۱۴
[7] صلاح الدین ناسک۔ تحریک آزادی۔ عزیزیہ بک ڈپو، اشاعت اول۔ س ن۔ صفحہ ۳۲۲
[8] رشبرک ولیمس، پروفیسر۔ مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء (ترجمہ مولوی عبدالماجد دریابادی) مطبوعہ تعلقدار پرنٹنگ پریس لکھنؤ۔ بار اول ۱۹۲۲ء، صفحہ ۲۰

قوت کا زبر ملاحظہ فرمائیں ۔۔۔۔ "۱۰ ماہ اگست میں ایک خاص شور ہجرت افغانستان کا برپا ہوا یعنی تقریباً ۱۸ ہزار اشخاص نے بعض گمراہ افراد کے زیر اثر گھر بار سارا اثاثہ کوڑیوں کے مول لگا دیا اور خدا کا نام لے کر درۂ خیبر کی جانب کوچ بول دیا۔[1]"

اب تو خیر خاصا زمانہ گزر گیا ہے اور بعض لوگ اس تعداد کو اٹھارہ ہزار سے بھی کم لکھنے لگے ہیں۔ سندھ کے ایک لیڈر قاضی محمد اکبر کا انٹرویو ۲۰ اپریل ۱۹۸۷ء کے جسارت میں چھپا، جس میں انہوں نے کہا: "اس تحریک میں تقریباً پندرہ ہزار افراد نے ہجرت کی۔[2]"

مہاجرین کی تعداد شروع ہی سے متنازعہ رہی ہے۔ ہجرت بند ہوتے ہی "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے لکھا کہ اب تک کل ۲۰ ہزار مہاجرین درۂ خیبر سے کابل روانہ ہو چکے ہیں۔[3]

اس خبر کا محتاط پہلو یہ ہے کہ یہ تعداد صرف درۂ خیبر سے گزر کر افغانستان جانے والوں کی ہے۔ اخبار "پائنیر" نے ہجرت کرنے والوں کی تعداد ۴۰ ہزار لکھی۔ "تحریک بند: ۔۔۔ جو مسلمان افغانستان کو ہجرت کر گئے ہیں، ان کی تعداد تقریباً ۴۰ ہزار ہے جن میں سے ۲۰ ہزار صوبہ سرحد سے اور باقی ماندہ پنجاب اور سندھ سے گئے ہیں۔[4]"

جانباز مرزا نے "تارکین وطن کی تعداد ۴۰ ہزار لکھی ہے۔" ۔۔۔۔ "لیکن افغانستان کے اقتصادی اور سیاسی حالات ۴۰ ہزار مہاجرین کے بوجھ کے متحمل نہیں تھے ۔۔۔۔ شاہ جی (مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری) اور دوسرے زعمائے ملت جنہیں تحریک ہجرت کا خضر راہ کہا جا سکتا تھا، تحریک کی ناکامی اور ۴۰ ہزار مہاجر مسلمانوں کی کابل سے نامراد واپسی پر سکون دل کھو بیٹھے۔[5]"

---

۱ رشبرک ولیمس پروفیسر، مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء (مترجم مولوی عبدالمجید دریابادی) مطبوعہ تعلقدار پرنٹنگ پریس لکھنؤ۔ بار اول ۱۹۲۲ء۔ صہ ۱۰

۲ تکبیر جد، اب بھی زندہ ہیں۔ نیا دور پبلیکیشنز حیدرآباد۔ اشاعت اول اکتوبر ۱۹۸۲ء، صہ ۴۴

۳ پیسہ اخبار، ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء صہ ۶

۴ زمیندار، ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء، صہ ۴

۵ جانباز مرزا، حیات امیر شریعت صہ ۵۳، ۵۴

جانباز مرزا کی یہ تحریر تاثر دیتی ہے کہ صرف ۴۰ ہزار آدمیوں نے ہجرت کی تھی حالانکہ سب تارکین ہجرت تو واپس ہندوستان نہیں آ گئے تھے۔ لیکن ۴۰ ہزار کی یہ تعداد جانباز مرزا نے اس عریضے سے لی ہے جو مہاجرین ہند کے نمائندوں نے امیر افغانستان کو پیش کیا کہ مزید مہاجرین کا داخلہ تا احکام ثانی بند کر دیا جائے۔ اس عریضے پر جن لوگوں کے دستخط تھے ان میں ڈاکٹر عبدالغنی، محمد اقبال شیدائی، جان محمد جونیجو، عبدالرحیم قصوری، شیخ عبدالحق فتاتی (جنہیں بعد میں جاسوسی کے الزام میں مار دیا گیا تھا)، پیر عثمان شاہ کراچی، غلام محمد عزیز راہندی، پیر یاد ورنہ سابق ایڈیٹر بھارت، پروفیسر امریکہ ہوری شمس القراء مولوی احمد علی لاہوری بھی شامل تھے۔ یہ عریضے اور اس پر امیر افغانستان کا حکم "اعلان واجب الاذعان: مہاجرین ہندی پر مراحم خسروانہ کی بارش۔ اعلیٰ حضرت امیر غازی کا فرمان" کے عنوان سے ہندوستان کے اخبارات میں اشاعت پذیر ہوئے۔ عریضہ میں کہا تھا ۔۔۔۔ "لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ موجودہ مہاجرین جن کی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے، موسم سرما سے پہلے پہلے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں۔[1]" اس عریضے اور امیر افغانستان کے حکم کی تاریخ معلوم نہیں، ورنہ اندازہ کیا جا سکتا کہ ہجرت بند ہونے سے کتنا عرصہ پہلے ۴۰ ہزار کی یہ تعداد لکھی گئی تھی۔ بہرحال یہ حقیقت کئی ابواب میں سامنے آ چکی ہے کہ امیر صاحب تک مہاجرین کی درخواستیں بہت جلد نہیں پہنچتی تھیں۔ اس سے گمان کیا جا سکتا ہے کہ مہاجرین ہند کے نمائندوں کا یہ عریضہ ہجرت بند ہونے سے کئی دن پہلے کا ہو گا۔ اور ۴۰ ہزار کی یہ تعداد بھی صحیح نہیں۔ اس سے یہ بات بطور واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۸ ہزار کی تعداد تو کسی طرح درست نہیں۔

"پاتھ وے ٹو پاکستان" میں چودھری خلیق الزمان نے مہاجرین کی تعداد ۲۰ ہزار لکھی ہے۔[2] اس پر اللہ بخش یوسفی نے (جو خود تحریک ہجرت کے عینی شاہد تھے) لکھا: "پھر چودھری صاحب کو علم نہیں کہ مہاجرین کے بعض قافلے دس دس ہزار افراد پر مشتمل تھے۔ انہیں کل تعداد کسی نے ۴۰ ہزار بتا دی تو اسے ہی لے اڑے۔ اگر وہ کیمبرج یونیورسٹی کے ماہر ریاضیات علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی (جو خود موقع پر موجود تھے)

---

۱ پیسہ اخبار، ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء، ۲۲ اگست ۱۹۲۰ء۔

۲ خلیق الزمان چودھری، پاتھ وے ٹو پاکستان۔ صہ ۵۰۔

کی کتاب "اشارات" دیکھ لیجیے تو انھیں اپنے ۶۰ ہزار کے مقابل ایک لاکھ سے زائد کے الفاظ نظر آجاتے ہیں[1]۔

ایک لاکھ مہاجرین کی بات آئی ہے تو ہجرت کا سلسلہ بند ہونے سے پہلے "پیسہ اخبار" کی خبر ملاحظہ فرمایئے: "کابل اور دیگر راستوں سے افغانستان میں ایک لاکھ دو ہزار ہندی مہاجر پہنچ چکے ہیں[2]۔" "زمیندار" نے بھی "ہجرت کے مقدس اصول کی توہین" کے عنوان سے اپنے ایک اداریے میں لکھا: "تقریباً ایک لاکھ آدمی آرام و آسائش کے تمام سامانوں پر لات مار کر دوسرے ملک میں چلے گئے ہیں[3]۔"

چالیس ہزار کے حوالے کے ساتھ جس "عریضے" کا ذکر کیا گیا تھا، اس پر دستخط کرنے والوں میں نواب جان محمد جونیجو بھی تھے۔ انھوں نے نومبر ۱۹۲۰ء میں ہندوستان آکر ایک تقریر میں فرمایا: "ہمارے قافلے کے پہنچنے کے بعد ایک لاکھ ۲۰ ہزار مزید مہاجرین بھی جا پہنچے[4]۔"

ہجرت ۱۰ اگست کو بند ہوگئی۔ ہفت روزہ "اہل حدیث" امرتسر کے ۱۳ اگست کے پرچے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا: "معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت تک ایک لاکھ ۱۲ ہزار کی تعداد میں مہاجرین ہجرت کر چکے ہیں[5]۔" یہ پرچہ، ظاہر ہے، پہلے مرتب ہوا اور اس میں تمام خبریں ہجرت اور ہجرت کے جوش اور جذبے سے متعلق ہیں۔ اس لیے "اہل حدیث" کی اطلاع کے مطابق یہ تعداد اس وقت کی ہے جب مہاجرین جا رہے تھے اور ابھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری عزیز ہندی کے ذکر میں کہتے ہیں: "تقریباً دو لاکھ مسلمان ہندوستان میں اپنا گھر بار لٹا کر کابل پہنچ چکے تھے[6]۔"

غلام محمد عزیز امرتسری (عزیز ہندی)[7] نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی۔

---

[1] اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی، صفحہ ۲۲۵ [2] پیسہ اخبار، ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

[3] زمیندار، ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲ [4] پیسہ اخبار، ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳ [5] اہل حدیث ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء، ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ، صفحہ ۱۲ [6] ابو سلمان شاہجہانپوری، تحریک نظم جماعت، نذیر سنز پبلشرز لاہور، صفحہ ۲۳۶ [7] عزیز ہندی ۹ فروری ۱۹۷۱ء کو فوت ہوئے

۱۹۵۰ء میں جماعت اسلامی میں شامل ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے ساتھ بھی چل سکے ہوں تو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ان کے بارے میں لکھا: "ہمارے رفقا میں ایک تازہ اور قیمتی اضافہ جناب عزیز ہندی کا ہے۔ ان کے نام سے ہندوستان کے اخبار بیں حضرات ناآشنا نہیں ہیں۔ یہ ۱۹۲۰ء کی تحریک ہجرت کے علمبردار تھے۔ تقریباً ۲ لاکھ آدمیوں کے ساتھ ہجرت کر کے افغانستان تشریف لے گئے[1]۔"

اس سے مولانا مودودی نے یہ تاثر دیا ہے کہ ہجرت کے علمبردار دو لاکھ آدمیوں کو ساتھ لے کر افغانستان چلے گئے تھے۔ ظاہر ہے یہ تاثر درست نہیں۔ عزیز ہندی کے قافلے میں تو صرف گیارہ آدمی تھے[2]۔

بہرحال اس تحریر سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مولانا مودودی نے مہاجرین کی تعداد ۲ لاکھ لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنے "تازہ اور قیمتی" ساتھی عزیز ہندی کے بتانے پر لکھی ہوگی۔

افغانستان میں مہاجرین کا داخلہ بند ہو جانے کے بعد خلافت کمیٹی نے ہجرت کا پتہ اپنے ذمے لے لیا اور لوگوں کو ہجرت پر اکسانے پر لگی رہی۔ "پیسہ اخبار" نے اس موضوع پر ایک اداریہ بعنوان "ہجرت ضروری ہے، کس ملک میں ہجرت کرنا چاہیے؟" میں لکھا: "افغانستان تو تجربے سے ہجرت کے لیے موزوں ثابت نہیں ہوا۔ افغانستان کے اقتصادی ذرائع ایسے نہیں کہ وہ چند لاکھ مہاجرین کو بھی آسائش کے ساتھ قبول کر سکے[3]۔" سید دربار علی شاہ نے لکھا: "۱۹۲۰ء میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے افغانستان جانا شروع کیا[4]۔" فیض محمد خاں نے اپنی یادداشتوں میں لکھوایا: "افغانستان کی مالی اور اقتصادی حالت اس وقت اتنی مضبوط نہ تھی کہ وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں مہاجروں کا بوجھ کما حقہ برداشت کر سکتی ہے[5]۔"

اب ۱۵ ہزار یا ۱۸ ہزار سے بات لاکھوں تک جا پہنچی ہے۔ پروفیسر احمد سعید لکھتے ہیں: "صرف ۱۵ اگست ۱۹۲۰ء میں ۱۵ ہزار مسلمان افغانستان کی طرف چل دیے۔ ایک اندازے کے مطابق

---

[1] ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، مئی ۱۹۵۰ء [2] اوراق گم گشتہ، صفحہ ۹۷

[3] پیسہ اخبار، ۲۰ ستمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲ [4] ہجرت افغانستان (رباب تحریک خلافت از سید دربار علی شاہ)، صفحہ ۱۲ [5] ہجرت افغانستان صفحہ ۳۹

کل مسلمان جنھوں نے افغانستان ہجرت کی، ان کی تعداد ۵ لاکھ اور ۲۰ لاکھ کے درمیان تھی۔[1]

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے مقالے میں مختلف اندازے جمع کر دیے ہیں، لکھتے ہیں۔ "ان چالیس ہزار مہاجرین کے علاوہ جن کی تعداد کا اندازہ افغان حکومت نے لگایا تھا[2] تقریباً سات ہزار مہاجرین نے امیر افغانستان کے مذکورہ فرمان کے اجرا کے بعد بھی سرحد عبور کرلی تھی۔ درۂ خیبر کے بجائے دوسرے راستوں سے جانے والے مہاجروں کی صحیح تعداد کا کوئی اندازہ نہیں۔ ستمبر تک بھی مہاجروں کی مختلف ٹولیاں ہندوستانی سرحد عبور کرتی رہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق ۹۰ ہزار سے زائد افراد نے ہجرت کی تھی۔[3]" پھر لکھتے ہیں: "مہاجرین کی تعداد کے مختلف اندازے لگائے گئے تھے۔ ان اندازوں کے مطابق ۱۸ ہزار[4] سے لے کر ۲ لاکھ تک نے ہجرت کی۔ پنجاب خلافت کمیٹی نے ایک لاکھ ۲۰ ہزار کا اندازہ لگایا تھا۔ ملک لعل خان کا خیال تھا کہ دو لاکھ ۲۵ ہزار افراد نے ہجرت کی تھی۔ ایک مہاجر کے مطابق ایک وقت میں صرف کابل میں مہاجرین کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار تک پہنچ گئی تھی جبکہ مزید مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک دوسرے مہاجر نے یہ تعداد ۲۳ ہزار بتائی۔ ایک تیسرے مہاجر کا اندازہ تھا کہ یہ تعداد ۴۰ ہزار تک تھی۔ حکومت ہند کے اندازے کے مطابق مہاجرین کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۴۰ ہزار تھی۔[5]"

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ان مختلف اندازوں کا ذکر کیا ہے اور محتاط اندازے کے مطابق

---

[1] احمد سعید پروفیسر، حصول پاکستان۔ صفحہ ۲

[2] چیف کمشنر کے تار بنام سیکرٹری خارجہ حکومت ہند مورخہ ۱۴ راگست ۱۹۲۰ء اگست کے حوالے سے ہے ۲۰ راگست تک ۱۳ تیرہ ہزار مہاجرین نے سرحد پار کی تھی۔ لیکن محض ایک ہی ہفتہ بعد یہ تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ (تحریکات ملی۔ صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱)

[3] تحریکات ملی صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶

[4] معلوم ہوتا ہے ۱۵ ہزار والا اندازہ ان کے سامنے نہیں تھا

[5] تحریکات ملی۔ صفحہ ۲۲۶

مہاجرین کی تعداد ۹۰ ہزار سے زائد بتائی ہے لیکن اس "محتاط اندازے" کی بنیاد کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ اقبال نے پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام ایک خط مرقومہ ۱۴ر اگست ۱۹۲۰ء میں لکھا: "اس وقت تک ۱۵، ۲۰ ہزار آدمی اور ممکن ہے کہ زیادہ، جا چکا ہوگا۔[1]"

عزیز ہندی کی یادداشتوں میں ہے کہ حکومت افغانستان مہاجرین کو قطغن (ترکستان) میں بسانا چاہتی تھی لیکن ہمارا اندازہ یہ تھا کہ اس کام پر ایک کروڑ روپیہ صرف ہوگا جبکہ حکومت کا کل سالانہ بجٹ ۸، ۹ کروڑ روپے سے زائد نہ تھا۔ "لہٰذا جب ہمارے اندازے کی خبر افغانی حکومت کے حلقے میں پہنچی تو قطغن (قطغن) کی طرف مہاجرین کی حرکت پر اوس پڑ گئی۔ میرا اندازہ ہے کہ پھر بھی جن مہاجرین میں مالی استطاعت تھی۔ وہ تقریباً دس ہزار کی تعداد میں ہجرت کرکے اس سرزمین پر جا بسے۔ ان کا بعد میں کیا حشر ہوا، ہمیں مشکل ہے ان کے متعلق صحیح اطلاعیں موصول ہو سکی ہیں۔[2]" یعنی عزیز ہندی کے خیال میں دس ہزار کے قریب مہاجرین تو قطغن میں جا بسے تھے اور واپس ہندوستان نہیں آئے۔ کچھ افغانستان میں ہی رہ گئے تھے۔ بہت سے ہندوستان واپس آگئے۔ اس طرح مہاجرین کا پندرہ یا اٹھارہ ہزار کی تعداد کا اندازہ تو غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

اکتوبر ۱۹۲۰ء میں میر رحمت اللہ ہمایوں وفد مہاجرین ہندی کے طور پر جان محمد جونیجو اور حکیم احمد اختر شاہ کے ساتھ ہندوستان آئے۔ انھوں نے ۲۹ر اکتوبر کو بمبئی کے ایک جلسہ عام میں ایک تحریری بیان پڑھا جس میں کہا گیا کہ "روز بروز تعداد مہاجرین میں بکثرت ازدیادی ہوتی گئی اور نوبت بایں جا رسید کہ دس دس بیس بیس ہزار کا قافلہ سرزمین افغانستان میں داخل ہونا شروع ہوا۔[3]" بنوں اور وزیرستان کی تاریخ میں ہے کہ ایک دن میں ۱۵ ہزار مہاجر کابل شہر میں داخل ہوئے۔[4]

مختلف قافلوں کی جو خبریں اخبارات سے مل سکی ہیں، ان کے مطابق پہلا قافلہ چھ سات آدمیوں پر

---

[1] عطاء اللہ شیخ (مرتب) اقبال نامہ، حصہ دوم صفحہ ۱۵۹۔ [2] اوراق گم گشتہ صفحہ ۸۲

[3] زمیندار۔ ۱۲ر نومبر ۱۹۲۰ء [4] بنوں اور وزیرستان تاریخ صفحہ ۲۳۹

مشتمل تھا[1]۔ دوسرے، تیسرے اور چوتھے قافلے کے مہاجرین کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ پانچویں قافلے میں ۲۰۰ افراد تھے[2]۔ چھٹے قافلے میں ۲۵۰ افراد تھے[3]۔ ساتویں قافلے کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ آٹھواں قافلہ پانچ سو آدمیوں پر مشتمل تھا[4]۔ نویں قافلے کی تفصیلات اخبارات نے دی ہیں لیکن تعداد نہیں لکھی۔ دسواں قافلہ عزیز ہندی کی قیادت میں ۱۹ رجون کو جلال آباد پہنچا۔ اس میں گیارہ آدمی تھے[5]۔ ۲۹ رجون کو امرتسر سے تین مہاجرین نے ہجرت کی[6]۔ گیارہواں قافلہ ۱۰ رجون کو جلال آباد پہنچ کر کابل کو روانہ ہو گیا۔ اس قافلے کے ۵ مہاجر گرمی اور باد سموم سے بیمار ہو گئے اور جلال آباد میں روک لیے گئے[7]۔ یہ قافلہ پہلے دس قافلوں کے مقابلے میں بہت بڑا تھا[8]۔ وائسرائے نے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کے نام ۲۶ رجون ۱۹۲۰ء کے تار میں اس وقت تک کے تارکین وطن کی تعداد ۱۳۲۰ بتائی[9]۔

مہاجرین سندھ کی سپیشل ٹرین ۹ رجولائی کو لاڑکانہ سے روانہ ہوئی۔ لاڑکانہ گزٹ کے مطابق ۹۰۰ مہاجر تھے[10]۔ لالہ مسندی لعل ہندی نے یہ تعداد ۵۰۰ لکھی ہے[11]۔ پیسہ اخبار نے پانچسو مرد، دو سو کے قریب بچے اور عورتیں لکھا[12]۔ جب یہ قافلہ کابل کی طرف روانہ ہوا تو اس میں ۱۲ سو افراد تھے۔ جن میں سے سات سو تو سندھی تھے، پانچسو راستے میں مل گئے تھے[13]۔ اس قافلے میں مختلف سٹیشنوں سے لوگ شامل ہوتے رہے۔ مثلاً گوجرانوالہ سے پانچ آدمی شامل ہوئے[14]۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے مطابق اس قافلے میں کل ۱۰ سو آدمی تھے جن میں سے ۵۵۲ سندھ سے آئے تھے۔ باقی ہندوستان کے دیگر اضلاع سے تھے[15]۔ سید علی محمد راشدی لکھتے ہیں کہ مہاجرین کی سپیشل ٹرین سید تراب علی شاہ راشدی

---

۱ اوراق گم گشتہ صفحہ ۹۳ء

۲ زمیندار ۱۰ رجون ۱۹۲۰ء

۳ زمیندار ۱۸ رجون ۱۹۲۰ء

۴ اوراق گم گشتہ صفحہ ۹۵ء

۵ اوراق گم گشتہ صفحہ ۹۷ء

۶ پیسہ اخبار ۹ رجولائی ۱۹۲۰ء

۷ پیسہ اخبار ۴ رجولائی ۱۹۲۰ء

۸ تحریکات ملی۔ صفحہ ۲۱۶

۹ لاڑکانہ گزٹ ۱۰ رجولائی ۱۹۲۰ء

۱۰ بیداری ہند۔ صفحہ ۱۶۵

۱۱ پیسہ اخبار ۱۵ رجولائی ۱۹۲۰ء

۱۲ زمیندار ۲۲ رجولائی ۱۹۲۰ء

۱۳ پیسہ اخبار ۱۵ رجولائی ۱۹۲۰ء

۱۴ پیسہ اخبار ۴ ستمبر ۱۹۲۰ء

مہران شاہ سائیں کی کوششوں سے روانہ ہوئی[1]۔ جب یہ قافلہ جلال آباد پہنچا تو اس میں ڈیڑھ ہزار مرد اور بچے تھے[2]۔

سندھی مہاجرین کے دوسرے قافلے میں ۵۵، تیسرے میں ۶۵ اور چوتھے قافلے میں ۸۰ مہاجر تھے مگر یہ تینوں قافلے سرحد پار نہ کر سکے۔ کیونکہ سرحد بند ہو گئی تھی۔ چار مہاجر سندھ سے پا پیادہ لاہور تک آئے تھے[3]۔ کچھ علم نہیں ہو سکا کہ یہ سرحد پار کر سکے یا نہیں۔

تنگی ضلع پشاور کے مہاجرین کا ڈیڑھ سو کا ایک قافلہ ۲۰ رجولائی کو[4] اور ۸۰ مہاجرین کا دوسرا قافلہ ۸ راگست کو کابل کی طرف روانہ ہوا[5]۔

کاٹوزئی کے ایک سو آدمی جولائی میں ہجرت کر گئے[6]۔ ایک ہفتے کے بعد دوسرا قافلہ روانہ ہوا تھا، اس کی خبر اخبارات سے نہیں مل سکی۔

مہاجرین کا بارہواں قافلہ ۱۵ رجولائی کو جلال آباد پہنچا[7]۔ اس کے شرکاء کی تعداد کا علم نہیں ہو سکا۔ فیض محمد مہاجر نے اپنے بھائی کو خط میں لکھا کہ ہم آٹھ ہزار کے قافلے کے ساتھ ۳۰ رجولائی کو ڈکہ پہنچ گئے ہیں[8]۔ پانچ آدمیوں کے سیالکوٹ سے اور چار نوجوانوں کے جالندھر سے ہجرت کر جانے کی خبر بھی چھپی[9]۔ مانسہرہ کے مہاجرین کا پہلا قافلہ ۷ راگست کو روانہ ہوا لیکن ان کی تعداد کا علم نہیں ہو سکا[10]۔ ۲۳ رجولائی کو بھوپال کے مہاجرین کا پہلا قافلہ چلا جس میں شریک مہاجرین کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی[11]۔ البتہ دوسرے قافلے میں ۳۰ مہاجر تھے[12]۔ تحصیل صوابی سے روانہ ہونے والے پہلے اور دوسرے قافلے کے بارے

---

۱ تحریک منظم جماعت۔ نذیر سنز پبلشرز صفحہ ۱۹۴

۲ پیسہ اخبار ۸ راگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

۳ اہلحدیث امرتسر ۶ راگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۹

۴ زمیندار ۲۲ رجولائی ۱۹۲۰ء

۵ زمیندار ۱۲ راگست ۱۹۲۰ء

۶ زمیندار ۲۲ رجولائی ۱۹۲۰ء

۷ پیسہ اخبار ۲۳ رجولائی ۱۹۲۰ء

۸ پیسہ اخبار ۸ راگست ۱۹۲۰ء

۹ پیسہ اخبار ۵ راگست ۱۹۲۰ء

۱۰ زمیندار ۸ راگست ۱۹۲۰ء / پیسہ اخبار ۱۱ راگست ۱۹۲۰ء

۱۱ پیسہ اخبار ۷ راگست ۱۹۲۰ء

۱۲ پیسہ اخبار ۱۳ راگست ۱۹۲۰ء

میں معلومات نہیں مل سکیں۔ البتہ تیسرا قافلہ ڈیڑھ ہزار مہاجرین پر مشتمل تھا۔[1]

مہاجرین پنجاب کا قافلہ مولانا احمد علی لاہوری کی قیادت میں لاہور سے چلا تو اس کے شرکاء کی تعداد ایک ہزار تھی۔[2] ۲۹ جولائی کو یہ قافلہ پشاور سے سرحد کی طرف روانہ ہوا تو "پیسہ اخبار" نے اسے کئی ہزار مہاجرین کا قافلہ لکھا۔[3] اور جب یہ قافلہ جلال آباد پہنچا تو اس کی تعداد "انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار کے مطابق ساڑھے تین ہزار تھی۔[4]

"زمیندار" نے لکھا تھا کہ ۳۰ جولائی کو ایک شخص ایاز خان ۱۲ ہزار کے قافلے کے ساتھ بطور مہاجر افغانستان گیا تھا۔[5]

"انگلش مین" کے سرحدی نامہ نگار کے حوالے سے ضلع پشاور میں ہجرت کے جوش کے بارے میں یہ خبر شائع ہوئی کہ بدھ کے روز ساڑھے تین ہزار مہاجرین جلال آباد پہنچے تھے۔[6] دس ہزار مہاجرین کے افغانستان جانے کے لیے جمرود پہنچنے کی خبر بھی چھپی۔[7] (شاید یہ مہاجرین کے چودھویں قافلے کا ذکر ہے۔)

چودھواں قافلہ ۹ اگست کو سرحد عبور کر گیا۔ اس کی تعداد مختلف ایجنسیوں نے دس سے بیس ہزار بیان کی۔ ہجرت کمیٹی نے ۸ ہزار مہاجرین کے نام لکھے۔[8] "زمیندار" کے ۱۰ اگست کے شمارے میں اس کی تعداد دس ہزار دی گئی۔ ۱۴ اگست کے شمارے میں تیرہ چودہ ہزار اور ۱۷ اگست کی اشاعت میں ۸ ہزار اور ۲۰ اگست میں چودہ ہزار اور بیس ہزار۔[9] ملک لعل خان (گوجرانوالہ) اور محمد صفدر (سیالکوٹ) نے اپنی رپورٹ میں اس کی تعداد دس ہزار لکھی۔[10]

---

۱ زمیندار، ۵ اگست و پیسہ اخبار ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء ۲ اہل حدیث امرتسر ۶ اگست ۱۹۲۰ء
۳ پیسہ اخبار، ۵ اگست ۱۹۲۰ء ۴ پیسہ اخبار ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء
۵ زمیندار، ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء ۶ زمیندار، ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء
۷ زمیندار، ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء ۸ پیسہ اخبار، ۱۱ اگست ۱۹۲۱ء
۹ زمیندار ۱۱ اگست، ۱۴ اگست، ۱۷ اگست، ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء ۱۰ زمیندار ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء

فیض محمد خان والا قافلہ ۹ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ جو دیر کے راستے اسمار کی جانب گیا۔[1] مہاجرین بونیر کے پہلے قافلے کی تیاری کی خبر تو "زمیندار" میں چھپی تھی۔ مگر معلوم نہیں یہ قافلہ گیا یا نہیں۔[2]

اگست کے شروع میں "اہل حدیث" امرتسر میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پشاور میں ہر روز دو سو سے آٹھ سو تک مہاجر آتے ہیں۔[3] "پیسہ اخبار" نے خبر دی کہ تین چار روز میں شبقدر (پشاور) سے ایک ہزار مہاجرین گزرے جن میں سے ۲۱۷ ہجرت کمیٹی سے پروانۂ راہداری لے کر گئے ہیں۔[4] ملک لعل خان اور محمد صفدر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ روزانہ آنے والے مہاجرین کی تعداد دو تین ہزار سے کم نہیں ہوتی۔[5] ایبٹ آباد، سکھر، کیمبل پور وغیرہ کے مہاجرین کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہیں لیکن ان قافلوں کی تعداد نہیں دی گئی۔[6]

تنگی کے اسی مہاجرین کا قافلہ شبقدر کے راستے کابل گیا۔[7] بھوپال کے دوسرے قافلے میں ۱۳ مہاجر تھے۔[8] دھام پور سے دو نوجوان کابل چلے گئے۔[9]

۸ اگست (جمعہ) کو کم از کم دس ہزار کا قافلہ سرحد عبور کر گیا تھا۔ "پیسہ اخبار" میں خبر چھپی کہ بروز جمعہ گیارہ ہزار مہاجرین جمرود پہنچے۔[10]

۱۱ اگست کو بارہ ہزار کا قافلہ سرحد پہنچا جسے روکا گیا کہ سرحد بند کر دی گئی ہے لیکن ان میں سے دس ہزار نے کسی کی نہ سنی اور سرحد پار کر گئے، دو ہزار واپس پشاور آ گئے۔[11] چیف کمشنر صوبہ سرحد نے اس قافلے کو "سات ہزار سے زیادہ مہاجرین کا ایک قافلہ" کہا۔[12]

---

۱ ہجرت افغانستان - ص ۲۲ ۲ زمیندار - ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء
۳ اہل حدیث امرتسر ۶ اگست ۱۹۲۰ء [illegible] ۴ پیسہ اخبار ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء
۵ زمیندار - ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء ۶ پیسہ اخبار ۱۱ اگست و زمیندار ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء
۷ زمیندار - ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء ۸ پیسہ اخبار - ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء
۹ پیسہ اخبار ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء ۱۰ پیسہ اخبار - ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء
۱۱ پیسہ اخبار ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء ۱۲ پیسہ اخبار ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء

اس آخری قافلے کے بعد ضلع پشاور، سندھ اور دیگر مقامات سے ۴ ہزار مہاجر پشاور پہنچے۔ وہ سب سمجھانے سے گھروں کو واپس چلے گئے۔[1]

خلافت کمیٹی کے نمائندوں ملک لعل خاں اور محمد صفدر نے اپنی رپورٹ میں لکھا "ابھی ہجرت جاری تھی، قیاس ہے کہ جو لوگ جا چکے ہیں ان کی تعداد ایک لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان ہوگی۔۔۔ شبقدر کے راستے سے پیدل مہاجرین بکثرت جا رہے ہیں۔ دوسرے راستوں سے بھی لوگ جا رہے ہیں۔"[2]

ان تمام حقائق کی روشنی میں ۱۵ ہزار اور ۱۸ ہزار والا مفروضہ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ "پاؤنیر" اور چودھری خلیق الزمان کی بیس ہزار والی بات بھی کسی طرح قرین قیاس نہیں۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے درۂ خیبر کے راستے سے افغانستان جانے والوں کی تعداد ۲۰ ہزار لکھی۔ دوسرے کئی راستوں سے بھی عازمین ہجرت جاتے رہے لیکن مختلف قافلوں کی صورت میں صرف درۂ خیبر ہی سے جو لوگ گئے، ان کی تعداد بھی بہرحال ۲۰ ہزار سے زیادہ بنتی ہے۔

پروفیسر ڈشبرک ویلس نے صرف اگست میں ہجرت کرنے والوں کی تعداد ۱۸ ہزار لکھی اور پروفیسر احمد سعید نے صرف اس ایک مہینے میں مہاجرین کی تعداد ۱۵ ہزار لکھی ہے۔ مختلف قافلوں کی اخباری اطلاعات کے علاوہ بہت سے لوگوں کے سرحد پار کرنے کی خبر اخبارات کی زینت نہیں بھی بنتی رہی نیز لوگ دوسرے کئی راستوں سے بھی افغانستان گئے۔ اس لئے صرف اگست کے مہینے میں بھی مہاجرین کی تعداد ۱۵، ۱۸ ہزار سے زیادہ ثابت ہوتی ہے۔

حکومت ہند کے اعلان کے مطابق ۴۰ ہزار افراد نے ہجرت کی تھی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ انگریزی حکومت کو مہاجرین کی تعداد کا اندازہ نہیں ہوگا، یہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے زیادہ تعداد بتانے سے گریز کیا ہو کہ اس طرح دنیا پر ان کی حکومت کے بارے میں اچھا تاثر نہیں ابھرتا۔ انجمن مہاجرین ہند نے امیر افغانستان کو جو عریضہ پیش کیا، اس میں لکھا ہے کہ عریضہ پیش کرنے تک

---

[1] پیسہ اخبار — ۲۰ اگست [2] زمیندار — ۱۸ اگست

چالیس ہزار مہاجرین افغانستان آ چکے ہیں۔ اور اتنے لوگوں ہی کا معقول انتظام مشکل ہے۔ اس لیے فی الحال سرحد بند کر دی جائے۔ اس عریضے کے بارے میں مشکل یہ ہے کہ اس کی تاریخ تحریر معلوم نہیں، اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ جب یہ عریضہ اور اس پر امیر افغانستان کا حکم ہندوستان کے اخبارات میں چھپا اس سے کتنا عرصہ پہلے یہ لکھا گیا ہوگا۔

چالیس ہزار کی یہ تعداد یوں بھی "نادرست" ثابت ہو جاتی ہے کہ خود اس "انجمن مہاجرین ہند" کے کرتا دھرتا جب ہندوستان آتے ہیں تو یہاں مہاجرین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتاتے ہیں۔ جانباز مرزا نے بھی اپنی کتاب میں چالیس ہزار مہاجرین کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ۲۰ ہزار سے لے کر بیس لاکھ تک کے اندازوں کا ذکر کر کے محتاط اندازے کے مطابق ساٹھ ہزار مہاجر بتائے ہیں لیکن انھوں نے اس "محتاط اندازے" کی بنیاد کا ذکر نہیں کیا کہ انھوں نے یہ محتاط اندازہ کس بنیاد پر لگایا ہے۔ پروفیسر احمد سعید نے "۵ تا ۲۰ لاکھ" کی تعداد میں مہاجرین کی بات کی ہے لیکن یہ تعداد بھی بے جواز ہے۔

اللہ بخش یوسفی، علامہ عنایت اللہ مشرقی، نواب جان محمد جونیجو، مولانا نثار احمد قصوری، پنجاب خلافت کمیٹی، روزنامہ پیسہ اخبار اور روزنامہ زمیندار مہاجرین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتاتے ہیں۔ عزیز ہندی کے حوالے سے [illegible] ابوالاعلیٰ مودودی اور سالم سلمان شاہجہانپوری دو لاکھ کہتے ہیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ملک لعل خاں کا اندازہ دو لاکھ ۳۵ ہزار کا لکھا ہے۔

۱۵ یا ۱۸ ہزار سے ۲۰ لاکھ تک کے اندازوں کی بنیاد افراط و تفریط معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی آدمی ان اندازوں کا ذکر ایک ہی فقرے میں کرتا ہے تو یہ بات خاصی مضحکہ خیز لگتی ہے۔ یہ درست ہے کہ تحریک ہجرت مسلمانوں کی کم عقلی کی وجہ سے چلی اور ہم جدوجہد آزادی کی تاریخ میں اس پہلو سے اپنے کردار کا ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں، اسی لیے کم ہی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح اس تحریک کے بارے میں زیادہ معلومات محفوظ نہیں رکھی جا سکیں لیکن

جس قدر معلومات اکٹھی ہو سکی ہیں، راقم الحروف نے جمع کر دی ہیں تاکہ اگر یہ ہماری غلطی تھی تو آئندہ ہم ایسی غلطی سے بچ سکیں اور جذباتیت کا شکار ہو کر اسلام کا نام استعمال کر کے، اہل اسلام کو کسی ایسے کام میں لگا دینے سے بچیں جن سے اجتماعی ملی نقصان ہو سکتا ہو۔

مہاجرین کی تعداد کے بارے میں جو معلومات مہیا ہو سکی ہیں میں نے اس باب میں جمع کر دی ہیں اور مختلف حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے میرا اندازہ ہے کہ ۱۹۲۰ء کے چند مہینوں میں ہندوستان چھوڑ کر افغانستان جانے والوں کی تعداد کسی طرح ایک لاکھ سے کم نہیں تھی۔ جن میں سے کچھ واپس ہندوستان آ گئے، کچھ افغانستان ہی میں بس رہے، کچھ روس کی طرف چلے گئے۔ اور [illegible] ہندی کے بقول دس ہزار مہاجر قسطنطین میں جا بسے تھے جو واپس نہ آ سکے۔

دو مسلمان صحافیوں کا کردار

۱۹۲۰ء میں ہندو مسلم اتحاد کے عجیب و غریب مظاہرے ہوئے، تحریک ہجرت چلی اور ناکام ہوئی، تحریک ترک موالات (نان کوآپریشن موومنٹ) کا غلغلہ رہا۔ اس اہم سال میں لاہور کے دو مسلمان اخبارات زمیندار اور پیسہ اخبار کے کردار کا تقابلی جائزہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہندو مسلم اتحاد اور اس کے مظاہر، نیز ترک موالات اور تحریک ہجرت کے متعلق زمیندار اور اس کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خاں — اور پیسہ اخبار اور اس کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم نے کیا کچھ لکھا اور مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کون کس حد تک کامیاب ہوا، یہ تجزیہ قارئین کرام کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

"زمیندار" بند ہوا، جب دوبارہ جاری ہوا تو مولانا ظفر علی خاں نے پہلے شمارے کے صفحہ اول پر یہ اشعار چھاپے۔

اخبار زمیندار

جس کو سچی بات کہنے میں نہیں مطلق ہراس
آج میدان صحافت میں وہ اخبار آ گیا
ہندو و مسلم کی ہم کیشی کی ساعت آ گئی
کیونکہ خاک کعبۂ دل کا پرستار آ گیا[1]

[1] زمیندار۔ دور جدید۔ ۱۰ اپریل ۱۹۲۰ء

وار 'صافی' ہفتے بعد اس اخبار کے پہلے ہی صفحے پر سید مسعود شاہ رہتکی کے یہ اشعار شائع ہوئے:

تشنۂ کامانِ خلافت کے لیے گنگا کو
چشمۂ صافیٔ زمزم میں ملا دیتا ہے
گر اذاں سے نہ ہو بیدار تو بانگِ ناقوس
سوتی اسلام کی بستی کو جگا دیتا ہے[1]

اگست ۱۹۲۰ء میں راولپنڈی میں خلافت کمیٹی کے ایک عظیم الشان جلسے میں مولانا ظفر علی خان نے ایک پُرجوش تقریر کی اور کہا: "اب ہندو مسلمانوں میں تفرقہ نہیں پڑ سکتا۔ ہندوؤں نے اور مہاتما گاندھی نے مسلمانوں پر جو احسان کیے ہیں، ان کا عوض ہم نہیں دے سکتے۔ ہمارے پاس زر نہیں ہے، جب جان چاہیں، حاضر ہے[2]۔"

اس کے مقابلے میں 'پیسہ اخبار' اگرچہ خلافت کا حامی تھا لیکن 'ہندو مسلم اتحاد' کی خرابیوں سے مسلمانوں کو مسلسل آگاہ کرتا رہا۔ اس کے اداریے، خبریں اور نظمیں اس کے گواہ ہیں اور مختلف ابواب میں سے کچھ اقتباسات پیش بھی کیے جا چکے ہیں۔ جولائی ۱۹۲۰ء میں اس نے لکھا: "ہم نے گزشتہ ہفتہ میں متھرا کی ایک تاریخی مسجد کے مندر بنائے جانے کی تجویز پر دلی افسوس کا اظہار کیا تھا ..... اس وقت وہ قوم پرست اور محبانِ ملک کیوں گونگے کا گڑ کھائے چپ چاپ بیٹھے ہیں جنہوں نے فسادات کے موقع پر برادرانِ وطن کو اپنی مسجد کی محرابوں میں بٹھایا تھا اور ان کے مہاتماؤں کو منبر پہ دیکھ کر ہندو مسلم اتحاد کا ثبوت دیا۔ افسوس ہے کہ اس اتحاد کا مفہوم غلط سمجھا گیا اور مساجد میں داخل ہونے، مسلمان واعظین اور علما کی جگہ پر فروکش ہو جانے کے بعد ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسجدوں کی پشت پر مندر بنوائے جائیں اور دیر و حرم کا فرق اٹھا دیا جائے[3]۔"

'پیسہ اخبار' نے ایک اور شمارے میں ہندوؤں کی اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی کا یوں ذکر کیا: .....

---

[1] زمیندار - ۹ مئی ۱۹۲۰ء [2] زمیندار - ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء - صفحہ ۲ [3] پیسہ اخبار - ۳ جولائی ۱۹۲۰ء - صفحہ ۲

"..... آج تک دیکھا گیا ہے کہ ہندوؤں کو جب کبھی مسلمانوں کی مخالفت کا موقع ملا ہے، ہندوؤں نے مسلمانوں کا تسمہ باقی نہیں رکھا اور ہندوؤں کی یہ عادت ہے کہ اپنے مطلب کے لیے خوشامد برآمد سے کام نکال لیتے ہیں اور موقع پڑے تو مخالفت کا تسمہ باقی نہیں رکھتے ہیں ..... پیوستہ سال بہار شاہ آباد وغیرہ میں کن کن ایام میں ہندوؤں نے ہزاروں مسلمان خاندان تباہ و برباد کیے ..... کرتارپور کے ظالم مجرمین نے قربانی کے موقع پر بے پناہ مظلوم مرد و عورت مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اور انہیں زندہ جلا دیا ..... بہار شاہ آباد اور اس کے بعد کرتارپور کے تحقیقات کے وقت بڑے بڑے ہندو لیڈران نے اس پر اظہار افسوس تو نہیں کیا بلکہ ظالموں کی حمایت میں انہیں بے قصور اور بری کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کیسے کیسے بیرسٹر پیروی کے لیے دور دور سے بھجوائے گئے اور کیا کیا چالبازیاں کی گئی ہیں ..... بالآخر محترم لیڈران سے سفارش کرائی گئی ..... جب ہم نے اخباروں میں ان محترم بزرگوں کی اس بے جا سفارش پر اتر آنے کی خبر سنی تو ہماری آنکھوں میں خون اتر آیا اور ہم اپنے دلی خیالات ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ان بزرگانِ قوم کو چاہیے کہ اس جدید دوستی میں محو ہو کر مسلمانوں کے حقوق تلف نہ فرمائے (فرمائیں)، یہ جدید اتفاق سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا[1]۔"

'پیسہ اخبار' نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف مولانا احمد رضا بریلوی کا فتویٰ اس عنوان کے تحت شائع کیا: "ہندو مسلمانوں کا خطرناک اتحاد اور حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مجدد مائۃ حاضرہ کا فتویٰ[2]۔"

گاندھی جی کے بارے میں مولانا ظفر علی خان کی ایک تقریر کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ زمیندار نے ہندو مسلم اتحاد کی نقابت کا "فرض" ادا کرنے کے لیے بہت کچھ کیا۔ مثلاً مرزا بیضا خاں کی ایک نظم بھی شائع کی جس کے تین شعر یوں ہیں:

دل میں گھر ہے تو آنکھوں میں تیری جا گاندھی
تو ملک و قوم کا ہے درد آشنا گاندھی

---

[1] پیسہ اخبار - ۱۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۲ [2] پیسہ اخبار - ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء - صفحہ ۴

نمود سے ہے بری کار گاہِ عسلم تری
کہ جو عمل ہے ترا، ہے وہ بے ریا گاندھی
شمیم خلق تو سے جہاں معطر ہے
صد آفریں ہے تجھے اے مہاتما گاندھی[1]

زمیندار نے یہ خبر بھی شائع کی کہ مولوی غلام محی الدین نے کہا، میرا ایک بیٹا ہے، جسے میں مہاتما گاندھی کی نذر کرتا ہوں[2]۔

گاندھی جی نے اپنے اخبار "ینگ انڈیا" میں مولانا شوکت علی کے بارے میں لکھا: "وہ خلیق آدمی ضرور ہے لیکن ایک جوشیلا مذہبی پاگل ہے اور اس کی رائے کسی شخص کے لیے کوئی خاص وقعت نہیں رکھتی۔" مولانا حسرت موہانی کے متعلق لکھا: "وہ ایک نکما آدمی ہے جس پر ہر وقت سودیشی کی دھن سوار رہتی ہے۔" ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو گاندھی نے "کل کا بچہ" قرار دیا اور لکھا کہ "امرتسر سے باہر اسے کوئی تجربہ نہیں ہے۔" "پیسہ اخبار" نے "مسٹر گاندھی کی صاف گوئی" کے عنوان سے اس کی مسلمان لیڈروں کے بارے میں آرا نقل کر کے لکھا کہ "مسٹر گاندھی خواہ جنونی ہیں یا نہیں مگر بہت بڑی خلاقی قوت کے مالک ہیں[3]۔" مقصد یہ تھا کہ وہ تو مسلمان لیڈروں کے بارے میں ایسی ایسی باتیں لکھ رہے ہیں اور مسلمان لیڈر ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔

جب اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مولانا شوکت علی نے سورت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے نازک زمانہ میں امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور وہ تمام دنیا میں پیغام حق پہنچائیں گے مگر اس وقت ان کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں" تو "پیسہ اخبار" نے ایک اداریہ بعنوان "گاندھی سے امام مہدی و مسٹر شوکت علی کا بدعت انگیز فتویٰ" لکھا جس میں کہا: "..... مسٹر محمد علی (و شوکت علی) کا خیال بدعت اور کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ ایسا شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ اور اس لحاظ سے اس کی بات مسلمانوں کے لیے قابل توجہ نہیں

۱۔ زمیندار، ۲۸ جولائی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱　۲۔ زمیندار، ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

ہو سکتی[1]۔" جب مولانا شوکت علی نے تردید کی تو پیسہ اخبار نے صفحۂ اول پر یہ تردید شائع کی[2]۔

جب مولانا ظفر الملک ایڈیٹر "الناظر" لکھنؤ نے گاندھی جی کو "نبی" قرار دیا تو پیسہ اخبار نے اپنے اداریہ شذرے میں لکھا: "مولوی اسحاق علی صاحب معروف ظفر الملک لکھنؤ نے رفاہ عام کے جلسے میں فرمایا کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ مسٹر گاندھی بالقوہ نبی ہے اگر بالفعل نہ سہی۔ اس خبر کی تصدیق خود مولوی ظفر الملک سے ہو چکی ہے..... ہائے کس طرح ایک دشمن اسلام کی نسبت ایک مسلمان کے منہ سے یہ فقرے نکلے۔ غیرت اسلامی اور جوش ایمانی کہاں چلا گیا۔ وہ گاندھی جو چند روز پہلے یہ کہہ چکا ہے کہ اگر مسلمان گائے نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے گائے چھڑائیں گے، وہ نبی ہو سکتا ہے؟ نبی کی شان ایک مشرک بے دین کے برابر ہو گئی۔ مہاتما گاندھی کی خلافت سے ہمدردی محض اپنی آواز کو پائیدار بنانے کی خاطر ہے۔ وقت پر گدھے کو باپ بنانے والا مضمون ہے۔ ذرا اختیارات ان ہندوؤں کو ملنے دو۔ پھر دیکھنا کس طرح سے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ مسلمانوں کی ہندوؤں سے ہرگز صلح نہیں ہو سکتی۔ آئندہ آنے والی نسلیں ان الفاظ کی اہمیت کی قدر کریں گی اور اس وقت تو اندھے کے آگے رونا اور اپنی آنکھیں کھونا ہے[3]۔" آنے والی نسلوں نے ہندوؤں کو تو پہچان لیا اور قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ان کے دام ہمرنگ زمین سے نکل آئے مگر افسوس کہ کسی کو منشی محبوب عالم کی خدمات کو سراہنے کی توفیق نہ ہوئی۔

گاندھی جی نے انگریزوں سے ایک اپیل کی جس میں لکھا کہ علی برادران نے کہا ہے کہ اگر عدم تعاون کی تحریک ناکام رہی تو ہم تلوار اٹھائیں گے۔ گاندھی نے لکھا: "میں نے کوشش کر کے مسلمانوں کو کشت و خون سے روکا ہے۔" اس پر پیسہ اخبار نے ایک اداریہ شذرہ میں گاندھی جی کی خوب خبر لی اور لکھا: "کیسے لطف کی بات ہے کہ مسلمان یا دوسرے لوگ ہی تلوار اٹھانے پر اصرار کر رہے ہیں مگر مہاتما جی ہمیشہ اس کی مخالفت کر کے کریڈٹ لے جاتے ہیں[4]۔"

۱۔ پیسہ اخبار، ۲۰ نومبر ۱۹۲۰ء　۲۔ پیسہ اخبار، ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء
۳۔ پیسہ اخبار، ۱۳ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲　۴۔ پیسہ اخبار، ۲ دسمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

عدم تعاون کی بات آتی ہے تو یاد رہے کہ اس تحریک کو اٹھانے اور بڑھانے میں زمیندار نے بہت کام کیا اور اس تحریک کے ذریعے مسلمانوں کو کونسلوں، درسگاہوں اور ملازمتوں سے نکال باہر کرنے کی ہندو سازش کا آلۂ کار رہا۔ زمیندار اخبار کے فائل اس حقیقت کے شاہد ہیں۔ اس کے برعکس "پیسہ اخبار" نے اس موضوع پر بھی مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا اور یہی بات ہے کہ جس ماحول میں مسلمانوں کی سیاست آتش بیان مقررین کے ہاتھ میں تھی اور سیاست صرف جذبات کے بل بوتے پر چل رہی تھی اور علمائے کرام اپنے مخالفین پر فتووں کی باڑھ مارنے کے لیے ہمہ وقت تیار تھے، یہ بڑا مشکل کام تھا جو "پیسہ اخبار" کرتا رہا۔

"عدم تعاون کی چند قابل غور باتیں" کے عنوان سے ایک اداریے میں پیسہ اخبار نے "اخبار قومی رپورٹ" مدراس کے مندرجات کی تائید کی اور لکھا: "مثلاً سرکاری سکولوں سے بچوں کو نکال لینے کا مسئلہ۔ اگر ہم اس کو درست قبول کر لیں تو یہ مصیبت پیش آئے گی کہ ہمارے بچے تعلیم سے محروم ہو جائیں گے۔۔۔۔ اول سکول کی بنیاد ڈالنی چاہیے اور پھر اس ترمیم کو منظور کرنا چاہیے۔[1] اسی طرح کونسلوں کے انتخاب وغیرہ کے مسئلے پر بھی منشی محبوب عالم نے لکھا کہ "ہندو اس معاملہ میں علیحدہ رائے قائم کر چکے ہیں اور انہوں نے انتخاب کو اختیار کر لیا ہے۔[2]"

پیسہ اخبار نے ایک اداریے میں مظہر الحق اور راجندر ناتھ کے بیانات کے حوالے لکھ کر تحریک عدم تعاون میں کوئی خوبی، معقولیت اور دائمی فائدہ نظر آتا تو تمام معاملہ فہم اور سمجھدار لوگ اسے لبیک کہنے سے گریز نہ کرتے۔[3]

"گئوکشی" ہندوؤں کا ایمان تھا۔ ہندو مسلم اتحاد کے نام پر جب مسلمانوں کے لیڈروں نے "گئوکشی" کو اپنا ایمان بنایا اور گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگانے کی آواز بلند کی تو زمیندار نے ایسے بیانات کو شائع کیا، اداریے لکھے، تقریریں کیں کہ ہندوؤں کی خاطر بھی گائے کو ذبح کرنے سے باز آ جانا چاہیے۔ زمیندار نے امیر افغانستان کا گاؤکشی کے خلاف فتویٰ شائع کیا اور آل انڈیا

---

[1] پیسہ اخبار، ۲۳ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲ [2] ایضاً [3] پیسہ اخبار، یکم اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

مسلم لیگ کا بیان بھی شائع کیا۔[1] عید الاضحیٰ کے قریب مرکزی خلافت کمیٹی نے "مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے کی تلقین کی تو زمیندار نے یہ اعلان بھی شد و مد سے شائع کیا۔[2] مولانا ظفر علی خان نے "گائے کی قربانی" کے عنوان سے اپنے ایک اداریے میں لکھا: "اگر وہ (مسلمان) گائے کو جس کے وجود کے ساتھ اس ملک کے زراعتی و عمرانی مصالح وابستہ ہیں، اگر وہ قربانی کی مستثنیات میں داخل کر دیں تو ان پر مذہباً کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا ۔۔۔۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے ہندو بھائی اس جانور کو متبرک سمجھتے ہیں اور ہمارا اسے ذبح کرنا انہیں ناگوار گزرتا ہے۔ اس لیے ان کی خاطر سے بھی ہمیں ذبیحہ گاؤ کے متعلق اپنی روش پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔[3]"

مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے گاؤکشی کے حق میں بیان دیا کہ "قربانی بذاتہٖ فرض ہے اور خدمت خلافت بھی واجب ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسلمان خلافت کی حمایت میں قربانی چھوڑ دیں۔ انہیں چاہیے کہ اس فرض کو حسب معمول ادا کریں اور گوشت اور کھال کو اسی مصرف میں لائیں جو پہلے سے چلا آتا ہے۔" مولانا ظفر علی خان نے یہ بیان دے کر اپنی طرف سے اضافہ کیا ۔۔۔۔ "ہمارا عقیدہ ہے کہ گائے کی قربانی فرض نہیں اور جب قربانی کے لیے دوسرے جانور مل سکیں تو گائے کی قربانی پر اصرار کر کے اپنے ۲۲ کروڑ ہمسایہ بھائیوں کا دل دکھانا کہاں کی دانشمندی ہے۔[4]"

راولپنڈی میں خلافت کمیٹی کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان نے گاؤکشی کی نسبت فرمایا۔ "گائے کی قربانی چھوڑ دو، دنبے کی قربانی دو۔ عید پر گائے کی قربانی نہ کی جائے۔[5]"

حکیم ابو تراب محمد عبد اللہ مالک و ایڈیٹر اخبار اہل سنت و جماعت امرتسر نے "گئوکشی" پر چالیس صفحے کا رسالہ لکھا۔ اس پر "پیسہ اخبار" نے لکھا: "جو ضعیف سے ضعیف، دور از کار بات حکیم صاحب کو کہیں سے ملی ہے، وہ سب اس میں جمع کر دی ہے۔[6]" "پیسہ اخبار" نے منشی تاج الدین احمد تاج (وزیر)

---

[1] زمیندار، ۱۰ اپریل ۱۹۲۰ء [2] زمیندار، ۲۷ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲
[3] زمیندار، یکم مئی ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲ [4] زمیندار، ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲
[5] زمیندار، ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲ [6] پیسہ اخبار، ۱۸ ستمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

کی نظم پہلے صفحے پر شائع کی جس کے دو شعر ہیں:

حلم — خدا کو چھوڑ کر، فعلِ رسول چھوڑ کر
پنڈت و برہمن کے در پہ جھکا سرِ نیاز ہے
پیرِ مغاں کے معتقد اب ہیں جناب شیخ بھی
ترکِ حرام و حلال کا اُلٹی طرح جواز ہے[1]

گائے کی قربانی کے حق میں پروفیسر مولوی حاکم علی نے ایک مفصل فتوے دیا جسے پیسہ اخبار نے "ابطال فتوی اعداء الاسلام" کے عنوان سے شائع کیا[2]۔ اسی طرح وقت کی اہم ضرورت خیال کرتے ہوئے اس اخبار نے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کا فتوی (مکتوبات مجدد الف ثانی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی، جلد اول صفحہ ۱۰۶۔ مکتوب ۸۱۰) چھاپا جس میں گاؤ کشی کو شعائرِ اسلام میں سے کہا گیا ہے[3]۔

تحریک ہجرت کی تبلیغ کے لیے مولانا ظفر علی خاں اور زمیندار نے جو خدمات انجام دیں، ان کی اجمالی تفصیلات مختلف ابواب میں آچکی ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ جب امیر افغانستان کے حکم سے مہاجرین ہند کا افغانستان میں داخلہ بند کر دیا گیا تو بھی زمیندار نے اپنے طویل اداریوں اور مضامین کے ذریعے اس کی تردید کی کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایک اداریے کے آخر میں مولانا ظفر علی خاں نے لکھا "کیا یہ عظیم الشان الٰہی تحریک ان فریبوں سے رک سکے گی۔ کیا اللہ پاک کا بلند کیا ہوا شعلہ پھونکوں سے بجھ سکے گا۔ یہ کاوشیں جو راستے میں حائل کی جا رہی ہیں، لاکھوں مسلمانوں کے شعلۂ عشق کو آسمان سا کر دیں گی[4]۔"

لیکن "پیسہ اخبار" نے ہر مرحلے پر ہجرت کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو بتایا کہ اس طرح وہ ناقابلِ تلافی نقصان کر بیٹھیں گے۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء کو مولوی غلام محی الدین صاحب وکیل نے ایک پبلک جلسے میں "۱۹ مارچ کی ہڑتال" کے ریزولیوشن کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ "جب میں اپنے لیے ایجی ٹیشن کافی

[1] پیسہ اخبار ۔ ۱۹ جون ۱۹۲۰ء [2] پیسہ اخبار ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۹
[3] پیسہ اخبار ۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۳ [4] زمیندار ۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

نہ سمجھوں گا تو خود اس ملک سے ہجرت کر جاؤں گا۔" اس پر اپنے اداریے میں "پیسہ اخبار" نے لکھا۔ "افسوس ہے کہ یہ ملک سے ہجرت کر جانے کا خیال بھی ایک بہت بڑی غلط فہمی پھیلانے والا ہے۔ کتنے مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے جا سکتے ہیں اور کس ملک میں ان کی گنجائش ہے اور وہاں جا کر وہ کیا کریں گے..... یہ مسئلہ بہت بڑا ہے اور سوچنے کے سوا اسے منہ سے نہیں نکالنا چاہیے[1]۔"

پھر ۱۹ اپریل کو دہلی میں خلافت ورکرز کانفرنس میں مولانا احمد سعید دہلوی نے بار بار کہا کہ ہم جہاد یا ہجرت کرنے کو تیار ہیں۔ اس پر "آئینی یا غیر آئینی ایجی ٹیشن" کے عنوان سے اپنے اداریے میں منشی محبوب عالم نے لکھا..... "کیا ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان اپنا بوریا بستر باندھ کر ہندوستان سے عرب یا دیگر بلاد کو ہجرت کر جانا پسند کریں گے۔ یا اگر سب چلے جانا پسند ہی کر لیں گے تو اتنے لوگ کن وسائل سے اتنا دور دراز سفر کر سکتے ہیں اور وہاں ان کی گنجائش کس جگہ ہو گی۔ وغیرہ وغیرہ" اس اداریے میں انھوں نے کہا۔ "ایسی تقریریں بجائے فائدہ کے نقصان کریں گی[2]۔"

مولانا عبد الباری فرنگی محلی کا فتویٰ ہجرت "حریت" دہلی میں چھپا تو اسے اپنے اداریے میں نقل کر کے "پیسہ اخبار" نے لکھا۔ "زیادہ بہتر ہوتا کہ ایسا فتوی مولانا صاحب جاری نہ کرتے تاکہ حکام اور دنیا کے سامنے یہ بات نہ رہتی کہ اگر علما فتوی دے دیں گے تو بہت سے مسلمان ہجرت کر جائیں گے۔ ایک شخص نے یہ اجازت ہجرت پڑھ کر کہا کہ مولانا صاحب خود اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے کیوں اس فتوے پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت نہیں دیکھتے[3]۔"

جب امیر افغانستان کی طرف سے مہاجرین ہجرت کو خوش آمدید کہی گئی اور اس کی خبر اخبارات میں چھپی تو "پیسہ اخبار" نے "آگرہ اخبار" کے حوالے سے لکھا۔ "..... لیکن ہم پھر بھی کہیں گے کہ مادرِ وطن کا دامنِ محبت ہاتھ سے چھوڑ دینا ایک دانشمندانہ عمل نہیں ہے، جس کی کوئی داد نہیں دے سکتا[4]۔"

ہجرت کا غلغلہ شروع ہو گیا تو مولانا اسلم جیراجپوری کا ایک بیان "علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ"

[1] پیسہ اخبار ۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۲ [2] پیسہ اخبار ۔ ۱۷ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۲
[3] پیسہ اخبار ۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۲ [4] پیسہ اخبار ۔ ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۵

میں چھپا جس میں کہا گیا: "کیا ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کا یہاں سے ہجرت کر جانا ممکن ہے؟ کیا یہ ہجرت خود مسلمانانِ ہند کی تباہی اور بربادی کا باعث نہ ہوگی؟ علاوہ بریں افغانستان میں شخصی حکومت ہے جس کی بھلائی برائی کا دار و مدار بادشاہ کی شخصیت پر ہوتا ہے۔ وہ اچھا ہے تو آرام ہے، نہیں تو تکلیف ..... اس لیے یہ ڈر ہے کہ خدانخواستہ وہاں مصیبت پیش آئی تو کہاں جائیں گے۔" پیسہ اخبار نے یہ بیان اور اس کے اقتباسات اپنی کئی اشاعتوں میں شائع کیے۔[1]

ہجرت جاری تھی کہ اس اخبار نے "مہاجرین کے قافلے" کے زیرِ عنوان اپنے اداریے میں افغانستان[2] میں مہاجرین کی آبادکاری اور کھیتی باڑی کر سکنے یا نہ کر سکنے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ...... "اور خدانخواستہ اگر مسئلہ خلافت پر کوئی اثر نہ ہوا تو ان کا اپنے وطن اور زاد و بوم کے اندر رہ کر آئندہ ایجی ٹیشن کرنا مفید ہے یا ایک بار ملک سے منتقل ہو کر اس مسئلہ کے لحاظ سے بالکل معدوم ہو جانا؟" اداریے کے آخر میں لکھا گیا۔ "لیکن آج تک جو لوگ کسی نہ کسی وجہ سے سرحدات شمال مغربی یا افغانستان کو گئے ہیں اور جب کبھی ہندوستان کو واپس آئے ہیں، انھوں نے وطن واپس آ کر سجدہ شکر ادا کیا ہے۔"[3] کیا آج تک کسی کو یہ لکھنے یا کہنے کی توفیق ہوئی ہے کہ منشی محبوب عالم کا کہا ہوا کس طرح حرف بہ حرف درست ثابت ہوا تھا۔

جب ہزارہا عازمینِ ہجرت پر مشتمل ایک ایک قافلہ افغانستان کو جا رہا تھا اور ہجرت کے لیے جوش اور جذبہ زوروں پر تھا، پیسہ اخبار نے "مہاجرین کی ضیافت" کے عنوان سے لکھا ...... "جمرود کا نظارہ دردناک اور اشتعال انگیز ہے۔ اشتعال انگیز اس لیے کہ جم غفیر میں جوش موجزن ہے اور دردناک اس لیے کہ ان اشتعال کشیدہ مہاجرین کو مایوسی کا سامنا ہوگا کہ جن کے دلوں میں یہ سمایا ہوا ہے کہ ہم ایک بہشت کی طرف جا رہے ہیں جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔"[4]

مہاجرینِ ہند کا داخلہ افغانستان میں بند کر دیا گیا، عازمینِ ہجرت واپس آنے لگے لیکن خلافت کمیٹی نے ہجرت کی تحریک کو باقاعدہ اپنا کر اعلان کر دیا کہ ہجرت ضروری ہوگی۔ اپنے ایک اداریے میں پیسہ اخبار

[1] پیسہ اخبار ۱۲ جون ۱۹۲۰ء، ۱۷ جون، ۱۹ جون [2] پیسہ اخبار ۸ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
[3] پیسہ اخبار ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

نے اس پر لکھا ...... "نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس پر بھی بعض لوگ جو خود آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ خلافت اور ہجرت کمیٹیوں کے رکن بنے ہوئے ہیں یا اپنے آپ کو مسلمانوں کے نہایت سرگرم رہنما مشہور کرنا چاہتے ہیں، ان بدنصیب مسلمانوں کو جو خلوصِ نیت سے ہجرت کر جانا کارِ ثواب سمجھتے ہیں، برملا ترغیب دے رہے ہیں کہ کچھ پرواہ نہیں اگر انگریزوں کی سازش یا ایما سے امیر صاحب افغانستان یا ان کے افسروں نے بعض مہاجرین کو ان کے وطنوں کو لوٹا دیا ہے مگر ان کے لیے ضرور راستہ کھل جائے گا، وہ مایوس نہ ہوں۔"[1] اسی تحریر میں منشی محبوب عالم نے مولانا ظفر علی خاں کا بھی ذکر کیا۔ اس سے مولانا کا ہجرت سے متعلق کردار بھی واضح ہوتا ہے ...... "قریب دو ماہ کے عرصہ گزرا ہے، ہم نے مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر 'زمیندار' کو ایک روز لاہور کے ایک ہوٹل میں صلاح دی تھی کہ مسئلہ ہجرت کی حالت اس وقت نہایت مذبذب اور مشکوک ہے۔ اس لیے دو تین نہایت معتبر آدمیوں کا ایک وفد افغانستان کو بھیجنا چاہیے، جس میں ایک دو آدمی اس گروہ سے بھی ہوں جو افغانستان کے انتظام آرام و آسائش کی نسبت شک رکھتے ہیں تاکہ وہاں سے آ کر جو رائے وہ دیں اس پر سب لوگ عمل کریں۔ افسوس ہے کہ جن لوگوں نے مہاجرین کو اکسایا اور ان کی پیٹھ ٹھونکی، انھوں نے اس پہلو میں اپنا فرض کما حقہٗ ادا نہیں کیا۔"[2]

پیسہ اخبار نے ایک ثقہ اور معتبر مسلمان مہاجر کی خود نوشت شائع کرنے سے پہلے اپنے اداریتی نوٹ میں کسی کا نام لیے بغیر 'زمیندار' جیسے اخبارات کا ذکر بھی کیا: "اسے (ثقہ اور معتبر مسلمان مہاجر کو) ان اخبارات سے سخت شکایت ہے جنھوں نے مہاجرین سے اہلِ افغانستان کے سلوک کے غلط حالات شائع کر کے ہزارہا سادہ دل مسلمانوں کو ہجرت کی ترغیب دلائی اور سینکڑوں جانوں کے اتلاف اور ان کے طعمۂ مصائب و خسارت گری بنانے میں مدد دی۔"[3]

ان حقائق کی روشنی میں قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ لاہور کے ان دو نامور صحافیوں نے ہندو

[1] پیسہ اخبار ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ [2] ایضاً
[3] پیسہ اخبار ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

مسلم اتحاد کے سلسلے سے تحریک ترکِ موالات اور گاؤکشی وغیرہ کے معاملات کے علاوہ تحریک ہجرت میں کیا کردار ادا کیا۔ کس کی چشمِ بصیرت ہندوؤں کی نیتوں کو دیکھ رہی تھی اور ہجرت کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کا اندازہ اسے پہلے سے تھا۔ اور کس کی نگاہوں پر ہندو دوستی نے پٹی باندھ دی تھی اور وہ جذباتیت کا شکار ہو گیا تھا۔

راقم الحروف کا اربابِ علم و دانش اور صاحبانِ بصیرت سے دردمندانہ سوال ہے کہ اس صورت حال کا تجزیہ کریں کہ مولانا ظفر علی خاں کی جذباتی سیاست پر تو بہت کام ہوا اور ان کی شخصیت پر بیسیوں کتابیں اور رسالے لکھے گئے لیکن منشی محبوب عالم کی راست فکری کو کون خراجِ تحسین پیش کرے گا اور کب؟ اور مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت کے لیے "پیسہ اخبار" کی خدمات پر بھی کوئی آدمی قلم اٹھائے گا یا نہیں ۔ ؟؟؟

کیا کھویا، کیا پایا

تحریک ہجرت قلیل عرصے میں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اس کی بہت سی جزئیات پہلی مرتبہ زیرِ نظر کتاب میں سامنے آئی ہیں۔ اس سے پہلے جدوجہدِ آزادی کی تاریخ لکھنے والوں نے اس تحریک سے شاید جان بوجھ کر صرفِ نظر کیا۔ چند سطروں یا ایک آدھ پیرے میں اس تحریک کا بھی گول مول سا ذکر کر کے لکھنے والوں نے آگے نکل جانا مناسب سمجھا۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ یہ ہماری تاریخ کا تاریک باب ہے۔ اس سے ہمارے رہنماؤں میں تدبر اور فراست کی کمی ظاہر ہوتی ہے اور حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جذباتی سیاست نے کبھی کسی قوم کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ جذباتی لوگوں کا کسی قوم کا لیڈر بن جانا اس قوم کے لیے نیک فال نہیں ہوتا۔ پھر بھی ہر واقعے کے مثبت اور منفی دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ اس لیے غور کرنا چاہیے کہ تحریک ہجرت سے ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔

تحریک ہجرت کے سب سے بڑے مبلغ عزیز ہندی کا کہنا ہے "آج کا مسلمان اپنی اسلامی ایمانداری اخلاقی کردار سے گر رہا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وقت کا ایک گمنام شخص جو بعد میں "عزیز ہندی" کے نام سے مشہور ہوا، تحریک ہجرت کی کبھی سربراہی نہ کر سکتا۔ وہ تحریک جس نے خواہ کچھ بھی ہو، مسلمانانِ ہندوستان کو الگ اپنی ہستی کے قیام اور آزادی کا انعام بخشا۔"[1]

---

[1] اوراقِ گم گشتہ ۔ صفحہ ۲۸۸

عزیز ہندی نے ایک دوسرے مقام پر کہا: "یقیناً اگر انگریز فوراً ہی افغانستان کی آزادی اور خود مختاری
کو تسلیم نہ کر لیتے تو ہجرت کی یہ یلغار بہت ہی جلد افغانوں، ترکوں اور روس کی پشت پناہی پا کر ہندوستان اور
افغانستان کو آزاد کروا لیتی ۔۔۔ لہٰذا ہجرت کے واقعے کو جو لوگ بے معنی سمجھتے ہیں، وہ حالات کی لاعلمی کی
محض تاریکی میں ہیں۔"[1]

نسیم انظفر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: "خلافت اور ہجرت کی تحریکوں سے مسلمانوں کو شدید جانی
اور مالی نقصان پہنچا لیکن اس تحریک سے یہ فائدہ ہوا کہ عامۃ المسلمین میں سیاسی شعور پیدا ہوا۔ وہ تھوڑی دیر
کے لیے سہی لیکن ایک مقصد کے لیے متحد اور منظم ہوئے اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ مسلمان باوجود اپنی کم مائیگی اور
بے نوائی کے، قوم کی خاطر بڑے سے بڑا ایثار کر سکتے ہیں۔"[2]

عزیز ہندی کا اخلاص بجا، ان کی تحریک ہجرت کو منظم کرنے کی کوشش قابل تحسین لیکن ان کا یہ کہنا
کہ تحریک ہجرت نے مسلمانوں کو ہندوستان سے الگ اپنی ہستی کے قیام اور آزادی کا الہام بخشا" سمجھ میں
نہیں آتا۔ صورت یہ ہے کہ جو لوگ ہجرت کر گئے تھے ان میں سے بہت سے تو جانیں گنوا بیٹھے، کچھ ترکستان
چلے گئے، کچھ افغانستان ہی میں رہ گئے کہ جہاں سے وہ بڑی شان سے رخصت کیے گئے تھے، اب ان
کس منہ سے جائیں۔ جو واپس آئے، ان میں سے زیادہ تر منقار زیر پر رہے۔ بہت کم لوگ ایسے ملیں گے
ہجرت کی مار کھا کر بھی سیاسی سرگرمیوں میں اپنے آپ کو مصروف رکھنے پر مائل کر سکے ہوں۔ جو لوگ ہجرت کا
عزم رکھتے تھے لیکن نہ جا سکے، وہ واپس آنے والوں کی حالت زار دیکھ کر اور ان کی کہانی سن کر اپنی خوش قسمتی
پر خوش ہوتے ہوں گے کہ وہ بچ گئے۔ ایسے میں یہ کہنا کہ تحریک ہجرت نے مسلمانوں کو آزادی کا الہام بخشا
درست معلوم نہیں ہوتا۔ پھر عزیز ہندی کا یہ خیال کہ ہجرت کی یہ یلغار بہت ہی جلد افغانوں، ترکوں اور روس
کی پشت پناہی پا کر ہندوستان اور افغانستان کو آزاد کروا لیتی" محض خیال خام ہی لگتا ہے اور اس کی تائید
حالات و واقعات سے نہیں ہوتی۔

---

[1] اوراقِ گم گشتہ۔ صفحہ ۷۷ [2] نسیم انظفر، شیخ راغب؛ پاکستان کا پس منظر و پیش منظر، ملک
اینڈ سنز، لاہور۔ ۱۹۵۴ء، صفحہ ۳۶۷

نسیم انظفر نے بات تحریک خلافت کی کی ہے اور شروع میں خلافت کے ساتھ ہجرت کا لفظ بھی بغیر کچھ
سمجھے لکھ دیا ہے ورنہ تحریک ہجرت سے عامۃ المسلمین میں سیاسی شعور پیدا ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ وہ
اس تحریک کے باعث "ایک مقصد کے لیے متحد اور منظم" نہیں ہوئے بلکہ ظفر حسن ایبک کے بقول
(ہجرت کی تحریک) بد انتظامی، بے سروسامانی اور بغیر سوچے سمجھے چلاتے جانے کی وجہ سے مفید ہونے کی
بجائے سخت مضر ثابت ہوئی۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ تحریک ہجرت سے کسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کو کوئی سیاسی، دینی یا اخلاقی
فائدہ نہیں ہوا۔ ہزارہا مسلمان اسلام کے نام پر اور کچھ لوگ ہجرت کے مبلغ مولویوں اور اخباروں سے
افغانستان کے بارے میں معلوم ہونے والی خبروں سے متاثر ہو کر اپنی املاک برائے نام قیمت پر بیچ کر بعض
صورتوں میں ویسے ہی چھوڑ کر اور کہیں کہیں فصلوں کو آگ لگا کر "حکومت کے کام نہ آئیں" ——— ہجرت کر
گئے۔ بقول اللہ بخش یوسفی "کھڑی فصلیں کوڑیوں کے مول فروخت کر دی گئیں۔ ہمارے ہندو بھائی موقع
سے فائدہ اٹھانے کے لیے موجود تھے۔ ان ظالموں نے دو دو روپے میں گائے خرید لی۔"[2]

قاضی عبدالغفار تحریک کے بارے میں لکھتے ہیں: "تحریک ہجرت ایک جذباتی تحریک تھی جس
سے مسلمانوں کو بے حد نقصان ہوا۔"[3]

ظفر حسن ایبک کہتے ہیں: "(تحریک ہجرت کی وجہ سے) ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور افغان
ہندوستانی مسلمانوں سے کبیدہ خاطر بنے۔۔۔۔ اگر کسی نے اس (تحریک) سے فائدہ اٹھایا تو وہ
صرف انگریز تھے۔"[4]

محمد جلال الدین قادری نے صورت حال کا تجزیہ کرنے کے بعد نتیجہ نکالا کہ تحریک ترک موالات
اور ہجرت سے مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبوط ہوئی۔"[5]

---

[1] ظفر حسن ایبک، آپ بیتی حصہ اول۔ صفحہ ۲۱۴ [2] اللہ بخش یوسفی۔ سرحد اور جدوجہد آزادی۔
صفحہ ۲۱۵ ۔ [3] قاضی عبدالغفار۔ حیات اجمل۔ صفحہ ۲۲۲۔ [4] آپ بیتی حصہ اول صفحہ ۲۱۴
[5] جلال الدین قادری، محمد۔ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست صفحہ ۳۵

پیر عبدالرحیم آف بھرچونڈی شریف (سندھ) نے اپنے ایک بیان میں کہا۔ "تحریک ہجرت کے اسباب اور نتائج و عواقب کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اعلیٰ حضرت (مولانا) احمد رضا بریلوی کی دینی بصیرت اور سیاسی فراست کا قائل ہونا پڑتا ہے[1]۔"

جن لوگوں نے تحریک کے ہنگامے میں اس کو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ قرار دیا اور لوگوں کو اس جذباتی ماحول میں یہ بتانے کی کوشش کی کہ اس طرح ہم اپنا بہت کچھ نقصان کر بیٹھیں گے، ان کو اس وقت بھی سب و شتم کی سان پر چڑھایا گیا، اب بھی "متحدہ قومیت" کے "باقیات" ان کو دشنام طرازی کا ہدف بناتے ہیں۔ جن لوگوں یا اداروں نے اس غلطے میں ہندوؤں کی فطرت کی نشاندہی کی یا یہ بتایا کہ اسلام کی تعلیمات کی رو سے مسلمانوں کے لیے اپنا تشخص کھو کر کسی قوم کا تابع مہمل بن جانا مناسب نہیں — ہندوؤں کے آلۂ کار "علماء" کی زبانیں اس وقت بھی گنگ رہیں اور آج تک ان کو معاف نہیں کیا گیا۔ بدقسمتی سے قلم عام طور سے ان حضرات کے ہاتھ میں رہا جو مسلم انفرادیت کے تصور کے مخالف تھے، اس لیے تاریخ لکھتے ہوئے انصاف سے کام نہ لیا گیا۔ ورنہ ہمارے رہنماؤں میں سے جو بڑے بڑے نام ہیں بڑی بڑی غلطیاں کرتے رہے اور پوری قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ — ان رہنماؤں، ان غلطیوں اور ان بھگتانوں کا جو قوم کو بھگتنے پڑے، تجزیہ کیوں نہ کیا جاتا۔ اور ملت کے ان محسنین کا نام سنہری الفاظ میں کیوں نہ لکھا جاتا جنہوں نے بروقت قوم کو صحیح راہ دکھائی اور مختلف اقدامات میں جن خطرات کی نشاندہی کی، وہ بعد میں درست ثابت ہوئے

نتیجہ یہ نکلا کہ ہم سے جو تاریخی غلطیاں ہوئیں، باوجود ہم نے ان سے کوئی سبق نہ لیا۔ بلکہ ایسے واقعات و حادثات سے آنکھیں بند کر لینا درست سمجھا۔ اسی لیے آج تک تحریک ہجرت کے حقائق پر مشتمل کوئی کتاب سامنے نہیں آئی سعی کہ یہ ہماری تاریخ کا تاریک باب ہے اس سے کسی طرح صرفِ نظر ہی کیے رکھو۔ حالانکہ زندہ قومیں اپنی اجتماعی غلطیوں سے سبق سیکھنے کی کوشش کرتی ہیں

تحریک ہجرت کے اس چند ماہ کے ہنگامے سے ہمیں جو سبق ملتے ہیں، وہ یہ ہیں۔

---

[1] عبدالنبی کوکب، قاضی۔ مقالات یومِ رضا حصہ دوم۔ صفحہ ۵۶

٭ سیاست اگر جذباتی مقرروں کے ہاتھ آ جائے تو بازیچۂ اطفال بن جاتی ہے

٭ بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی تنظیم کے کوئی کام کرنے کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

٭ ایسے ممالک جہاں بادشاہت ہو، ان کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا اعتبار نہ کرنا چاہیے

٭ کسی قوم کے ساتھ کوئی رویہ منتخب کرتے وقت سوچنا چاہیے کہ ایسے موقع پر انہوں نے ہمارے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا تھا۔ اور آئندہ کوئی ایسا موقع آیا تو ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے

٭ کسی قوم کے "بڑے" لوگ اور ادارے جب ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو قوم کو بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے

٭ کوئی دوسری قوم آپ کے کسی اقدام پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسا رہی ہو تو غور کریں کہ کہیں اس میں آپ کا نقصان اور اس دوسری قوم کا فائدہ تو نہیں

٭ چندے لینے والے اداروں اور اشخاص کا محاسبہ ہوتا رہے تو بہتر ہے ورنہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عوام کے اخلاص و ایثار سے جمع ہونے والی رقم کسی ایسے مقصد کے لیے استعمال ہو جاتی ہے جو قوم کے حق میں اچھا نہیں ہوتا یا کوئی ایک آدھ آدمی وہ رقم ہضم کر جاتا ہے

٭ اگر کوئی شخص یا کچھ اشخاص جذباتی ہنگاموں کے دوران میں عقل کی بات کر رہے ہوں تو اس پر کان دھرنا بعض اوقات فائدہ مند ثابت ہوتا ہے

٭ جب علما اور مفتی فتوے دے دے کر آپ کو کسی قربانی پر تیار کر رہے ہوں اور آتش بیان مقرر آپ کے جذبات کو بھڑکا رہے ہوں، آپ یہ ضرور دیکھ لیجیے کہ اس کی نیکی کی تبلیغ کرنے والے خود بھی اس پر عامل ہیں یا نہیں اور جب ان پر بات آتی ہے تو وہ الفاظ کی بازی گری دکھاتے ہیں اور تاویلات سے کام لیتے ہیں یا خود بھی آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے بے عمل مبلغ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ (حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت۔ بخاری شریف۔ کتاب بدء الخلق) قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا اور اسے آگ میں ڈالا جائے گا۔ بہت جلد دوزخ میں اس کے پیٹ کی آنتیں اس

کی قبر سے باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے ارد گرد اس طرح چکر لگائے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اہل دوزخ اس کے گرد جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ اے فلاں! یہ تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے منع نہیں کرتا تھا۔ وہ جواب میں کہے گا، میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور تمہیں برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس برائی سے نہیں رکتا تھا۔

اس حدیث پاک اور اسی موضوع پر اسلام کی دوسری ہدایات و احکام سے ہمارے مفتی اور مبلغ اچھی طرح واقف ہیں اور اگر اس کے خلاف عمل کرتے ہیں اور گفتار و کردار کی دو عملی کا شکار ہیں تو جان بوجھ کر دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں۔ ہم عامیوں کے لیے ایسے مواقع پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کا ذکر مسلم شریف کی ایک حدیث پاک میں ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے پہلے نبیوں کی امتوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے حواری اور اصحاب تو ان کے طریقے پر چلتے تھے اور ان کی پیروی کرتے تھے مگر بعد میں ان کے نالائق جانشین ایسے بھی ہوتے تھے جو یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ وَ یَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ (جو خود نہیں کرتے تھے، اس کے لیے کہتے تھے اور جن کاموں کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ کرتے تھے) پھر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسوں کے خلاف جس نے اپنے ہاتھوں سے جہاد کیا، وہ مومن ہے۔ جس نے ان کے خلاف صرف زبان سے جہاد کیا، وہ بھی صاحب ایمان ہے اور جس نے صرف دل ہی میں ان کے خلاف جہاد کیا، وہ بھی مومن ہے۔ لیکن جس نے اتنا بھی نہ کیا، اس کے صاحب ایمان ہونے کا کیا سوال۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بغیر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ ہم میں سے کس کس کو کونسا پیرہن پورا آتا ہے۔!!

ماخذ و مراجع

کتابیں

آغا اشرف۔ پاکستان کا اسلامی پس منظر، مقبول اکیڈمی، لاہور، طبع اوّل۔ ۱۹۸۳ء

ابوالکلام آزاد۔ تحریک نظم جماعت (مرتبہ ابوسلمان شاہجہانپوری) نذیر سنز لاہور، اشاعت اوّل۔ ۱۹۷۷ء

ابوالکلام آزاد، خطبۂ صدارت تقریری (۱۸ر نومبر ۱۹۲۱ء۔ بریڈلا ہال لاہور) قومی دارالاشاعت، میرٹھ۔ دوسری مرتبہ۔

ابوسلمان شاہجہانپوری ڈاکٹر۔ انصار زاہد، ڈاکٹر فصیح الدین صدیقی (مرتبین)۔ تحریکات ملی۔ گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی (مجلہ علم و آگہی کراچی کا ۸۳-۱۹۸۲ء کا خاص نمبر)

ابوسلمان شاہجہانپوری (مرتب)، مکاتیب ابوالکلام۔ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔ س ن

احمد رضا خاں بریلوی، اعلیحضرت مولانا۔ اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام۔ آستانۂ عالیہ، بریلی۔ بار اوّل۔ ۱۳۰۶ھ

احمد رضا خان بریلوی، امام۔ العطایا النبویہ فی الفتاوٰی الرضویہ جلد ششم۔ سنی دارالاشاعت مبارکپور (بھارت) اکتوبر ۱۹۸۱ء

احمد رضا خاں بریلوی۔ رسائل رضویہ، جلد دوم (مرتبہ اختر شاہجہانپوری) مکتبہ حامدیہ، لاہور۔ ۱۹۷۶ء

احمد رضا خاں بریلوی، امام و اشرف علی تھانوی، مولوی۔ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب: دو اہم فیصلے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ ۱۹۷۷ء

احمد سعید، پروفیسر۔ حصول پاکستان، ایجوکیشنل ایمپوریم "التصویر" لاہور، اگست ۱۹۷۶ء

اسیر احمد ادروی، مولانا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار۔ مرکز دعوت اسلام

جمعیۃ علماء ہند، دیوبند۔ پہلا ایڈیشن۔ جولائی ۱۹۸۱ء
اشرف خان عطا، محمد، مولانا ظفر علی خان۔ مکتبہ کارواں، لاہور۔ س ن
اشرف علی تھانوی، مولانا۔ تحذیر الاخوان عن الربوٰ فی الهندوستان، اشرف المطابع، تھانہ بھون (یو۔پی)
اللہ بخش یوسفی۔ سرحد اور جدوجہد آزادی۔ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔ بار اول جون ۱۹۶۸ء
امیر الدین، میاں۔ یادِ ایام۔ کتب خانہ انجمن حمایتِ اسلام لاہور، بار اول۔ اپریل ۱۹۸۳ء
اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی، خطبۂ صدارت۔ جماعت مبارکہ انصار الاسلام خانقاہ برکاتیہ
مارہرہ ضلع ایٹہ۔ س ن
پروین روزینہ (مرتبہ)، جمعیت العلماء ہند (دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے ۱۹۱۹-۱۹۴۵ء)
جلد اول۔ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد۔ طبع اول ۱۹۸۰ء
جانباز مرزا، حیاتِ امیرِ شریعت۔ مکتبہ تبصرہ، لاہور، بار اول۔ نومبر ۱۹۶۹ء
جاوید اقبال (ڈاکٹر)، زندہ رود: حیاتِ اقبال کا وسطی دور۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ ۱۹۸۱ء
جلال الدین قادری، محمد۔ ابو الکلام آزاد کی تاریخی شکست، مکتبہ رضویہ، لاہور، مئی ۱۹۸۰ء
حزب الاحناف۔ تحذیر الحنفیہ عن عقائد النجدیہ۔ حزب الاحناف، لاہور، مطبع کریمی، لاہور۔ س ن
حسین احمد مدنی، مولانا۔ اسیرِ مالٹا: سفر نامہ شیخ الہند، مکتبہ محمودیہ، لاہور ۱۹۴۷ء
خلیق الزمان چودھری۔ پاتھ وے ٹو پاکستان۔ لانگ مینز پاکستان برانچ۔ ۱۹۶۱ء
دربار علی شاہ، سید۔ ہجرتِ افغانستان (حاجی فیض محمد خان صاحب مرحوم کی سرگزشت)
تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور کراچی۔ ۱۹۷۷ء
رشبرک ولیمس، مرقع ہند بابت ۱۹۲۰ء (ترجمہ از مولانا عبد الماجد دریابادی)
مطبوعہ تعلقدار پرنٹنگ پریس لکھنؤ۔ بار اول۔ ۱۹۲۲ء
رئیس احمد جعفری ندوی، سید۔ اوراقِ گم گشتہ۔ محمد علی اکیڈمی، لاہور۔ طبع اول ۱۹۶۸ء
رئیس احمد جعفری، سید۔ کاروانِ گم گشتہ۔ سید رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی، اشاعت اول ۱۹۷۱
رئیس احمد جعفری (مرتب)، خطباتِ محمد علی، مطبوعہ کراچی۔ طبع اول
رحیم دہلوی، محمد۔ جواہر لال کی کہانی۔ نیا کتاب گھر، دہلی، بار اول۔ س ن
سلیمان اشرف، پروفیسر محمد۔ الرشاد، مطبوعہ خادم التعلیم ۱۹۱۹ء

سلیمان ندوی، سید۔ خلافت اور ہندوستان۔ ندوۃ المصنفین، اعظم گڑھ (انڈیا) ۱۳۴۰ھ
سنگھ، کرتار، گیانی لال سنگھ پرتاپ۔ مہاتما گاندھی جی کی عظمت ممالکِ غیر کی نظروں میں۔
مفید سلسلۂ کتب لاہور۔ س ن
شاہد علی سروری، شیخ (مرتب)، رسالۂ ہجرت و رسالہ قربانی گاؤ (یعنی مولانا محمد قیام الدین عبد الباری فرنگی
محلی کے مضامین) پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۲۰ء (مطبوعہ شمس المطابع، لکھنؤ)
صادق قصوری، محمد۔ اکابرِ تحریکِ پاکستان۔ حصہ اول۔ مکتبہ رضویہ گجرات۔ فروری ۱۹۷۶ء
صادق قصوری، محمد۔ اکابر تحریکِ پاکستان۔ حصہ دوم۔ نوری بک ڈپو لاہور۔
طباعت دوم ۱۹۸۹ء (۱۹۷۹ء)
صادق قصوری، محمد۔ انوارِ ملت۔ مرکزی مجلس امیرِ ملت، برج کلاں ضلع قصور۔ ستمبر ۱۹۷۹ء
صادق قصوری، محمد۔ فدایانِ امیرِ ملت۔ مرکزی مجلس امیرِ ملت، برج کلاں ضلع قصور۔
بار اول۔ اپریل ۱۹۸۱ء
صادق قصوری، محمد۔ امیرِ ملت اور ان کے خلفاء، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ۔ بار اول۔ ۱۹۸۳ء
صلاح الدین ناسک۔ تحریکِ آزادی۔ عزیز بک ڈپو، لاہور۔ اشاعت اول۔ س ن۔
ضیاء الدین احمد سلہری۔ ہمارا قائد (ترجمہ از جہاں گرد)۔ کتاب منزل، لاہور، بار دوم ۱۹۴۶ء
طفیل احمد منگلوری علیگ، سید۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل۔ حماد الکتبی، لاہور۔ س ن
ظفر حسن ایبک۔ آپ بیتی۔ حصہ اول، منصور بک ہاؤس، لاہور۔ س ن۔
ظہیر احمد۔ اب بھی زندہ ہیں۔ نیا ادارہ پبلی کیشنز، حیدرآباد۔ اشاعت اول۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء
عبد الحکیم شرف قادری، مولانا محمد۔ تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنت۔ مکتبہ قادریہ، لاہور۔ ستمبر ۱۹۷۶ء
عبد الحمید، مسلم سیپریٹزم ان انڈیا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن۔ طباعت دوم ۱۹۷۱ء
عبد الحمید خان۔ مردِ مومن۔ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔ س ن
عبد الحی لکھنوی، مولانا۔ مجموعۂ فتاویٰ، مطبوعہ مطبع یوسفی، لکھنؤ۔ ۱۳۴۰ھ
عبد الغفار، قاضی۔ حیاتِ اجمل، مطبوعہ علی گڑھ۔ ۱۹۵۰ء
عبد الغفار خان، خان۔ آپ بیتی۔ ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ، دہلی۔ س ن
عبد اللہ امرتسری، ابو الضیاء محمد۔ پولیٹیکل خلیقہ، نیشنل بک ڈپو، امرتسر۔ س ن

عبداللہ ہارون، سیٹھ حاجی۔ خطبۂ صدارت (آل انڈیا خلافت کانفرنس، منعقدہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ فروری ۱۹۲۷ء بمقام لکھنؤ) قاضی محمد مجتبیٰ کرتاڑمی نے نپیئر روڈ کراچی سے شائع کیا۔ س ن۔

عبدالنبی کوکب، قاضی و محمد موسیٰ امرتسری، حکیم (مرتبین)، مقالات یوم رضا، حصہ اول۔ دائرۃ المصنفین لاہور۔ جون ۱۹۶۸ء

عبدالنبی کوکب، قاضی۔ مقالات یوم رضا، حصہ دوم۔ دائرۃ المصنفین لاہور۔ ۲ مئی ۱۹۷۰ء

عبدالوحید خان، تقسیم ہند، مکتبۂ کاروان لاہور۔ طبع دوم اگست ۱۹۸۲ء

عبدالوحید خان، مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ، مکتبۂ کاروان لاہور، تیسرا ایڈیشن۔ نومبر ۱۹۸۲ء

عدیل عباسی، قاضی محمد۔ تحریک خلافت، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔ ۱۹۷۸ء

عزیز، کے کے۔ انڈین خلافت موومنٹ (۱۹۱۵-۱۹۳۳) پاک پبلشرز، کراچی۔ ۱۹۷۲ء

عزیز جاوید۔ حاجی صاحب ترنگزئی۔ ادارۂ تحقیق و تصنیف پاکستان، پشاور۔ بار سوم اکتوبر ۱۹۸۲ء

عطاء اللہ، شیخ (مرتب)، اقبالنامہ حصہ اول و حصہ دوم۔ س ن

فائق کامران۔ تحریک پاکستان، ہماری جدوجہد آزادی۔ فیروز سنز، لاہور، راولپنڈی۔ س ن

فقیر سید وحید الدین۔ روزگار فقیر، جلد دوم

فیض احمد فیض، مولانا (مؤلف)، مہر منیر، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور۔ طبع سوم ۱۳۹۷ھ

قاسم نانوتوی، مولانا محمد۔ قاسم العلوم (مکتوبات مترجم)، ناشران قرآن، لاہور۔ ۱۹۷۸ء

گل ارب خان بیغی۔ بنوں او وزیرستان تاریخ (پشتو) نذیر میڈیکل سٹور، بنوں شہر۔ ۱۹۶۹

لال دین اخگر، ڈاکٹر۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری، مکتبہ خدام الدین، لاہور۔ اگست ۱۹۸۵ء

لکھندی مل ہندی، لالہ (مؤلف)، بیداریٔ ہند یعنی کارنامۂ مہاتما گاندھی۔ جلد اول۔ دارالاشاعت بیداریٔ ہند، میرٹھ۔ بار اول۔ ۱۹۲۰ء

محمد صدیق، پروفیسر۔ پروفیسر مولوی حاکم علی، مکتبۂ رضویہ، لاہور۔ جنوری ۱۹۸۳ء

محمد علی جوہر، مولانا۔ بیان کراچی۔ قومی دارالاشاعت، میرٹھ۔ (اس مطبوعہ بیان کو دارالاشاعت علوم اسلامیہ، حسین آگاہی، ملتان نے نیا سرورق لگا کر فروخت کیا) س ن

محمد علی جوہر، مولانا۔ تقریر صدارت (دہلی دا جمیر مہاراشٹر کی دوسری پولیٹیکل کانفرنس، ۲۳ نومبر

۱۹۲۰ء دہلی) قومی دارالاشاعت، میرٹھ۔ س ن۔

محمد علی جوہر، مولانا۔ خطبہ ہائے صدارت جو دہلی کانفرنس اور لکھنؤ خلافت کانفرنس میں پڑھے گئے (دارالاشاعت علوم اسلامیہ، ملتان کے سرورق کے ساتھ) س ن

محمد میاں۔ جمعیت العلماء کیا ہے، حصہ دوم مطبوعہ دہلی ۱۹۴۶ء

مرید احمد چشتی۔ خیابان رضا، عظیم پبلی کیشنز، لاہور، بار اول جنوری ۱۹۸۲ء

مرید احمد چشتی (مرتب)، جہان رضا، مرکزی مجلس رضا، لاہور۔ بار اول۔ شوال ۱۴۰۱ھ

مسعود احمد، پروفیسر محمد۔ تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، رضا پبلی کیشنز، لاہور فروری ۱۹۷۹ء

مسعود احمد، پروفیسر محمد (مرتب) فتاویٰ مظہری جلد دوم از مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی کراچی ۱۹۷۰ء

مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی، مولانا محمد (مؤلف)، الطاری الداری لہفوات عبدالباری حصہ اول جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی۔ ۱۳۳۹ھ

مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی (مرتب)، الطاری الداری لہفوات عبدالباری۔ حصہ سوم۔ جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی۔ ۱۳۳۹ھ

نجم الدین اصلاحی (مرتب) مکتوبات شیخ الاسلام۔ حصہ سوم۔ مکتبہ دینیہ، دیوبند۔ اپریل ۱۹۵۹ء

نور احمد، سید۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک۔ سید نور احمد، طبع دوم، فروری ۱۹۶۶ء

وحید قریشی، ڈاکٹر۔ قائد اعظم اور تحریک پاکستان، مکتبۂ عالیہ لاہور۔ ۱۹۸۰

مرقع ہند بابت ۲۲-۱۹۲۱ء باہتمام رائے اما ناتھ پروپرائٹر تعلقدار پریس لکھنؤ۔

تاریخ ادبیات پاکستان و ہند۔ جلد نہم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

جرائد و اخبارات

مجلہ "برگ گل"، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج، کراچی (جوہر نمبر ۱۴۰۱ ہجری)

"نقوش" لاہور، آپ بیتی نمبر۔ جلد اول (جون ۱۹۶۴ء)

"روایت" نمبر ۱ لاہور (۱۹۸۳ء)

ماہنامہ "ورپچ" لاہور، کانگرس نمبر (دسمبر ۱۹۲۲ء)

ماہنامہ "الرشید" ساہیوال۔ مدنی و اقبال نمبر ۱۳۹۸ھ (۱۹۷۸ء)

ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور (مئی ۱۹۳۸ء)

ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور (اپریل مئی ۱۹۶۱ء)

پندرہ روزہ "ہم عصر" بمبئی (۲۲، مارچ ۱۹۸۰)

پندرہ روزہ "سعادت" کامیہ (یکم فروری ۱۹۴۲ء-۲۲، جون ۱۹۴۲ء)

ہفت روزہ "سعادت" کامیہ (یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء)

ہفت روزہ "افق" کراچی (۶، فروری ۱۹۸۰ء)

ہفت روزہ "استقلال" لاہور (۶، جولائی تا ۱۲، جولائی ۱۹۸۴ء)

ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر (۱۴، نومبر ۱۹۱۹ء - ۱۱، جون ۱۹۲۰ء، ۱۸، جون، ۱۶، جولائی، ۲۳، جولائی، ۳۰، جولائی، ۶، اگست، ۱۳، اگست، ۲۰، اگست، ۱۷، ستمبر، ۲۴، اکتوبر ۱۹۲۰ء)

"صدق" لکھنؤ۔ (۲۰، فروری ۱۹۳۶ء)

روزنامہ "حریت" دہلی (۲۶، اپریل ۱۹۲۰ء-۲۶، نومبر ۱۹۲۰ء)

روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور (۲۸، اپریل ۱۹۲۰ء)

روزنامہ "وکیل" امرتسر (۳۰، اپریل ۱۹۲۰ء، ۷، مئی ۱۹۲۰ء - ۲۲، اگست ۱۹۲۰ء)

روزنامہ "خلافت" دہلی (یکم مئی ۱۹۲۰ء)

روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ (۸، جون ۱۹۲۰ء - ۸، ستمبر ۱۹۲۰ء)

روزنامہ "دبدبۂ سکندری" رامپور (یکم نومبر ۱۹۲۰ء)

روزنامہ "سیاست" لاہور (۱۹، فروری ۱۹۲۱ء)

روزنامہ "دی ٹریبیون" لاہور (۱۵، اکتوبر ۱۹۲۱ء)

روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی۔ آزاد نمبر (۴، دسمبر ۱۹۵۸ء)

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور (۸، مئی ۱۹۷۵ء)

روزنامہ "جنگ" کراچی (ہفت روزہ ایڈیشن) (۳۰، ستمبر تا ۶، اکتوبر ۱۹۸۲ء - ۷ تا ۱۳، اکتوبر ۱۹۸۲ء)

روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور

جنوری ۱۹۲۰ء (۲۲-۳۰)

فروری ۱۹۲۰ء (۱۸-۱۹)

مارچ ۱۹۲۰ء (۱۹-۳۰)

اپریل ۱۹۲۰ء (۲۱-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰)

مئی ۱۹۲۰ء (۱-۲-۷-۱۲-۱۴-۱۵-۱۹-۲۱-۲۳-۲۷-۲۹)

جون ۱۹۲۰ء (۲-۴-۱۰-۱۱-۱۲-۱۶-۱۹-۲۳-۲۴)

جولائی ۱۹۲۰ء (۲-۳-۴-۶-۸-۱۱-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸-۲۰-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۷-۲۹-۳۱)

اگست ۱۹۲۰ء (۱-۳-۴-۵-۶-۷-۸-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۸-۱۹-۲۱-۲۴-۲۵-۲۶-۲۸-۲۹-۳۱)

ستمبر ۱۹۲۰ء (۳-۴-۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۴-۱۶-۱۸-۱۹-۲۲-۲۹)

اکتوبر ۱۹۲۰ء (۵-۹-۱۲-۲۸)

نومبر ۱۹۲۰ء (۱۲-۱۳-۱۴-۱۶-۲۲-۲۶-۲۷)

دسمبر ۱۹۲۰ء (۲-۳-۱۲-۱۷-۲۲-۲۹)

روزنامہ "زمیندار" لاہور

اپریل ۱۹۲۰ء (۲۱-۲۳-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰)

مئی ۱۹۲۰ء (۱-۲-۶-۷-۹-۱۲-۱۵-۲۰-۲۶)

جون ۱۹۲۰ء (۱-۲-۳-۹-۱۰-۱۶-۱۷-۱۸-۱۹-۲۲-۲۳)

جولائی ۱۹۲۰ء (۲-۳-۷-۸-۱۶-۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۶-۳۰-۳۱)

اگست ۱۹۲۰ء (۴-۵-۷-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۴)

ستمبر ۱۹۲۰ء (۹)

اکتوبر ۱۹۲۰ء (۱۶-۲۸)

نومبر ۱۹۲۰ء (۹-۱۰-۱۳-۱۶-۱۷)

دسمبر ۱۹۲۰ء (۱۰)

راجا رشید محمود کی مطبوعہ تصانیف

اردو مجموعہ ہائے نعت ○ ۱- ورفعنا لک ذکرک (پہلا مجموعۂ نعت) ○ ۲- حدیث شوق (دوسرا مجموعۂ نعت) ○ ۳- منشور نعت (اردو پنجابی فردیات) ○ ۴- سیرت منظوم (بصورت قطعات) ○ ۵- "۹۲" (نعتیہ قطعات)۔ **پنجابی مجموعہ ہائے نعت** ○ ۶- نعتاں دی ڈالی (صدارتی ایوارڈ یافتہ) ○ ۷- حق دی تائید۔ **تحقیق نعت** ○ ۸- پاکستان میں نعت ○ ۹- غیر مسلموں کی نعت گوئی ○ ۱۰- خواتین کی نعت گوئی ○ ۱۱- نعت کیا ہے۔ **انتخاب نعت** ○ ۱۲- مدح رسول ﷺ ○ ۱۳- نعت خاتم المرسلین ﷺ ○ ۱۴- نعت حافظ (حافظ پیلی بھیتی کی نعتوں کا انتخاب) ○ ۱۵- قلزم رحمت (امیر مینائی کی نعتوں کا انتخاب) ○ ۱۶- نعت کائنات (اصناف سخن کے اعتبار سے ضخیم انتخاب) مبسوط تحقیقی مقدمے کے ساتھ - جنگ پبلشرز کے زیر اہتمام ۸۱۶ صفحات - بڑا سائز - چار رنگا طباعت۔ **اسلامی موضوعات پر کتابیں** ○ ۱۷- احادیث اور معاشرہ (تین ایڈیشن پاکستان میں اور ایک ایڈیشن بھارت میں چھپا) ○ ۱۸- ماں باپ کے حقوق ○ ۱۹- حمد و نعت (تدوین) ۲۱ مضامین، ۴۹ منظومات ○ ۲۰- میلاد النبی ﷺ (تدوین) ۱۸ مضامین، ۸۰ میلادیہ نعتیں ○ ۲۱- مدینۃ النبی ﷺ (تدوین) ۱۸ مضامین، ۵۷ منظومات۔ **تاریخ اور تاریخی شخصیات پر کتابیں** ○ ۲۲- اقبال و احمد رضا- مدحت گران پیغمبر ﷺ (بھارت میں بھی چھپی) ○ ۲۳- اقبال، قائد اعظم اور پاکستان ○ ۲۴- قائد اعظم - - - افکار و کردار ○ ۲۵- تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء (تاریخ و تحقیقی تجزیہ)۔ **مزید کتابیں** ○ ۲۶- میرے سرکار ﷺ ○ ۲۷- حضور ﷺ اور بچے ○ ۲۸- تسخیر عالمین اور رحمۃ للعالمین ﷺ ○ ۲۹- درود و سلام- (سات ایڈیشن چھپ چکے ہیں) ○ ۳۰- قرطاس محبت (حب رسول ﷺ کے مظاہر) ○ ۳۱- سفر سعادت، منزل محبت (سفرنامہ حجاز) ○ ۳۲- راج دلارے (بچوں کے لئے نظمیں) ○ ۳۳- میلاد مصطفیٰ ﷺ ○ ۳۴- عظمت تاجدار ختم نبوت ○ ۳۵- منظومات ○ ۳۶- دیار نور (سفرنامہ حجاز) ○ ۳۷- حضور ﷺ کی عادات کریمہ **تراجم** ○ ۳۸- الخصائص الکبریٰ- جلد اول و دوم (از علامہ سیوطی) ○ ۳۹- فتوح الغیب (از حضرت غوث اعظم) ○ ۴۰- تعبیر الرؤیا (منسوب بہ امام سیرین) ○ ۴۱- نظریہ پاکستان اور نصابی کتب (تدوین و ترجمہ)

اشاریہ

(تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء)

مرتبہ:
شہناز کوثر (بنت مؤلف)

اخبارات وجرائد

ادارے، مشہور جگہیں

تحریکیں اور متعلقات

خدا تعالیٰ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

زبانیں

شخصیات

قوانین

کتابیں

مقامات، ممالک وغیرہ

متفرقات

مصنف کی تصانیف/تالیفات

- ورفعنا لک ذکرک (اُردو مجموعۂ نعت)
- حدیثِ شوق (〃 〃)
- نعتاں دی ڈالی (پنجابی مجموعۂ نعت)
- حق دی تائید (نعت و منقبت)
- تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ء
- تحریکِ ترکِ موالات (زیرِ طبع)
- اُردو نعت (〃)
- اقبال، قائدِ اعظم اور پاکستان
- قائدِ اعظم ــــ افکار و کردار
- اقبال و احمد رضا
- احادیث اور معاشرہ
- ماں باپ کے حقوق
- مدحِ رسولؐ (انتخابِ نعت)
- نعتِ خاتم المرسلینؐ (انتخابِ نعت)
- نظریۂ پاکستان اور نصابی کتب (تالیف و ترجمہ)
- ترجمہ خصائص الکبریٰ
- ترجمہ تعبیر الرؤیا
- ترجمہ فتوح الغیب